تلوارِ اسلام

جلد اوّل

مصنفہ حاجی مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم و مغفور

جسے

پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۴۴ء میں

مولوی عبدالمجید صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور نے طبع کر کے شائع کیا

Price Rs. 4/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ تلوار و اسلام

حصہ اوّل

معذرت اور ضروری گذارش

بیس پچیس سال سے راقم الحروف کو خیال پیدا ہوا کہ ابنائے زماں اور خصوصاً میرے ہندو معاصر اخبار نویس مذہب اسلام پر بہت سے ایسے الزام لگا دیتے ہیں کہ جن کا دندان شکن جواب مسلمان اخبار نویسوں سے بھی بعض فروگذاشتیں ہو جاتی ہیں، لیکن اسلام پر اس سے بہت زیادہ الزام لگائے جاتے ہیں کہ جن کا رد تحقیق تان کر بھی سزاوار ہو سکتا ہے خصوصاً مسلمان بادشاہان ہند کے ہر ایک فعل کو مذہب پر ہر کس و ناکس عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنے کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے ہر چند کہ نکتہ چیں خود اس کا اہل نہیں ہوتا ہے۔

ہر بے ہنر نے حسن پہ نکتہ چینی شمار کی ✻ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

سچ تو یہ ہے کہ اسلام بجائے خود بالکل بے عیب ہے اگر اہل اسلام سے کبھی کوئی لغزشیں ہو جاتی ہیں، یا ہو گئی ہیں، یا نکتہ چینوں کے قصور فہم سے اسلام کے ذمہ لگا دی جاتی ہیں۔

اسلام بذات خود ندارد عیبے ✻ ہر عیب کہ ہست در مسلمانی ہست

اپنی عمر بھر کی پیشہ اخبار نویسی کی مصروفیت کے دوران میں میں نے اخبارات سے ایسے بہت سے مضامین جمع کر رکھے تھے جن کی نسبت کچھ تردید کا ارادہ تھا یا اسلامی بے تعصبی کی تائید کی مثالیں موجود تھیں لیکن اپنی مصروفیات دنیا و مافیہا زندگی کی وجہ سے اس کام کو ترتیب نہ دے سکا تھا کہ یکایک ایک روز نومبر ۳۸ء میں ایک انجن کی طرح چلتی پھرتی واپس آنے پر میری بائیں آنکھ میں کچھ آشوب معلوم ہوا۔ جو دوسرے تیسرے روز اسقدر بڑھا کہ ایک خطرناک آنکھوں کی بیماری کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور مجھے ڈاکٹر سپرنٹنڈنٹ بی۔ این کول صاحب ماہر مخصوص معالج چشم ان کے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا، جہاں میں چند ماہ تک ان کے زیر علاج رہا اس بیماری کا انگریزی نام ہرپیز آپتھلمک ہے جسے عربوں نے شلہ کا نام دیا ہے۔ شروع میں تو مرض نہایت خطرناک تھا اور ایک آنکھ کا ورم تمام چہرے پر پھیل کر ہولناک ہو گیا تھا لیکن ڈاکٹر کول صاحب کی کوشش اور ان کے مشیر ڈاکٹروں کی توجہ سے خطرہ اور مشکل کا وقت گذر گیا اور میں سوا ماہ کے بعد ہسپتال سے رخصت کر دیا گیا اگر دو تین ماہ تک آنکھ زیر علاج رہی اور میں حسب معمول لاہور کی گرمی سے بچنے کے لئے کشمیر کو چلا گیا، مگر خلاف امید بائیں آنکھ میں صحت ہو جانے کے بجائے جو تھوڑی بہت بصارت

موجود تھی نزول الماء شروع ہوجانے سے وہ بھی جاتی رہی اور میرا مدار صرف دائیں آنکھ پر رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دائیں آنکھ کی بصارت اچھی تھی۔ لیکن چونکہ تمام لکھنے پڑھنے یا چلنے پھرنے کا مدار اسی پر تھا، اس لئے ڈاکٹر صاحب مجھے برابر تاکید کرتے رہے کہ میں اس پر زیادہ زور نہ ڈالوں۔

ان حالات میں مجھے خیال ہوا کہ اسلامی بے تعصبی پر شہادتیں یا نوٹ جو میں نے جمع کر رکھے تھے وہ رائیگاں جائیں گے، جس طرح ہوسکے انھیں کسی صورت میں جمع کردیا جائے، میں اس مسودہ کو کشمیر میں اپنے ساتھ لے گیا لیکن جب بھی اس کام پر توجہ کی آنکھ کی بیماری اور کمزوری مانع ہوئی، اس پر بھی میں کشمیر کے دو مرتبہ تفریحی سفروں میں اُسے ساتھ لیئے لیئے پھرا، اور ان حالات میں جیسا کچھ ادھورا سا کام ہوسکتا ہے نہ کرنے کی نسبت اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں۔

میری غرض صرف مسلمانوں پر ہر کس و ناکس جو طعن در اذکرتا ہے اس کی تردید ہے۔ میری نیت صرف غلط فہمی اور ناجائز الزام کو دور کرکے اصلاح اور رفع شرکی ہے جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ زیادہ تر ان اوراق میں اقتباسات کتابوں، رسالوں اور اخباروں وغیرہ سے جمع کیئے گئے ہیں، یعنی خود حتی الوسع کوئی اعتراض یا ایزا و سخت یا ناگوار بیان میں نہیں کیا۔ اگر اقتباسات میں کوئی ناگوار لفظ درج ہوگیا ہو تو میں معذور ہوں اور حتی الوسع جوابات میں بھی بہت نرمی اختیار کی ہے۔ امید ہے ناظرین کرام میری معذوری اور مجبوری کا لحاظ رکھیں گے۔

اصل غرض میری یہ تھی کہ اسلام کی اصلی غرض جو میری سمجھ میں آئی ہے اُسے مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کی خدمت میں پیش کردوں، یعنی کہ اسلام کا منشا سب سے نرمی کا برتاؤ کرنے کا ہے۔ اگر غور سے اس کے سب پہلوؤں پر غور کیا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے۔ مسلمانوں اور اہل کتاب کے مختلف فرقے تو ایک طرف رہے، کافروں اور ذمّیوں تک سے رفق مدارات کا سلوک مدّنظر رکھا گیا ہے۔ ذمّیوں کے سلوک کو دیکھ کر انصاف کیجیے۔ عہد سعادت اور خلفائے راشدین کے باب میں حضور سرورِ عالم اور صحابہ کبار کے اقوال و افعال کو بغور ملاحظہ فرمایئے پھر اسکے بعد ذمّیوں سے سلوک کی تفصیل پڑھیئے پھر سلاطین اسلام عرب، ترک، مغل وغیرہ وغیرہ کے سیکڑوں سال کی حکومت کے حالات مطالعہ فرمایئے۔ ممکن ہے کہ انسانی کمزوری کہیں کہیں نمودار ہوئی ہو لیکن عام حالات اور نمایاں تاریخی شہادتوں کو دیکھئے اور ان سے نتیجہ نکال لیئے کہ بے تعصبی اور نرمی کی پالیسی کو کیسا مسلسل و دائمًا مدّنظر رکھا گیا ہے۔

سب سے پہلے قرآن مجید کا یہ اہم حکم دیکھئے اور مصلحت پر غور فرمایئے جو لا اکراہ فی الدین میں چھپی ہے۔ حضرت عمر نے اپنے ایک کافر غلام اشتق نامی کو ایک دفعہ سختی سے فرمایا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے؟ اور اس نے جواب دیا کہ لا اکراہ فی الدین "فی الدین" کا خیال نہ کرکے آپ مجھے سختی سے اتنا بھی نہیں کہہ سکتے۔ تو حضرت عمر خود خجل ہوکر خاموش ہوگئے۔

سلطان محمود غزنوی یا اورنگ زیب عالمگیر یا کسی اور مسلمان سلطان جہانگیر یا کشورکشا نے نشرِ اسلام

کے خلاف کوئی غلطی یا خلاف ورزی کی ہے تو اس میں اسلام کا کیا قصور ہے؟ لیکن مسلمان سلاطین نے بھی اپنے زمانوں کے مقابلے میں حیرت ناک بردباری اور انصاف اور معدلت کے سلوک کیئے ہیں، ترکوں نے یورپ میں عیسائیوں اور یہودیوں سے اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ سے جس محبت اور بردباری اور فیاضی کے سلوک کیئے ہیں، اُس کی صدہا مثالیں ان اوراق میں بھی جمع کی گئی ہیں۔

ہندوستان میں اغیار کا ایک بڑا اعتراض اسلام یا اہل اسلام سلاطین و اکابر پر یہ ہے کہ مسلمان سلاطین و امراء نے بہت سے ہندوؤں کو مسلمان بنایا ہے۔ مگر ہر منصف مزاج انصاف پسند شخص سمجھ سکتا ہے کہ کم وبیش بارہ تیرہ سو سال کے ہندوستان سے اسلامی تعلقات سے اگر قریبًا آٹھ کروڑ مسلمان اس ملک میں پیدا ہو گئے ہیں، یا کم وبیش چالیس پینتالیس کروڑ مسلمان تمام دنیا میں اس وقت موجود ہیں تو ٹھنڈے دل سے سوچنے سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ کیا جبر و اکراہ سے ہی اسلام کا اس قدر ترقی کر سکنا ممکن ہے۔ ذرا دیکھیئے کتنے مختصر سے عرصہ میں کتنے عیسائی پیدا ہو گئے ہیں۔

مذہب اسلام کا سہل اور متاثر ہونا ہی تو ایسا سبب ہے کہ جو اپنا اثر کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام شروع میں بڑی تو حیرت ناک سرعت سے پھیلا تھا، حضور پیغمبر اسلام اور ان کے رفقائے کبار کے عہد میں بھی اس کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہو گیا، بڑے بڑے اہل اللہ اور صوفی بزرگوں نے اسلام کا مشنری کام شروع کر دیا۔ جو نادان لوگ اسلام پر بزور شمشیر پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں انھوں نے غالبًا کبھی یہ نہیں سوچا کہ چین اور جاوا، اسٹریٹ سٹلمنٹ وغیرہ وغیرہ ملکوں میں جہاں شروع سے لیکر اب تک ایک مسلمان سپاہی یا سپہ سالار بھی نہیں گھسا وہاں کس طرح کروڑوں مسلمان اس وقت موجود ہو گئے ہیں، اگر ایسے معترض انصاف پسند ہوں تو ہمیشہ کے لیئے خاموش ہو جاویں۔

باوجودیکہ مسلمان سلاطین نے ہندوستان میں کبھی کوئی باضابطہ محکمہ ہندوؤں کو مسلمان کرنے کا اسلامی حکومت کے زور اور طاقت کے زمانہ میں بھی قائم نہیں کیا تھا۔ مگر اس پر بھی مسلمانوں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کو مسلمان کیا، اگر ہندو عہد کی تاریخ ہندوستان میں موجود نہیں ہے تو کیا ہرج ہے عہد اسلامی کی تو ذرہ ذرہ باتوں کی مفصل تاریخ موجود ہے۔ مگر ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی تفصیل کہیں موجود نہیں، اگر کسی صاحب کو واقفیت ہوں تو اطلاع دیں۔ بیچارے اورنگ زیب عالمگیر پر بعض ہندو صاحبان بہت کچھ الزام لگاتے ہیں کہ وہ سخت متعصب تھا مگر اب جبکہ سر جادو ناتھ سرکار نے اس کے عہد کے مفصل حالات ہر قسم کی نکتہ چینی کے ساتھ چھاپ دیئے ہیں، اس کے روزانہ احکام اور فرامین بھی شائع کر دیئے ہیں۔ مگر یہ کہیں سے پتہ نہیں لگتا کہ اس کے مسلمان کرنے کے محکمہ کا کیا نام تھا؟ وہ کس شہر میں قائم تھا؟ کون کون اس کے افسر تھے؟ اس کا کیا خرچ تھا؟ وغیرہ وغیرہ اس کا اپنے باپ اور بھائیوں بھتیجوں سے سلوک اور سلطنت پر قبضہ کرنے کے واقعات بالکل دوسری بات ہے جو لوگ اس کی ان باتوں پر معترض ہیں وہ خدا کے لیئے اتنا انصاف تو کریں کہ تاریخ ہند میں ایسا محنت کش اور انصاف پرور

اور شب و روز بندگان خدا کی خدمت کرنے والا، اور دوسرا بادشاہ یا راجہ کونسا گذرا ہے؟ جن یورپینوں نے اورنگ زیب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کی کھلی عدالتوں میں روزانہ محنت اور جفاکشی دیکھ کر دنگ رہ گئے ہیں۔

افسوس ہے کہ جیسا میرا ارادہ ان اوراق میں اسلام اور اہل اسلام پر سے اعتراضات دور کرنے کا تھا اور جیسے سو ہیا نے صدہا کتابوں اور رسالوں میں نشان کر رکھے تھے۔ بوجہ اپنی نظر کی کمزوری کے میں اُن سے کام لینے کے لائق نہیں ہو سکا، تاہم جس قدر کم و بیش یادداشتیں ہیں نے ان اوراق میں بُری بھلی صورت میں جمع کر دی ہیں ناظرین انہیں بنظر انصاف دیکھیں اور اُن سے مناسب نتیجے نکالیں۔ کاش اگر نظر میری زیادہ مدد کرتی تو میں ان یادداشتوں کو زیادہ بہتر صورت میں مرتب کرتا، اب تو سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ جابجا سے جو اعتراض یا جوابات جمع کیے ہیں اور مثالیں اور حکایتیں فراہم کی ہیں وہ اچھی طرح مرتب نہیں ہو سکیں۔ اب تو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس پر یہی مثل صادق آسکتی ہے "کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا" اقتباسات کی بھرمار کی وجہ سے بہت سا ضروری سامان شامل نہیں کیا جا سکا۔ اگر میری عمر نے وفا نہ کی تو مجھے اُمید ہے کہ میرا لڑکا میاں عبدالمجید میرے اس مسودہ کو ضرور کتابی صورت میں طبع کر دے گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ اس میں برکت دے اور اس تھوڑے سامان کو بہت بڑے نتائج کا حامل ثابت کرے۔ وما توفیقی الا باللہ

(بندہ گنہگار محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور)

پبلشر کی معذرت

تاریخ رواداری اسلام کا مسودہ کیونکہ بہت طویل ہے اور بارہ سو صفحات تک پھیلا ہوا ہے، اور زمانہ جنگ میں کاغذ کی قلت کی وجہ سے تمام طبع نہیں ہو سکا صرف تین سو صفحات تک چھاپ کر اس کو جلد اول میں ختم کر دیا ہے، باقی نو سو صفحات آئندہ دو جلدوں میں جنگ کے بعد کاغذ دستیاب ہونے پر طبع کیے جائیں گے، اور اگر اس دوران میں کاغذ کنٹرول ریٹ پر دستیاب ہو گیا تو اس کو بھی طبع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اُمید ہے ناظرین پہلی جلد کے بعد دیگر جلدوں کی طباعت کے انتظار سے پریشان نہ ہونگے۔ کتاب کے بقیہ ابواب بڑے دلچسپ اور تاریخی معلومات سے بھرپور ہیں۔

عبدالمجید پرنٹر و پبلشر

(۱۲ امور کتاب تاجی پریس پیسہ اخبار سٹریٹ لاہور میں چھپی)

سبب تالیف کتاب ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلیبی جنگوں کے ذریعہ سے مسلمانوں اور یورپ کے عیسائیوں کے درمیان پہلی بار زبردست مذہبی ٹکر ہوئی۔ جبکہ مسلمان بیت المقدس پر قابض ہو چکے تھے۔ پیٹر نامی ایک فصیح البیان راہب نے تمام یورپ میں [illegible] کا دورہ کر کے آگ لگا دی کہ عیسائیوں کے مقدس مقامات مثل بیت المقدس اور کنیسۃ القیامۃ[1] پر مسلمان قابض ہو گئے ہیں۔ ان کو ان مقامات سے نکال دینا چاہیئے۔ اس پر تمام یورپ اور انگلستان[2] کے کئی بادشاہ اور شہزادے پہلی مرتبہ تیرہ لاکھ عیسائی مذہبی مجاہدوں کا لشکر لیکر ارض مقدس پر چل پڑے۔ اور کم و بیش دو سو سال تک یہ جنگ جاری رہی۔ آخر کار تاریخ اسلام کے ایک زبردست مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان سب کو شکست شکست دیتے ہوئے انکا خاتمہ کر دیا۔ یورپ میں اس زمانہ میں بیت المقدس کی نسبت مذہبی جنون کا یہ عالم تھا کہ ایک مہم صرف انگلستان کے ہزارہا بچوں[3] کی بیت المقدس کو چھڑانے کے لئے روانہ ہو پڑی۔ جو بوجہ بے سروسامانی منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں تمام و کمال برباد ہو گئی۔

گو صلیبی جنگوں کا تو مسلمانوں کی کامل فتح اور عیسائیوں کی کامل شکست پر خاتمہ ہو گیا لیکن انکا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیوں تک عیسائیوں اور خصوصاً عیسائی پادریوں کے دلوں میں مذہب اسلام کی نسبت نہایت غلط اور [illegible] خیالات پیدا ہو گئے اور عیسائی قسیسین مذہب اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت نہایت [illegible] گمراہ کن اور خلاف حقیقت خیالات پھیلاتے رہے۔

---

[1] حضرت مسیح کا مدفن واقع بیت المقدس۔ آجکل بیت المقدس میں اسی نام سے مشہور ہے۔ [2] انگلستان کے بادشاہ رچرڈ شیر دل نامی نے جس طرح بیت المقدس پر لشکر کشی اور سلطان صلاح الدین ایوبی سے جنگ کر کے پے در پے ہزیمتیں اٹھائیں اور ٹھنڈے ٹھنڈے واپس [illegible]
[3] جیسی کہ سنہ ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی کے جوش و خروش کے زمانہ میں بمبئی میں تین چار سال سے سات آٹھ سال تک کے کمسن بچوں کی ایک جماعت بانر (بندر فوج) کے نام سے تیار کی گئی تھی۔

اسلام پر قدیم عیسائیوں کے بہتانات

عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر طرح طرح کے بہتان قائم کئے گئے۔ رنگا رنگ کے افسانے گھڑے گئے۔ اور ایسی مزخرفات کو اشتہار دیا گیا کہ عقل سلیم کو دیکھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ مثلاً کہا گیا کہ رسول عربی نے کبوتر پال رکھا تھا۔ اپنے کانوں میں دانہ رکھتا اور سدھا ہوا کبوتر دانے پر آتا۔ اسکے بعد کہتا کہ میرے پاس جبریل آتا ہے جو اللہ کا پیام لاتا ہے۔ حالانکہ نزول وحی کے واقعات۔ حامل رسالت کی واردات۔ انبیاء بنی اسرائیل کے حالات عیسائیوں کے مسیح کی ابنیت کی طرح صفحہ عدم پر نہیں بلکہ صاف اور صراحت کے ساتھ انکی آنکھوں کے سامنے توریت میں موجود تھے مگر اسپر بھی یہ لغو افترا قائم کیا کہ رسول عربی کو (نعوذ باللہ من شر الطاغوت) صرع کا دورہ پڑتا تھا۔ اور رفع حالت کے بعد ہوش میں آکر کہتا تھا کہ نزول وحی کا اثر ہے۔ غرض اسلام کے لئے ایک طویل فرد قرارداد جرم قائم کی گئی۔ جسکی ایک نہایت مہیب اور عظیم الشان دفعہ یہ بھی ہے کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا جاتا ہے" جس سے رفع ابہام کے بعد مراد یہ لی کہ اسلام اپنے پیروؤں کو تعلیم دیتا ہے کہ دنیا پر اسلام پیش کرو۔ جو نہ مانیں انکی گردن ماردو۔ اس قسم کے ڈھکوسلے تمام ارض نصاریٰ میں بڑے اہتمام کے ساتھ پھیلائے جاتے رہے۔ حتیٰ کہ مسیحیوں کے اچھی طرح ذہن نشین ہوگئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے وہ وہ نتائج حاصل ہوئے جنکا صدیوں کی محنت اور تعلیم سے حاصل ہونا ناممکن تھا۔ یعنی تمام یورپ میں ایک ایسی آگ لگ گئی جو کئی لاکھ ابنائے آدم کے خون سے بھی نہ بجھ سکی۔ اور جسکی لپٹیں آجتک انسانیت کے خرمن امید کو جلا رہی ہیں۔

اسی طرح مذہب اسلام کی نسبت اس سراسر بے بنیاد اور غلط الزام کی بنیاد پڑ گئی کہ بانی اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے بذریعہ شمشیر اسلام کو پھیلایا۔ اور مذہب اسلام اپنی غیر معمولی ہر دلعزیزی اور وسعت کے لئے صرف تلوار کا منت پذیر ہے۔

آریہ سماجی الزام عیسائیوں کے اس اتہام کو زمانہ حال کے آریہ سماجی ہندو مصنفین اور اخبار نویسوں نے بھی بلا تحقیقات مستعار لیا۔ گو زمانہ حال میں عیسائی مصنفین تو اسقدر ترقی کر چکے ہیں کہ ان میں سے بعض انصاف پسند اور محقق لوگ جنہوں نے تاریخ اسلام کو بغور پڑھا ہے کلمہ حق کہنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں اور اسلام کی خوبیوں کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن آریہ سماج چونکہ ایک نیا فرقہ اور نیا مشن ہے اور ہندوستان

میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات بوجہ کئی قسم کی رقابتوں کے ہر روز نئی صورت حالات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اسلئے آریہ سماجی ہندو اخبار نویس مصنف اور متکلم بڑے التزام کے ساتھ اسلام پر یہ الزام دوہراتے ہوئے نہیں تھکتے کہ "اسلام بزور حسام پھیلایا گیا ہے۔ اور یہ ظلم و جبر کا ہی مذہب ہے۔ حالانکہ یہ نہایت بے بنیاد اور جھوٹا الزام ہے۔ اور اسکی تردید ذرا تفصیل سے ہونی چاہیئے۔

مثال کے طور پر ایک آریہ اخبار تیج جنوری ۱۹۲۷ء سے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی بے باکی سے ہندوؤں کا یہ گروہ مسلمانوں پر بے بنیاد اور دل آزار الزام لگاتا ہے اور کروڑوں مسلمانوں کا دل دکھانے میں ذرا تامل نہیں کرتا۔ حالانکہ ہندوستان میں آٹھ کروڑ مسلمان آباد ہیں اور ہندوستان کی حقیقی بہتری کے لئے مسلمان آریہ ہمسایوں کے ساتھ اس سے بہتر سلوک کے حقدار ہیں۔ وہ اقتباس حسب ذیل ہے۔

ہندو تاریخ دانی اور ہندو حسنِ اخلاق

۸ جنوری ۱۹۲۷ء کے "تیج" دہلی میں حسب ذیل عبارت شائع ہوئی ہے "اٹھارہویں صدی کے آخری دس سالوں میں مختلف یورپین ممالک سے رہزن۔ قزاق۔ لٹیرے۔ جانباز ڈاکو۔ چھٹے ہوئے شہدے۔ شاہزن۔ چور۔ حرامزادے جنہیں اخلاق و شائستگی سے کوئی واسطہ نہیں تھا ..... ان کی نظیر صفحہ تاریخ میں مسلم غنڈہ پن اور ظلم و سفاکی کے سوا اور کوئی نہیں ملتی۔ عرب کے وحشی بربریوں کے گروہوں کے گروہ سر سبز اراضی پر قابض و متمکن ہونے اور نئی چراگاہوں پر متصرف ہونے کی حرص میں ہاتھوں میں قرآن و تلوار لئے ہوئے ایران اور ہندوستان کے قیام امن علاقہ کو ٹڈی کی طرح برباد کرنے کے لئے چڑھ دوڑے تھے۔ اور ہیبتناک جو دو سال سے چلی آتی تھی ایسے وحشی و سفاک بربریت مجسم دشمن سے دوچار ہوئی۔ اس دشمن انسانیت عدو کا نعرہ جنگ تباہی و بربادی ہی تھا۔ ہندوستان میں داخل ہو کر ان بربادان بربریوں نے بودھوں کے معبدوں اور دھرم استھانوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ تعلیم کے مراکز غنڈوں و شہدوں کے مرکزوں میں تبدیل ہو گئے۔ اور بعد ازاں پرجا کو لاکھوں کی تعداد میں جبراً عرب کے دین میں تبدیل کیا گیا۔ اس وقت ہندوستان میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ مگر آج سات کروڑ مسلمان ہیں"۔

اسپر ۲۶ جنوری ۱۹۲۷ء کا مسلم راجپوت لکھتا ہے :۔ "ایک مسلمان اسکے جواب میں اسی قدر کہہ سکتا ہے کہ یا اللہ! انکو ہدایت دے کہ ان کے دل کینہ اور کدورت سے صاف ہوں۔ اور انکی آنکھیں واقعات اور تاریخ کو اصلی رنگ میں دیکھ سکیں۔ یا اللہ! انکو توفیق دے کہ وہ کم سے کم انصاف سے بھی کام لیا کریں۔ اور کبھی

بھی اخلاق و تہذیب کا ثبوت بھی پیش کر دیا کریں۔ اسکے سوائے کوئی مسلمان اور کیا کہہ اور کر سکتا ہے کہ گم کردہ راہ کے لئے راہِ ہدایت کی دعا کرے اور اس مہذب غنڈہ پن اور لفنگیت کے جواب میں خاموشی اختیار کرے"۔

ویدبانی کے چند الفاظ اور اسی پر ۴ فروری کا اخبار مشرق حسب ذیل رائے زنی کرتا ہے:-

(۱) ہم صرف اسقدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اسکا لکھنے والا کوئی بڑا شریف صحیح النسب دیوتا ہے اسلئے کہ اسکی تاریخی واقفیت یہ ہے کہ صرف اٹھارھویں صدی کے دسویں سال سے عیسائیوں اور مسلمانوں کی تاخت و تاراج اس کی تاریخ میں درج ہے۔

(۲) بودھ مذہب اور انکے مندروں کے برباد کرنے والے اشوک کی حکومت کے بعد شنکراچاریہ مہاراج ہیں۔ نہ عیسائی نہ مسلمان۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں داخل ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ ہوئے اور انگریزوں کی آمد تین سو سال سے زیادہ کی نہیں۔

(۳) باقی جلی قلم سے جو الفاظ لکھے گئے ہیں وہ لکھنے والے کی یتیم العقلی اور فالج زدہ دماغ کی سند ہیں۔

(۴) افسوس ہے اہل ہنود پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کا مقابلہ یہاں کے نامرد نہیں کر سکے اور لاکھوں کو مسلمانوں نے جبر سے مسلمان کر لیا۔ مگر افسوس ہے کہ لالہ ہنسراج صاحب نے لاہور میں لکچر دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ پچھلی مردم شماری میں دس سال کے اندر دس لاکھ مسلمان اور ایک لاکھ عیسائی بڑھ گئے ہیں اور ۷ لاکھ ہندو کم ہو گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۰ء تک دس سال کے اندر مسلمانوں اور عیسائیوں نے بزور شمشیر ان ساتھ لاکھ نامردوں کو مسلمان بنا لیا ہے۔

ایسے شائستہ اور مہذب اور آریہ ورت کے نام لیوا دوسری قوموں کو غنڈہ۔ لچا۔ شہدا۔ لفنگا کہتے ہیں تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ ع "مہرباں آپ کی خفت میرے سر آنکھوں پر"۔

مہابھارت کا ذکر ہم اسلئے نہیں کرتے کہ اس سے اس دروغ گو کو ندامت نہ ہوگی۔ مگر ہندو قوم کو خجالت ہوگی اسلئے کہ مہابھارت کے جنگ میں نہ مسلمان شریک تھے نہ عیسائی نہ مسلمانوں کی تلوار اور قرآن موجود تھا۔ مگر کروڑوں قتل ہو گئے اور ہندوستان کا فلسفہ اور سائنس تباہ ہو گیا۔ اور تمام برہمن مار ڈالے گئے اس عقل مند سے کوئی پوچھے کہ عیسائیوں نے سب کو موت کے حوالے کیا تھا یا مسلمانوں نے؟۔

بقول انجیل درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسلئے ناظرین ایک آریہ اخبار کا دل شکن اور دشنام آمیز حملہ اور مسلمان اخباروں کی متانت اور معقولیت کا جواب دیکھ کر فیصلہ کرلیں کہ کیسے درخت کا کیسا پھل ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کے فرضی مظالم

ایک دادخواہ مسلمان بزرگ رسالہ عبرت میں بہ نیت قلب یہ لکھتا ہے کہ جو صاحب جنگ محمودی اور عالمگیری مظالم کے فرضی افسانوں سے پارہ چڑھ جاتا ہے اور جو کہ سلاطین کے سلوک کو جابرانہ اور ان کی طرز حکومت کو وحشیانہ کہا کرتے ہیں سوچیں اور غور کریں کہ دنیا کے فاتحین مفتوحین کے ساتھ کیا کیا برتاؤ کرتے رہے ہیں۔ اور پھر دیکھیں کہ مسلمانوں نے مفتوحین کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا ہے۔

اہل ہند سے ہرگز وہ برتاؤ نہیں ہوا جو ہر فاتح کے ہاتھ سے مفتوحین پر ہوتا آیا ہے۔ آریوں نے ایران سے آکر غیر آریوں کے ساتھ کیا کیا۔ بدھ مذہب کس طرح مہاتما شنکر اچارجی کی مساعی سے تباہ کیا گیا۔ یونانیوں نے ایران کی کیا گت بنائی۔ ایران نے شام، عراق، عرب میں کیا سلوک کیا۔ بخت نصر نے ایک لاکھ یہود کو قتل کر کے بھی چین نہ پایا۔ ہنی بال نے اٹلی و سسلی میں کیا کیا بربادیاں نہ کیں۔ رومیوں نے قرطاجیوں کو تباہ کر کے شہر کارتھیج میں کونسا گھر سلامت چھوڑا۔ خسرو نے ہرقل کو کیسا کیسا ذلیل کیا۔ فرڈی نینڈ نے سپین میں کوئی توحید پرست باقی بھی رہنے دیا؟ کیا ستر ہزار بنی آدم کا خون بیت المقدس کی مسجد کے صحن میں نہیں بہایا گیا؟ اور مسلم آبادی کی تباہی میں کوئی دقیقہ باقی رکھا گیا؟ کیا اسپین، سسلی، ہنگری میں مذہب عیسوی کے غلبے کے بعد کوئی اسلامی متنفس بھی زندگی کا سانس لے سکا؟ کیا بلقان و ایران میں کوئی مسجد یا عمارت باقی رہ گئی؟ کیا مشہد مقدس پر دن دہاڑے روسی گولہ باری نہ ہوئی تھی۔ کیا شام، کریمیا، سسلی میں کوئی مسجد بھی اغیار کی دستبرد سے بچ سکی؟ کیا ریمز کے گرجا اور لیڈن و اسکندریہ کے کتب خانے آگ سے محفوظ رہ گئے؟

عبرت کی آنکھیں کھولو، حقیقت کی نظر سے دیکھو کہ اگر مسلم شہریار ظالم ہوتے یا دیگر فاتحین کی طرح ظلم روا رکھتے تو کیا اسپین و سسلی کی طرح آج ہندوستان و شام اور اناطولیہ میں صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہندو، عیسائی آبادی کا غلبہ کثیر ہوتا؟ ایک طرف ایک فرد واحد بھی مفتوح قوم کے مذہب کا باقی رہ سکتا۔ اور کریمیا، ہنگری اور بلقان کی طرح رعایائے ہند بھی کوئی حیثیت و تشخص رکھتی ہوتی۔ مسلمانوں نے چھ سات سو برس انتہائی جاہ و جلال سے حکومت کا ڈنکا بجایا لیکن اب تک ہندو ہی آبادی میں اکثریت میں ہیں۔ اناطولیہ، شام اور بلقان میں ترک صدیوں سے حکمرانی کر رہے ہیں۔ مگر آج بھی غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔

برخلاف اس کے جس ملک میں مسلمانوں پر ... [illegible]

ہوئیں، مفتوحین چُن چُن کر مٹائے گئے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تباہ کئے گئے۔ نہ انکی عمارات بچ سکیں نہ انکے معابد! نہ انکی دولت رہی نہ انکی وقعت! تاریخ کے صفحات اس دعوے کے بہترین شواہد ہیں۔

عالمگیر، محمود، سکندر لودی کے معائب بیان کرنے اور حالات کو روایت کی کسوٹی پر کسنے کے وقت کسنا ہندو اصحاب یہ نکتہ نگاہ میں رکھیں۔ اور آجکل کی دنیا سے معیار سلوک نہ تلاش کریں۔ بلکہ اسی زمانہ کی دنیا سے مقابلہ کریں۔ مثلاً جب سکندر لودی کی ایک دو باتوں پر اعتراض کیا جائے تو یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اُسوقت سلاطین عالم کن آئین پر کاربند تھے۔ اور ساتھ ہی اس حقیقت پر بھی نظر ڈالیں کہ اسپین کے جنوبی ساحل پر اسوقت کتنے جہاز بے گناہ مسلمانوں سے بھرے ہوئے ڈبوئے جا رہے تھے۔ نیز یہ کہ سکندر لودی نے کیا کیا رفاہ عام کے کام کئے ادھر ہندو کو فارسی پڑھا کر دفاتر سپرد کئے جاتے ہیں۔ لیکن ادھر مغرب میں مسلمانوں کے علوم بحر اوقیانوس کی تہ میں غرق ہوتے ہیں۔ اس طرف ایک بنیا میمو مدار المہام سلطنت بنایا جاتا ہے۔ اس طرف اسپین میں مفتوحین مسلمان جابجا قتل کئے جا رہے ہیں۔

اگر مسلمان سلاطین ہندوؤں کو مسلمان کرنا چاہتے

مسلمان سلاطین ہند کی رواداری کی ایک اور زبردست دلیل یہ ہے کہ دہلی اور آگرہ جو اکثر مسلمان سلاطین کی طاقت و جبروت کے زمانہ میں صدیوں تک سلطنت کے مرکز رہے ہیں۔ ان کے گرد و پیش ہرگز مسلمان آبادی کی کثرت نہیں ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ دہلی سے دو تین میل باہر قطب صاحب کی لاٹ تک جائے تو وہاں میں تمام ہندو آبادی نظر آئے گی یا ہندو مسلمانوں سے بہت زیادہ آباد پائے جائیں گے۔ ایسے ہی آگرہ سے باہر سکندرہ تک چلے تو ہندو آبادی مسلمانوں سے بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ صوبہ دہلی کی آبادی میں مسلمان ۲۰ فیصدی۔ اور صوبہ آگرہ میں مسلمان ۱۵ فیصدی ہیں۔ اور یہ مسلمانوں کی سات سو سال کی مطلق العنان اور زبردست حکومت کا نتیجہ ہے۔

بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مسلمان سلاطین نے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی کوشش کی تھی مگر اعلیٰ ذاتوں کے چھتری اور برہمن جو اپنے مذہب کے اتنے گرویدہ تھے۔ وہ تبدیل مذہب پر کیوں آمادہ ہوئے۔

سورج بنسی و چندر بنسی راجوں نے مسلمان سلاطین کو خود بیٹیاں دیں

لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ راجپوت مہاراجے اور مہارانے جو اپنی چندر بنسی اور سورج بنسی انسلوں پر فخر کرتے تھے مغل سلاطین کے

خواہش یا خود اپنے شوق سے اپنی بیٹیاں سلاطین اور ان کے ولیعہدوں کو دینے لگے۔ اور اس میں انہوں نے اپنی کوئی توہین نہ سمجھی۔ لیکن بالفرض اگر اعلیٰ ہندو ذاتوں کے لوگ مسلمان نہ ہوئے تو ادنیٰ ہندو ذاتوں یعنے شودروں اور اچھوتوں کو مسلمان ہونے میں کیا رکاوٹ تھی۔ جبکہ ہندو بھی ان سے انتہا درجہ کی بدسلوکی کرتے تھے اور مسلمان ہوتے ہی انکا سوشل درجہ بڑھ جاتا تھا۔ کیونکہ وہ اعلیٰ ذاتوں کے مسلمانوں کے ہم رتبہ بن سکتے تھے۔ اور ہندوؤں کی ذات پات اور بدھ آشرم کے ظلم سے نجات پا جاتے اور سلطنت کے ہم مذہب بن جاتے۔ مگر کروڑوں شودر اور اچھوت ہندوستان کے ہر حصہ میں موجود ہیں کہ جنہیں پاس بٹھانا تو ایک طرف رہا بلکہ ہندوؤں کی سڑکوں پر چلنے کی اجازت نہیں نہ ہندو مندروں میں وہ داخل ہو سکتے ہیں۔ اگر اپنے حکومت کے زمانہ میں مسلمانوں نے ذرا بھی خواہش یا کوشش کی ہوتی تو انکے مسلمان ہو جانے میں کوئی چیز حائل نہ ہوتی۔

سات سو سال میں کتنے ہندو مسلمان بنائے گئے

ایک اور مسکت دلیل ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی بے تعصبی کی یہ ہے کہ سات آٹھ سو سال کی مطلق العنان حکومت کے دوران میں اس ملک کی آبادی کا بہت تھوڑا حصہ مسلمان ہو سکا۔ اور جتنے لوگ مسلمان ہوئے بھی ان میں یا تو زیادہ تر عرب۔ ترک۔ افغان وغیرہ مسلمان فاتحین کی اولاد سے ہیں جو مختلف حملہ آوروں کی فوجوں میں بھرتی ہو کر آتے رہے اور کچھ ان نومسلموں کی اولاد ہیں جو مذہب اسلام کی ذاتی خوبیوں، صوفیائے کرام کے مواعظ اور تلقین اور سلاطین و امرا کا مذہب ہونے کی وجہ سے اسلام قبول کرتے رہے اور صدیوں کے دوران میں ان فطرت کی نیرنگیوں سے مسلمانوں کی تعداد ۱۹۲۱ء میں قریب آٹھ کروڑ تک پہنچی ہے۔

اگر مسلمانوں کی سات آٹھ سو سالہ عہد حکومت میں ایسی باقاعدہ ایجنسی ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی ہوتی جیسی کہ آجکل اہل ہند کو عیسائی بنانے کی مختلف عیسائی مشنوں نے قائم کر رکھی ہے کہ جنکے ذریعے سے پچھلے دو سو سال میں کم و بیش ساٹھ لاکھ عیسائی ہندوستان میں موجود ہو گئے ہیں۔ حالانکہ گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے براہ راست اشاعت عیسویت کو اور کچھ مدد نہیں دیجاتی سوائے اسکے عیسائی گرجا چرچ آف انگلینڈ کو خزانہ سرکاری سے کچھ مدد دیجاتی ہے جو ہندو مندروں یا مسلمانوں کی مسجدوں کو نہیں دیجاتی۔ اگر مسلمان سلاطین بزور شمشیر یا انکے امرا اور علما جبراً یا اتفاقاً ہندوؤں کو مسلمان کرتے تو ممکن نہ تھا کہ آج ایک ہندو بھی اس وسیع دیار ہند میں نظر آتا۔ کیونکہ اسوقت مسلمان بادشاہ اتنے زبردست اور مطلق العنان تھے کہ انکی

تلوار سے کہیں امان نہیں مل سکتی تھی۔ دیکھو جس بادشاہ نے دہلی کو ویران کر کے دوسرا دار السلطنت قائم کیا اسکی اس دیوانگی کو کوئی طاقت روک نہ سکی۔ اور نہ کوئی اور ہندو یا دوسری ہمسر سلطنت تھی جو ہندوستان کی مدد کر سکتی۔ یا جسکے سامنے مسلمان فاتحان ہند کو بدنامی کا خیال ہوتا۔ یورپ کے بادشاہ اسوقت نہایت حقیر اور کمزور تھے اور نہ اس زمانہ میں کوئی پبلک اوپینین موجود تھی کہ جسکا کسی کو ڈر ہوتا۔

اورنگزیب اور سوا من جنیئو روزانہ تڑوانے کا افسانہ

اورنگزیب کی نسبت اسکے دشمنوں اور متعصب ہندوؤں نے ایک جھوٹی کہانی مشہور کر رکھی ہے کہ وہ ہر صبح جب تک ایک من یا سوا من ہندوؤں اور برہمنوں کے جنیئو (زنار) نہ تڑوا لیتا وہ صبح کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ یہ نہایت شرمناک بہتان ہے۔ اگر بالفرض ایک جنیئو کا وزن دس رتی مان لیا جائے تو ایک من جنیئو ۳۰۷۲۰ کس اور سوا من ۳۸۴۰۰ کس کے ہونگے۔ اور اگر ۳۸۴۰۰ کسی روزانہ مسلمان کئے جاتے تھے تو اورنگزیب کی پچاس سال سے زائد لمبی سلطنت میں تو ستر (۷۰) کروڑ ہندو مسلمان ہو جاتے۔ کاش! اگر ان لوگوں کو صحت تاریخی کی کچھ بصارت نہیں تھی تو اتنا حساب تو جانتے ہوتے کہ ہر روز نئے سوا من جنیئو تڑوانے کے لئے کتنی ہندو آبادی سے مقابلہ کرنا پڑتا۔ اگر ہر جنیئو اقل درجہ دس رتی بھی سمجھ لیا جائے تو ہر روز سوا من کے لئے ۳۸۴۰۰ ہندوؤں سے سابقہ پڑتا۔ اور اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے سارے ہندو ختم ہو جاتے۔ مگر تاریخوں میں اس جنیئو توڑنے کے قصہ کا کہیں پتہ نہیں لکھا۔ بالفرض اگر یہ سچ بھی ہو تو برہمن یا ہندو کہیں کہیں اسکی مخالفت بھی کرتے۔ لیکن شودر نیچ ذاتوں کے ہندو بلا زیادہ مزاحمت کے اس سلوک کو قبول کر لیتے کیونکہ وہ اعلیٰ ذاتوں کے ہندوؤں کے سلوک سے پہلے ہی بہت خوش نہ تھے۔ وہ ایک چھلانگ میں اپنے فاتحین کے مذہب میں شامل ہو کر انکے برابر بیٹھ سکتے تھے۔ اور ہندو ورن آشرم کے قیود سے رہائی پا سکتے تھے۔

نواح آگرہ و دہلی میں جہاں سینکڑوں سال مسلم سلاطین کے دربار رہے ہیں وہاں شہروں کے باہر ابتک ہندو ہی ہندو آباد ہیں۔ قطب صاحب دہلی اور سکندرہ اور فتح پور سیکری (آگرہ) کے چاروں طرف ہندو جاٹ ہی آباد ہے۔

اسلام کا نام ہی جنگ یا ظلم کی ضد ہے

خود مذہب اسلام کا نام ہی صلح و امن اور سلامتی جو جنگ اور مخالفت کی نقیض ہے۔ اسلام کا مادہ ہی سلم یعنی تابعداری اور اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کرنا ہے۔

اہل اسلام کا طریقۂ سلام بھی دیگر اقوام کی گڈ مارننگ (صباح بخیر) یا رام رام یا پالاگن۔ یا پیریں پونا یا بندے ماترم۔ وغیرہ نہیں بلکہ "السلام علیکم۔ وعلیکم السلام" ہے۔ یعنے مخاطب ایک دوسرے کو باہمی سلامتی دارین کی خوش خبری دیتے ہیں جو دنیا میں انسانی سوسائٹی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ دوسرے معنوں میں اسلام کا مطلب یہ ہے کہ مسلم ہر چیز کو رب العزت کی رضا کے سپرد کر دے اور اپنی ہر منشا اور مرضی کو مشیت و رضائے کردگار کے تابع بنائے۔ جسکی تفسیر یوں ہو سکتی ہے کہ کل نوع انسان کی خدمت کرے۔ اور اس میں قوم رنگ زبان اور ملک کی کوئی تمیز نہ کی جائے۔

[قاضی محمد سلیمان صاحب فرماتے ہیں لفظ اسلام کا روٹ یا مادہ۔ وہ تین حروف جو زبان عرب میں مصدر کہلاتے ہیں لفظ سلم ہے۔ اور سلم کے معنے زبان عرب میں امن۔ صلح۔ اور محبت ہیں۔ خود کلام الہی میں اس مصدر کا انہی معنے میں استعمال فرمایا گیا ہے۔

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ اے لوگو تم سب کے سب اسی صلح کل اور امن عامہ میں داخل و شامل ہو جاؤ۔ پہلی بات یہی غور طلب ہے کہ کسی اور دین و مذہب کے پاس ایسا نام بھی ہے؟ دنیا بھر کے ادیان و مذاہب کے نام گنتے چلے جاؤ یہودیت۔ عیسائیت یا نصرانیت۔ سناتن دہرم اور زرتشتی وغیرہ وغیرہ۔)

یہودی یعقوب علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ اس شاخ میں فلسطین کی حکومت مدتوں تک جاری رہی۔ اسلئے یوسف علیہ السلام کے دوسرے گیارہ بیٹوں کی اولاد بھی خود کو اسی شاہی نسل کے ساتھ منسلک کرنیکے لئے یہودی کہلانے لگی۔ عیسائی حضرت عیسےٰ مسیح کے نام کی طرف۔ اور نصرانی حضرت مسیح کے گاؤں ناصرہ کی طرف نسبت کا اظہار ہے۔

سناتن دھرم یا مذہب قدیم کسی قدامت تاریخی کے ظاہر کرنے کے لئے رکھا گیا ہے۔ آریہ کے لفظ پر مورخین نے علمی بحث کئے ہیں اور ایران کے ساتھ انکا سلسلہ قدامت جا ملایا ہے۔ مہرشی دیانند سرستی جی نے سرسوتی کی ندی سے (جسے گجرات پنجاب کے مغرب میں بتایا ہے۔ نیپال کی مشرقی ندی اور سمندر تک کے رقبہ کا نام آریہ ورت رکھا ہے اور یہاں کے شریف باشندے آریہ ہیں۔ زرتشتی زرتشت کی طرف منسوب ہیں۔ ان ملکی اقوام کی نسبتوں پر غور کرو کہ اصل مذہب کا نام کسی کے پاس موجود نہیں

اسلام کا نام اور کام | اسلام اپنے لئے خود اپنا نام ہی اُسکا کام بتاتا ہے۔ صلح عام امن محکم محبت تام۔ اسلام کے یہ لغوی معنے ہی بتلاتے ہیں کہ اللہ کا پسندیدہ دین ایسا ہی ہونا چاہئیے۔ اب ہیں جملہ ادیان انسانیت سے

سوال کر سکتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی مقدس کتابوں سے **دین** کی تعریف نکال کر دکھائیں۔ خود ہم کو ذرا تامل نہیں۔ کہ جو تعریف اللہ کے پسندیدہ دین کی ہم کو اللہ کے کلام میں بتادی گئی ہے وہ سب سے پہلے سب بھائیوں کو سنادیں۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

"وہ فطرت وہ سرشت وہ نیچر جس پر اللہ تعالیٰ نے جملہ انواع انسانی کو پیدا کیا ہے (اور اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی بھی نہیں ہو سکتی) اسی فطرت کا نام دین محکم ہے۔ افسوس انسانوں کا بڑا طبقہ اس راز سے بے علم ہے"۔

دین الفطرت اور دین الٰہی ذرا ان آیات پر غور کرو۔ تنہائی میں اکیلے بیٹھ کر۔ مجمع میں احباب کا شوریٰ بنا کر غور کرو۔ کہ جب تمام مخلوق اللہ کی پیدا کردہ ہے اور دین صحیح بھی جو بہترین مخلوق یعنے انسان کے لئے بھیجا گیا ہے اللہ کا دین ہے۔ تو ان دونوں میں باہمی اتحاد قوی اور اتصال شدید اور انجذاب کلی پایا جانا چاہیئے۔ اگر یہ نہیں تو سمجھو کہ وہ دین فطرت انسانی سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ اور جس دین کی مطابقت فطرت انسانی سے نہیں وہ دین الٰہی کہلانے کا شایاں نہیں۔

منصف مزاج یورپینوں کی راؤں کے اقتباسات

سالہاسال کے مطالعہ کتب ورسائل واخبارات انگریزی کے دوران میں مسلمانوں کی بے تعصبی کے متعلق جو بعض منصف مزاج یا محقق نصاریٰ یا دوسرے لوگوں نے رائیں لکھی ہیں۔ میں انکے چند اقتباسات جمع کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ اتنے مختلف زبانوں اور مختلف اقوام کے یورپین اور ہندوستانی مصنفوں اور مضمون نگاروں کے غور وخوض۔ مطالعہ اور مشاہدہ کے نتائج ہیں کہ ان میں سے آدھے چوتھائی معلومات کا مطالعہ کرنے سے بھی جن لوگوں کے طبائع میں انصاف اور تحقیقات اور صداقت کا شوق ہے وہ ضرور اسبات کے قائل ہو جائیں گے کہ مسلمانوں نے اپنے مذہب کو ہرگز جبر اور ظلم سے نہیں پھیلایا۔ بلکہ قرآن مجید میں لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کا حکم مسلمانوں کے تمام اشاعتِ دین کے سرگروہوں کا راہنما ہے۔ قرآن مجید میں اور بہت سی ایسی ہی ہدایات غیر مسلموں سے نرمی اور مسالمت کے برتاؤ کی تاکید میں موجود ہیں۔

انصاف اور نرمی سے سچائی پر غور کیجئے

جو لوگ بانی اسلام اور مسلمان حملہ آوروں اور مسلمان بادشاہوں کو بلا تحقیق یا لاعلمی سے یا ضد اور عداوت

کے ساتھ متعصب کہتے ہیں۔ اور اُن کے حق میں کوئی واقعات اور دلائل سُننے کی تاب نہیں لا سکتے ہیں وہ تو اپنی افتادِ طبیعت سے مجبور ہیں اور ہم مجبور ہیں اگر ہم انکی کچھ تشفی نہ کر سکیں۔ کیونکہ ضد اور عداوت کا کوئی علاج نہیں سے ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے ست ؎ گل سعدی و در چشم دشمناں خار است +
علامہ ابو الفضل شہنشاہ اکبر کے وزیر اعظم نے ٹھیک فرمایا ہے کہ جب کہ خدا اور اسکا رسولؐ بھی خلقت کی زبان اور طعن سے نہیں بچ سکے تو ہم کیا چیز ہیں سے

قال ان الالٰہ ذو ولـد　　قال ان الرسول قد کھن
ما نجی اللہ والرسول معاً　　من لسان الوریٰ فکیف انا

ایک اور شاعر نے ایسے بدظن لوگوں کے اعتراضات اور الزامات سے یوں پناہ مانگی ہے سے

اگر بر پری چوں ملک بآسماں　　بداماں در آویزدت بدگماں

ہاں جو غیر متعصب لوگ تحقیق حق اور انصاف کرنا چاہیں اُن کے لئے ہم نے ان اوراق میں بہت سی معقول دلیلیں اور تاریخی شہادتیں جمع کردی ہیں وہ ٹھنڈے دل سے پڑھ کر ان پر غور کریں۔ تو امید ہے کہ سچائی اُن کے دلوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ "اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔"

اگر مسلمان بے تعصب نہ ہوتے

اسلام نے نہ شروع سے ہی رواداری جاری رکھی۔ بلکہ پیروانِ اسلام جس ملک میں بھی گئے وہاں کے باشندوں کو امان دی اور انہیں نکبت کی پستی سے اُٹھا کر اپنی سطح پر لا کھڑا کیا۔ اگر مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہوتا کہ ہر ایک غیر مسلم کو بجبر مسلمان کرنا ضروری ہے تو جن جن ملکوں میں اسلام نے فتوحات حاصل کی ہیں وہاں آج کوئی دوسری قوم موجود نہ ہوتی۔ آج ملک سیریا یعنے شام میں ایک عیسائی فلسطین میں۔ ایک یہودی مصر میں۔ ایک قبطی نہ ملتا۔ ہنگری۔ سرویا۔ بلگیریا۔ رومانیا۔ یونان۔ کریمیا۔ سوئزرلینڈ۔ اطالیہ۔ سسلی۔ ہسپانیہ وغیرہ ممالک یورپ میں بھی عیسائی تلاش کرنے سے نہ ملتے کیونکہ ان ممالک میں ایک زمانہ میں مسلمانوں کو وہ عظمت اور جلال و جبروت حاصل ہو چکا ہے کہ اگر وہ جبراً غیر مسلموں کو مسلمان کرنا چاہتے تو دنیا میں کوئی طاقت ان کو روکنے والی موجود نہ تھی۔ اس بارہ میں ڈاکٹر آرنولڈ صاحب کی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں کافی جواب دیا گیا ہے۔ بلکہ "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" لکھتا ہے۔ کوئی قوم ٹالریشن (رواداری) کا نام ہی نہیں جانتی تھی۔ کیونکہ اُس وقت سے لیکر آٹھویں صدی کے آخر تک یورپ ٹالریشن کے ایڈکٹ اور ایکٹ بھی پاس نہیں ہوئے تھے۔

اگر مسلمان ہندوستان میں نہ آتے

اگر مسلمان ہندوستان میں نہ آتے اور ہندوؤں سے نیک سلوک نہ کرتے جیسا کہ انہوں نے ملک کے تمام باشندوں سے روا رکھا ہے جسکے کہ منصف مزاج ہندو مصنف بھی قائل ہیں۔ (دیکھو مرہٹہ جج بمبئی ہائیکورٹ اور محب الوطن ریفارمر مسٹر رانیڈے کا مضمون جو اسی کتاب کے آخر میں شائع کیا گیا ہے) تو معلوم نہیں آج کے ہندوؤں اور آریوں کی کیا حالت ہوتی۔ اگر مسلمان نہ آتے تو آریہ قوم کا اس ملک میں کسی دوسری فاتح قوم کے ہاتھوں وہی انجام ہوتا جو آریوں کے ہاتھوں تورانیوں کا ہوا تھا۔ مگر اسلام نے ہندوؤں کو از سرِ نو تہذیب سکھلائی۔ ان کے بگڑے ہوئے اخلاق کو بنایا۔ ان کے تمدن کو سنبھالا اور اسپر طرہ یہ کہ کبھی ان کے ساتھ وہ برتاؤ روا نہ رکھا جو خود انہوں نے تورانیوں اور ہندوستان کے اصلی باشندوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ جس کو مدد کی ضرورت تھی اُسکو مدد پہونچائی۔ اور علم کے دریا بہا کر اس ملک کے کونے کونے تک روشنیاں پھیلادیں۔ اور یہ اسلام کی تاریخ کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اب آج اگر ہمارے ہندو بھائی اسلام اور اسلامیوں کے درپے آزار ہوں تو کیا یہ انکی ناشکر گذاری کی بین دلیل نہیں ہے؟

بتردید استعمال شمشیر گبن کا قول

"یہ جھوٹا الزام کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ ازمنہ وسطیٰ میں جبکہ مسیحی دنیا بے دین مسلمانوں کے ساتھ مصروفِ جنگ تھی۔ ارضِ مقدس کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھیننے کی غرض سے تراشا گیا تھا۔"

عوام الناس میں مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلانے کے لئے مقدس پادری مسلمانوں کی نہایت تاریک تصاویر ان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ دنیا کی تمام بری باتیں اُن سے منسوب کی جاتی تھیں۔ جن میں سب سے زیادہ مفتریانہ الزام یہ ہوتا تھا کہ ارضِ مقدس کے مسیحیوں کو مسلمانوں نے زبردستی حلقہ بگوش اسلام کیا ہے اور اس جھوٹ سے اسوقت بھی کام لیا گیا جب یورپ کی تمام طاقتوں نے ترکوں کو یورپ سے بوریئے بندھنے سمیت نکال دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بعد میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس جھوٹے الزام کو ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک میں شہرت دیگئی۔ جب ہندوستان میں یونین جیک (برطانوی جھنڈا) لہرانے لگا۔ اور پادری لوگ تبلیغ مسیحیت کے لئے یہاں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ غیر جارح ہندو مذہب کے صدہا پیرو انکے حلقہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ انہیں اس سے بھی بیحد رنج پہونچا کہ مذہب تبدیل کرنیوالوں کے لئے مسیحیت کی بہ نسبت اسلام میں زیادہ کشش موجود ہے۔ آخر کار انہوں نے اسکو محسوس کر لیا کہ جب تک اسلام کو بدنام کر کے ہندوؤں کی نظر سے گرایا نہ جائیگا۔ اسوقت تک مسیحیت کی کامیابی کے لئے میدان صاف نہیں ہو سکتا

اسی مقصد سے اورنگزیب کے عہد میں لاکھوں کروڑوں ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنائے جانے کے بے بنیاد قصے گھڑے گئے۔ مسلمانوں نے اس احمقانہ الزام کا گذشتہ کئی سال کے عرصہ میں تحریر و تقریر کے ذریعہ سے مسکت جواب دیا ہے لیکن اہل مغرب کے دلوں سے اس غلط خیال کو دور کرنے کا سہرا گبن کے سر ہے۔ جس نے اپنی اکثر تصانیف میں ثابت کیا ہے کہ اسلام کی اسقدر سریع ترقی کا باعث تلوار نہ تھی۔ چنانچہ وہ تبلیغ مذہب کے متعلق وسیع النظر تعلیم کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ:-

مسلمانوں سے ایک نہایت مفترانہ اصول یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ تمام غیر مذاہب کا تلوار کے زور سے قلع قمع کر ڈالنا چاہیئے۔ لیکن اس جاہلانہ اور پُر تعصب الزام کی خود قرآن کریم۔ مسلمان فاتحین کی تاریخ اور مسیحی عبادت کے ساتھ انکی عام رواداری اسکی تردید کے لئے کافی ہیں۔ گبن نے مسلمان فاتحین پر سے بھی اس الزام کو رفع کیا ہے وہ کہتا ہے:-

جناب ابراہیم۔ جناب موسےٰ و جناب عیسےٰ علیہم السلام کے پیروؤں کو اسکی دعوت دی گئی کہ وہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مکمل الہام کو قبول کریں لیکن اگر وہ اسکی بجائے جزیہ کے طور پر معمولی رقم دینا پسند کریں تو نہیں اپنے عقیدہ پر قائم رہنے اور عبادات وغیرہ کے متعلق کامل آزادی حاصل ہے"۔

قابل غور حقیقت

یہ ایک قابل غور حقیقت ہے کہ سائبیریا۔ چین۔ جزائر محیط اور افریقہ وغیرہ میں جہاں مسلمانوں کی بہت تعداد ہے اور اب بھی اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے ابتک کسی اسلامی فاتح کے قدم نہیں پہنچے۔ کیا اس صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ ان دور دست مقامات میں بھی اسلام بجبر پھیلایا گیا ہے۔ اس وقت دنیا کے طول و عرض میں مسلمانوں کی تعداد تین سو پینتالیس ملین تک پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن دلائل و براہین کی روشنی میں یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان کثیر التعداد انسانوں نے بزور شمشیر اسلام قبول کیا ہے۔ مورخین اس امر کی صداقت پر مہر ثبت کر چکے ہیں کہ چین اور اسکے گرد و نواح میں پہلی صدی ہجری میں اسلام پہنچا مگر تبلیغ کسی فاتح کے ذریعے سے نہیں ہوئی۔ بلکہ ان عربوں کے ذریعے جو وہاں تجارت کے لیے گئے تھے۔ جزائر محیط میں بھی اسلام کی اشاعت کسی فاتح کے ذریعے سے نہیں ہوئی۔ بلکہ مسلمان تاجر اور سیاح جہاں جاتے اپنے اقوال و اعمال سے تبلیغ مذہب کرتے۔ آگے یہ اسلامی تعلیم کی خوبیوں کا کام تھا کہ وہ انصاف پسند اور بے تعصب دلوں میں اپنا گھر بنائیں حقیقت یہ ہے کہ دین الفطرۃ کے اصول و احکام ہی اس قسم کے دلپذیر اور پُر حکمت ہیں کہ انکے اندر ایک مقناطیسی کشش موجود ہے جو خود بخود قلب سلیم کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

تمام دوسرے مذاہب سے اسلام کی کامل درجہ کی رواداری

رواداری مذہب اسلام کا ایک اور عظیم الشان ستون ہے جسکی تعلیم دینے کے لئے محمد صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئے۔ عرب جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اولین پیرو تھے سسلی پر حکمران ہوتے ہیں۔ ہسپانیہ کے مسیحی ملک پر سات سو سال تک انکا تسلط جاری رہا۔ لیکن کسی خاص حالات کے ماتحت بھی انہوں نے اپنی رعایا کی آزادی میں دخل نہیں دیا۔ اور نہ انکی مذہبی آزادی کو غصب کرنا چاہا۔ عیسائیت کو انہوں نے خاص قدر و منزلت کی آنکھوں پر بٹھایا۔ کیونکہ قرآن کریم کے احکام و ارشادات پر انکا عمل تھا۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس نے تمام دوسرے مذاہب کے متعلق کامل درجہ کی رواداری کا سبق دیا ہے۔ ہندوستان کے شاہان مغلیہ میں سے اکبر جیسا شہنشاہ جب تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوتا ہے تو فتحپور میں خود اپنے محل کے اندر ایک نہایت خوبصورت مکان تیار کراتا ہے اور ہر مذہب کے علما اور پیروؤں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ آئیں اور اسکے سامنے اپنے اپنے مذہب کی صداقت اور عظمت پر تبادلہ خیالات کریں۔ اسقدر ایسے ہی دیگر شاہان اسلام کی نظر میں انکی مختلف المذاہب رعایا اور تمام لوگ ایک ہی مساوات کا درجہ رکھتے تھے۔ اور اسی مساوات کو انہوں نے اپنا نصب العین بنائے رکھا۔

مسلمان عصبیت کے قائل نہیں ہیں

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے حسب و نسب کے فخر و امتیاز کو اپنے قانون میں کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ اسلام کے رو سے ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسان کے حقوق۔ جان مال اور عزت کا احترام یکساں واجب ہے۔ اسلام رابطہ اسلام اور واسطہ شرعیہ کے سوا اور تمام روابط کو بے حقیقت قرار دیتا ہے۔ اور شرعی روابط کے سوائے اور تعلقات کا لحاظ کرنے والوں کو قابل ملامت قرار دیتا ہے۔ لیس منامن دعا الی عصبیۃ۔ ولیس منامن قاتل علی عصبیۃ ولیس منامن مات علی عصبیۃ۔ یعنی وہ شخص جو عصبیت کا چرچا کرے۔ اور وہ جو عصبیت پر جھگڑا کرے۔ اور وہ جو عصبیت پر جان دے۔ اسکا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بروئے اسلام تقوی رہتا ہے

اسلام کی نظروں میں اگر کوئی بزرگی ہے تو تقوی کی۔ کوئی احترام ہے تو محض اس شخص کے لیے جو احکام شریعت پر کاربند ہے اور بروئے اسلام اگر کوئی شخص فخر کرسکتا ہے تو اپنے حسن عمل پر فخر کرسکتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی قیادت و رہنمائی کا سہرا صرف ایسے لوگوں کے سر بندھتا رہا ہے جو نہ کوئی قومی شرف رکھتے تھے نہ خاندانی وجاہت۔ نہ انہوں نے اپنے بزرگوں سے شان و شوکت وراثتاً پائی تھی۔ اور نہ بڑے بڑے مشہور

خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

تبلیغ کا اسلامی طریقہ ماضی و حال

ادیان عالم میں یہ امتیاز اور خصوصیت صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنی تعلیم و دعوت اور اپنی امت کے قیام و بقا کے لئے تبلیغ و اشاعت مذہب کو اساس اولین و اصول بنیادی قرار دیا۔ اور اس اصول کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے تعبیر کیا۔ بلکہ مسلمانوں کا اصلی مشن اور مقصد تخلیق یہ بتایا کہ وہ ایک ایسی امت بنا کر بھیجے گئے ہیں جو خیر کی طرف بلاتے نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔

تم سب امتوں میں بہتر امت ہو کہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

قرآن حکیم نے اسی دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر جا بجا زور دیا ہے۔ اور مسلمانوں کا قومی شرف و امتیاز اسی چیز کو قرار دیا ہے۔ کہیں تو ایک خاص گروہ کا یہ مخصوص کام بتایا ہے۔ اور کہیں اسی فرض کی انجام دہی کے لئے مسلمانوں کو أُمَّةً وَسَطًا سے موسوم کیا۔ اور ہر فرد امت پر اس فرض کو عاید کیا ہے صرف عمل اور طریق عمل ہی کی وہ کسوٹی ہے جس پر ہر مفید اور مضر تعلیم کی جانچ و پرکھ ہو سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی مبلغین رضوان اللہ علیہم اجمعین انکے جانشینوں اور دوسرے مسلمانوں نے اس فرض کو کس طرح انجام دیا اور ہمارے لئے کس طرح کونسا اسوۂ حسنہ یادگار چھوڑا ہے۔ اگر بعض دیگر ادیان کی اکثر و بیشتر تبلیغی تصانیف علاوہ بریں اقتدار حکومت۔ زرپاشی۔ تعلیم گاہوں۔ شفاخانوں اور دیگر تجارتی اور مادی ذرائع و وسائل کی بدولت حاجتمندوں کو تبدیل مذہب کی طرح طرح سے ترغیب و تحریص دی جاتی ہے۔ مذہب جس کا مقصد اصلی انسانوں کی روحانی حالت درست کرنا اور اخلاق و عادات و خصائل کی درستی ہونا چاہیئے وہ سیاسی اور تجارتی اغراض کا آلۂ کار بنگیا ہے۔ برخلاف اسکے مذہب اسلام کی اشاعت کا طریقہ جو تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ سے دنیا کے مختلف ممالک میں جاری ہے اور جس پر آج سے پیشتر اس وقت تک جب تک کہ صحیح تعلیمات اسلامی کی روح مسلمانوں کے اندر کارفرما تھی۔ مذہب اسلام کی اشاعت کرنے والے مبلغین کا جو طریقہ رہا وہ ایسا طریقہ ہے جس میں سوائے انسان کی روحانی زندگی کی درستی کے کوئی سیاسی مقصد شامل ہوتا ہے اور نہ جس میں کسی فساد اور جھگڑے کا اندیشہ۔ سب سے اول اور نتیجہ کے لحاظ سے نہایت اہم فرق اسلامی اور غیر اسلامی طریقہ تبلیغ میں یہ ہے کہ عیسویت یا آریہ سماج کے پرچارک اور اپدیشک جس جذبہ کے ماتحت کام کرتے ہیں وہ قومی و وطنی خدمت

اور سیاسی مصالح سے وابستہ نظر آتا ہے۔ برخلاف اسکے ایک سچا اسلامی مبلغ تمام مادی اغراض سے بالاتر ہوکر ایک وراء الوراء ہستی کی رضا جوئی کے لئے اپنے جذبات اور اپنی قوتوں کو صرف کر دیتا ہے۔ اور ابتغاء مرضات اللہ کے ساتھ بے غرضانہ طور سے خدمت خلائق کے لئے آمادہ کار ہوتا ہے۔ سلف صالحین کے درخشندہ کارنامے آج بھی ہمارے لئے مشعل ہدایت کا کام دے سکتے ہیں۔ کتب سیر و اسماء الرجال میں ان کے حالات پڑھو اور دیکھو کہ ان میں سے ایک ایک بزرگ کس طرح اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مشرق سے مغرب کا پاپیادہ سفر کرتے۔ پہاڑ و دریا۔ صحراء و بیابان۔ غرض ہر قسم کے مادی موانعات جذبہ صادقہ کے سامنے پرکاہ سے بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔

اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا

جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف سات تلواریں تھیں

گو دشمن شوخ چشم بے باک ٭ تا عیب مرا بمن نماید

جنگ بدر اسلام کی دوسری بڑی جنگ ہے۔ جس میں دشمن کی فوج ہزار ہاتھی پر چڑھ کر مدینہ شریف پر آئی تھی۔ مگر مسلمان صرف تین سو مجاہد مدینہ سے باہر نکال سکے۔ اور ان سب کے پاس صرف سات تلواریں تھیں چونکہ اس زمانہ کا دستور تھا کہ باری باری سے ایک ایک مجاہد دونوں طرف سے میدان میں نکلتا۔ اور مسلمانوں کی طرف سے جو نکلتا وہ انہیں سات میں سے ایک تلوار اٹھا لیجاتا کہ جس سے لڑ کر یا تو شہید ہو جاتا۔ تو اسکی تلوار پر بھی دشمن قابض ہو جاتے۔ غرض اس طرح مسلمانوں کی چھ تلواریں چھن چکی تھیں کہ ساتویں تلوار سے دو دہقان بھائیوں نے دشمن کے ایک بڑے سردار ابوجہل کو مار ڈالا۔ جس کو مرتے دم جب یہ معلوم ہوا کہ اُسے کسی قریشی نے نہیں مارا بلکہ مدینہ کے دو دہقان لڑکوں نے مارا ہے تو وہ اپنی بدنصیبی پر نہایت پیچ و تاب کھاتا ہوا مرا۔ ایسی بے سروسامانی سے اسلام کی ابتداء ہوئی اور ایسی سخت لڑائیاں اُسے لڑنی پڑیں۔ کسی فتح کی خواہش سے نہیں بلکہ اپنی جان بچانے کے لئے۔ کسی پر چڑھ کر نہیں گئے۔ بلکہ دشمن اُنکے گھر میں بارہ چودہ منزلیں طے کر کے انہیں مفتوح کرنے آئے۔ اور مسلمانوں کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ع "لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں"۔ اور اس پہ بھی مدعی کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔

مخالفین کا یہ الزام کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا"۔

یہ کہنا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، صریح بہتان ہے

ہر چند کہ وہ اتنا بے بنیاد ہے کہ اسکا ذرہ بھی ثبوت موجود نہیں۔ مگر چونکہ دنیا کے بڑے مذاہب میں سے اسلام سب سے کم عمر مذہب ہے۔ اور اس نے کم از کم عرصہ میں بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ اسلئے اسکی یہ خوبی بھی غیروں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ خصوصاً اپنے قیام کے پہلے سو سال کے اندر اس نے ایسی حیرت انگیز ترقی کی تھی کہ اسوقت کی معلوم دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جس پر آفتاب اسلام زور سے ضو فگن نہ تھا۔

کس سرعت سے اسلام پھیلا

ایک مورخ نے تخمینہ لگایا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سلہ (۶۳۲ء) کے بعد بارہ برس کی مدت میں گویا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت کے اختتام ۲۳ھ (۶۴۴ء) تک مسلمانوں نے چھتیس ہزار شہر، قصبے اور قلعے اپنے قبضہ میں کر لئے تھے۔ گویا اسلامی افواج کی اوسط رفتار تقدم بارہ برس تک یہ رہی کہ حساب اوسط ہر دن آٹھ شہر یا قلعے سر کرتے تھے۔ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے اپنی عمر میں ایک شخص کو بھی بزور شمشیر مسلمان نہیں کیا۔ البتہ خلفا کو حفاظت مسلمین اور ملکی مصالح کی وجہ سے کبھی بار فوج کشی کرنی پڑی لیکن انہوں نے کبھی کسی فرد بشر کو اسکے دین کی وجہ سے نہیں ستایا گیا۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا اور جزیہ دینا پسند کیا ان کے مذہب سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ حضرت عمرؓ جو اس زمانے کے سب سے بڑے جرار فاتح اور بڑے متقی بھی تھے انکا ایک کافر غلام تھا۔ آپ اسکو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے تھے لیکن جب اس نے انکار کر دیا تو آپ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ پڑھ کر بالکل خاموش ہو گئے۔

اسلام نے ذمیوں کے متعلق جو قواعد بنائے ہیں اور جو ہدایات ملحوظ رکھی ہیں انہیں غور سے پڑھ کر کوئی ایسا ہی ضدی مخالف ہو وہ بھی یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسلمانوں نے دین کے بارہ میں اور مسلم و غیر مسلم کے مابین انصاف کرنے کے متعلق نہایت نرمی اور نہایت بردباری سے کام لیا ہے اور ہمیشہ قرآن مجید میں بجائے تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلانے کے تبلیغ اسلام نہایت نرمی اور خوش اسلوبی سے کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ خدائے تعالیٰ کا حکم ہے کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ (حکمت اور دانائی کی باتوں اور پسندیدہ وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ اور طرز موزوں اور اسلوب خوش کے سوا ان سے بحث نہ کرو)۔

(بعض لوگ خلفاء راشدین کی فتوحات کو اشاعت مذہب پر مبنی قرار دیتے ہیں تو در حقیقت ایک کھلا ہوا مغالطہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خلفاء اشاعت اسلام میں کوشش کرتے تھے۔ اور یہ منصب کے لحاظ

انکا فرض بھی تھا۔حضرت خلیفہ اول نے اہل ردہ کے خلاف جو فوج کشی کی تھی وہ بعض سیاسی وجوہ و اسباب پر مبنی تھی خلیفہ ثانی کے عہد میں بیشتر اسلامی فتوحات وقوع پذیر ہوئیں لیکن ان میں اشاعت اسلام کو اسی حد تک دخل تھا جہاں تک کہ وعظ و نصیحت کا تعلق ہے۔چنانچہ وہ ہر موقع پر اس بات کو واضح کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے میں کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

آپ نے اپنی خلافت کے عہد میں مسلمانوں اور ذمیوں کو یکساں ملکی حقوق عطا کر رکھے تھے۔مثلاً اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو آپ بے دریغ حد قصاص جاری فرماتے۔قتل کرنا تو بڑی بات ہے۔اگر کوئی پیرو اسلام کسی ذمی سے سخت کلامی کا مرتکب بھی ہوتا تو پاداش کا مستوجب ٹھہرتا۔ذمیوں کو مذہبی رسوم کے ادا کرنے میں پوری آزادی حاصل تھی۔وہ علی الاعلان ناقوس بجاتے تھے صلیبیں نکالتے تھے۔مذہبی پیشواؤں کو مذہبی حیثیت سے جو اختیارات حاصل تھے انہیں برقرار رکھا گیا تھا غیر مذاہب کے پیروؤں سے جو معاہدے کئے جاتے تھے اُن میں مذہبی آزادی کا حق لازمی طور پر درج کیا جاتا تھا۔چنانچہ علامہ شبلی نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں کہ حذیفہ الیمان نے اسی قسم کی ایک تحریر میں مصرحہ تحت الفاظ لکھے تھے

"نہ انکا مذہب بدلا جائیگا اور نہ اُنکے مذہبی امور میں دست اندازی کی جائے گی"۔

"علی ہذا فتح جرجان کے موقع پر جو معاہدہ سپرد قلم ہوا اس میں یہ مضمون لکھا گیا تھا:۔

اُنکے جان مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے۔اور اُن میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائیگا"۔

آذربیجان والوں کے معاہدے میں بھی یہ الفاظ تھے:۔

"جان۔مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے"۔

اشاعت اسلام میں جس غیر جانبداری کا ثبوت دیا جاتا تھا اسکی واضح ترین دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ قریش مکہ صحابہ کرام کو ہر طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیتے تھے۔تذلیل و توہین کرتے تھے بلکہ انہیں جان تک لینے میں بھی دریغ نہ تھا۔بایں ہمہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی ان مصائب سے گھبرا کر اسلام سے اعراض نہیں کیا بلکہ انکی عقیدت و ارادت میں اور بھی رسوخ و استحکام پیدا ہوا۔پیغمبر اسلام علیہ افضل التحیۃ والسلام کی نسبت میں بیش از بیش ثابت قدم ہوئے۔

اشاعت اسلام میں تلوار کا کوئی کام نہیں

مخالفین اسلام ترقی اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات گھڑنے لگتے ہیں۔انہی اعتراضات میں سے ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ

آپؐ نے تلوار کے زور سے کامیابی حاصل کی اور قوتِ بازو سے لوگوں کو اپنے آگے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا۔ مگر یہ اعتراض کرنے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ایک ایسے انسان کو جس نے یتیمی اور بے کسی میں پرورش پائی جو کسی حکمران اور صاحبِ اقتدار خاندان میں پیدا نہ ہوا جسکے پاس کوئی دنیوی طاقت اور قوت نہ تھی جو بے سروسامان اور یکہ و تنہا تھا۔ اس نے تمام ملک بلکہ تمام دنیا کے عقائد اور خیالات کے خلاف آواز اٹھائی وہ تلوار کہاں سے اور کس طرح حاصل کی جو بے مثال کامیابی کا ذریعہ بنی۔ اور اس تلوار کے چلانے والے میں اتنا زور اور اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ دنیا اسکے آگے جھکنے پر مجبور ہوگئی۔

اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ اعتراض اپنے غلط ہونے کا آپ ہی ثبوت ہے۔ پھر آپ اس وفاداری اور جاں نثاری کو دیکھا جائے۔ اس اخلاص اور محبت پر نظر کی جائے۔ اس فرمانبرداری اور سرفروشی کا خیال کیا جائے جو آپ کی غلامی میں داخل ہونے والوں نے مصائب اور مشکلات، تکالیف اور صعوبات کے کوہِ گراں کے مقابلہ میں دکھائی اور قدم قدم پر جس کا ثبوت دیا۔ تو ان لوگوں کی عقل سمجھ پر حیرت ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بانی اسلامؐ نے تلوار کے زور سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ اور زبردستی انکو مسلمان بنایا۔

ایک صحابیؓ کو جنکا نام زیدؓ تھا جب قتل کرنے کے لئے قتل گاہ میں لیگئے تو ابو سفیان نے جو اسوقت کافروں کا بہت بڑا سردار تھا ان سے کہا۔ اے زیدؓ! کیا اسوقت تم چاہتے ہو کہ تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھو اور تمہاری بجائے ہم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کریں"؟

اسکا جواب غور سے سنئے زیدؓ نے اپنی موت کی کچھ پرواہ نہ کر کے یہ کہا۔ "میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے گھر آرام سے بیٹھوں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے"۔

یہ جواب سنکر ابو سفیان بول اٹھا۔ میں نے محمد (صلعم) کے اصحاب کو جیسا انکا پکا دوست دیکھا ہے۔ ایسا اور کسیکو نہیں دیکھا۔

اسلام نہیں بلکہ عیسائیت پھیلانے کا طریقہ

تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا الزام سے اسلام کی حقیقت اور صداقت دنیا پر اور زیادہ نمایاں ہوگئی

تعصب اور حسد نے الزام لگانے والوں کو اسقدر کور باطن کر دیا ہے کہ اتنی موٹی بات بھی ان کے ذہن میں نہیں آتی کہ اگر اسلام واقعی تلوار کے زور سے پھیلتا یا پھیلایا جاتا تو کیا الزام لگانے والوں کی نسل اپنے موجودہ مذہب پر قائم رہ سکتی تھی۔ یہ لوگ تاریخی واقعات پر کیسے پردہ ڈال سکتے ہیں کہ جب غیر مسلم قومیں ٹرکی اور دیگر

ممالک کے مسلم تاجداروں کے جاہ و جلال سے مرعوب تھیں تو اسلام کی تلوار نے خود عیسائی حکومتوں کی رعایا کو انکے دست ظلم وجور سے پناہ دی۔ مثال کے طور پر ہم سلیمان اعظم (سلطان ٹرکی) کا عہد حکومت پیش کرتے ہیں جسکی فراخ حوصلگی اور اولوالعزمی و معدلت گستری کا یورپین مورخوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔ مگر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کو ان زبردست حقائق سے کیا سروکار؟ انکی مصلحتوں کا یہی تقاضا ہے کہ وہ محل بے محل اپنے گلے کی پوری طاقت سے برابر یہی صدا لگاتے جائیں کہ اسلام تلوار کا مذہب ہے۔ اور اسکے مبلغین اس بیسویں صدی میں بھی اسی حربہ سے کام لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اسکے لئے یہ خبر خاص دلچسپی کا باعث ہوگی کہ دنیا میں ایک ایسا مذہب موجود ہے جسکا ایک پادری خود اپنے منہ سے اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ "مشرق میں جہاں کہیں گورے رنگ کا آدمی گیا وہ اپنے ساتھ تین چیزیں لیتا گیا۔ کیسہ، صلیب اور تلوار۔ صلیب تو اسکے کپڑوں کے نیچے غالباً دل کے قریب لٹکتی رہتی ہے۔ لیکن جب کوئی نازک موقعہ آتا ہے تو وہ فوراً اس تلوار سے کام لیتا ہے جو اسکے پہلو میں حائل رہتی ہے۔ گورے ہر آدمی کے لئے روپیہ نہایت ضروری چیز ہے۔ وہ اسکے لئے مذہب کو بھی طاق نسیان پر رکھ دیتا ہے۔"

ریورینڈ پارکس ڈبلو کلکی کے مذکورہ بالا الفاظ اپنی شرح خود کر رہے ہیں۔ گویا یورپ یا امریکہ کا سپید رنگ کا مبلغ اسوقت تک عیسائیت کی تبلیغ کے لئے کسی غیر مسیحی ملک میں قدم رکھنا گوارا نہیں کریگا جب تک اسکے دل کے قریب صلیب اور اسکی کمر میں تلوار نہ لٹکتی ہوگی۔ اور کیسہ میں زر سرخ نہ ہوگا۔ کون نہیں جانتا کہ مسیحیت کی تبلیغ دراصل کشور کشائی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔

پیغمبر اسلام ظالم اور قاتل تھے یا مظلوم اور قابل رحم

شعب ابوطالب سے نکلنے کے بعد ابو طالب و حضرت خدیجہ کہ جن دونوں کا بہت لحاظ تھا ان کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا اور انتقال کے بعد قریش کو کسی کا پاس و لحاظ نہ رہا۔ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرت صلعم کو ستانے لگے۔

ایک مرتبہ آپ راہ میں جا رہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈالدی۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے اور آپکی صاحبزادی نے دیکھا اور پانی لیکر آئیں۔ آپکا سر دھوتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں۔ اہل مکہ سے تو آپ ناامید ہی تھے۔ اسلئے آپ نے طائف جانے کا ارادہ کیا۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور ارباب اثر تھے۔ ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ آنحضرت صلعم

ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے جو جواب دیا وہ نہایت عبرت انگیز اور گستاخانہ تھا۔ ان بدبختوں نے طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ اور آپ کے پاؤں پر پتھر مارنا شروع کیا۔ آپ کی جوتیاں خون میں بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے چور چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے اور پھر پتھر برساتے اور گالیاں دیتے جاتے تھے۔ آخر آپ نے ایک باغ میں انگور کی ٹہنیوں میں پناہ لی۔ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع و نیک النفس تھا۔ اس نے اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا انگور کا خوشہ ایک کشتی میں رکھ کر بھیجا۔ اس سفر میں زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔ آنحضرت صلعم نے طائف سے پھر کر چند روز نخلہ میں قیام کیا۔ پھر حرا میں تشریف لائے اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو۔ مطعم نے یہ درخواست منظور کی۔ بیٹوں کو بلا کر کہا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلواروں کے سایہ میں حرم میں تشریف لائے اور نماز ادا کی اور گھر کو واپس گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں جب عرب کے قبائل ہر طرف سے آکر مکہ کے پاس اترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ عکاظ کا میلہ جو اہل عرب کا قومی و ملکی دنگل تھا۔ اور قبائل عرب میں بنو عامر۔ محارب۔ فزارہ۔ غسان۔ مرہ۔ حنیفہ۔ سلیم۔ عبس۔ بنو نضر۔ کندہ۔ کلب۔ حارث بنی کعب۔ عذرہ۔ حضارمہ مشہور قبائل تھے۔ ان سب قبائل کے پاس آپ تشریف لے گئے۔ لیکن ابولہب ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے تو برابر سے بولتا کہ یہ ہمارے دین سے پھر گیا ہے۔ الغرض قریش نے سخت مخالفت کی۔ اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دستبردار ہو جائیں جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے یعنی ابوجہل۔ ابولہب۔ اسود بن عبد یغوث۔ ولید بن مغیرہ۔ امیہ بن خلف۔ نضر بن حارث۔ نبیہ بن حجاج۔ عقبہ بن ابی معیط۔ حکم بن ابی العاص سب قریش کے سربرآوردہ سردار تھے۔ اور یہی سب سے بڑھ کر آپ کے دشمن تھے (یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھاتے۔ نماز پڑھتے وقت آپ پر مٹی ڈالتے تھے۔ سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی رکھ دیتے تھے۔ آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر زور سے کھینچتے تھے۔ ایک موقعہ پر ابوجہل نے کہا کہ کاش! اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت کر اٹھا لاتا کہ جب آپ سجدہ میں جائیں تو آپ کی گردن پر ڈال دیتا۔ چنانچہ عقبہ نے اوجھ لا کر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر ہنسی سے گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو خبر دی۔ وہ اگرچہ اس وقت پانچ چھ برس کی تھیں۔ مگر جوش محبت سے دوڑی ہوئی آئیں اور اوجھ کو ہٹا کر برا بھلا کہا۔

ایک مرتبہ آپ بازار ذوالمجاز میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو کلمہ طیبہ پڑھنے کو کہا۔ ابوجہل موجود تھا۔ آپ پر خاک پھینکتا اور کہتا جاتا تھا کہ اسکے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لات و عزیٰ کی پرستش چھوڑ دو۔

ایک دفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچا۔ اتفاقاً حضرت ابوبکر آگئے اور عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں روساء قبائل کے پاس تبلیغ اسلام کرتے تھے سنہ نبوی میں آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس قبیلہ خزرج کے چند اشخاص نظر آئے آپ نے انکو دعوت اسلام دی اور سب نے اسلام قبول کیا۔ یہ چھ نفر تھے اور مدینہ کے رہنے والے تھے دوسرے سال بارہ اشخاص مدینہ سے آئے اور انہوں نے بھی اسلام قبول کیا اور ایک معلم احکام سکھانے والا مانگا۔ آپ نے مصعب بن عمیر رضہ کو مامور کیا۔ وہ مدینہ میں جا کر سعد ابن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے اور روزانہ گھر گھر دورہ کرتے رہتے اور ہر روز ایک دو آدمی اسلام قبول کرتے تھے۔ پھر آئندہ سال بہتر اشخاص حج کے زمانہ میں آئے اور بمقام عقبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آپ نے صحابہ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و حضرت ابوبکر و حضرت علی رضی اللہ عنہما باقی رہ گئے جو بعد میں بڑی مشکلات اور خطرات کے اندر تشریف لے گئے

اسلام اور مسیحیت میں تلوار کا مرہون منت کون ہے؟

اسلام پر تلوار کے استعمال کا بے بنیاد الزام

اکثر اوقات عیسائیوں۔ سیاست دانوں ناواقف اور جاہل لوگوں کی طرف سے اسلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اسکی اشاعت پُرامن طریقہ کی بجائے تلوار کے زور سے ہوئی ہے۔ اس نظریہ کی تائید میں مخالفین اسلام ابتدائی فتوحات کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تلوار کے زور سے اشاعت اسلام نہیں ہوئی تو عرب۔ شام۔ مصر جنوبی افریقہ۔ ایران اور اسپین کو ایک اقل قلیل مدت میں کس طرح مسخر کر لیا گیا۔ اسکے بعد ہندوستان بھی فتح ہوا اور ترکوں نے یورپ کے بیشتر علاقوں میں اپنا پرچم لہرا دیا۔ وسیع الخیال اور مفکر عیسائی اسبات سے انکار نہیں کر سکتے کہ عیسائی مذہب کی اشاعت انہی طریقوں سے ہوئی ہے اور تلوار کی قوت سے ہی عیسوی خیالات نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ تاریخ کا یہ واقعہ کس طرح قلم زد کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہ شارلیمین نے پانچ ہزار

سکین قوم کے باشندوں کو عیسائی مذہب قبول نہ کرنے پر ذبح کر ڈالا۔ اور اسپین میں عیسائی حکومت اور عیسائی پوپوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کا کلیۃً استیصال کر دیا۔ امریکہ اور اسپین میں جو مذہبی احتساب کے محکمے قائم تھے انکا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انکے ذریعہ سے لاکھوں مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنا لیا گیا۔ اور لاکھوں کو عیسائی عقیدہ قبول نہ کرنے پر خارج البلد کیا گیا خود ہمارے زمانہ میں دنیا کے بہت سے حصوں میں مسلمانوں کے ساتھ سخت ظالمانہ اور جابرانہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ بلقان اور کریٹ میں مسلمانوں پر جو کچھ گزری وہ سب لوگ جانتے ہیں (اور اب طرابلس اور برقہ، الجزائر اور مغرب اقصیٰ میں اٹلی اور فرانسیسی حکومت کی جانب سے جو مظالم مسلمانوں پر توڑے جا رہے ہیں وہ بھی واقعات کی ذیل میں شمار کر لیجئے) یونان نے بلقان کے اندر جو ظلم و ستم مسلمانوں کی جان پر توڑے انکا بیان زبان و قلم سے نہیں کیا جا سکتا۔

مقصود یہ ہے کہ مختصر طور پر اس الزام کی تحقیقات کر کے فیصلہ کریں کہ آیا مذہب اسلام کی نشر و اشاعت بذریعہ تلوار ہوئی یا اسکے روحانی و جامع کمالات نے اسکو آسمان شہرت پر آفتاب بنا کر چمکا دیا۔ اور قلوب انسانی اسکی اخلاقی برتری کو دیکھ کر خود بخود جھک گئے۔

قرآن میں جبر کی مخالفت

[سب سے پہلے ہم اس الزام کی تحقیق قرآن حکیم سے کرتے ہیں تاکہ اس بارہ میں قرآن کی تعلیم بھی معلوم ہو جائے۔ جب ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو ہم اس آیۃ کو موجود پاتے ہیں لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (اسلام یا دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں ہے) اس آیۃ کریمہ کی رو سے بجبر تبدیل مذہب حرام اور جرم ہے۔]

اسلام کے آغاز میں ہم دیکھتے ہیں کہ اہل کتاب یعنی عیسائی، یہودی، زرتشتی اور دیگر اقوام نہایت آزادی سے اپنے اپنے فرائض مذہبی کو بجا لانے میں آزاد تھیں۔ تاہم بت پرستی خود بخود فنا ہو گئی۔ اور اسلام نے لوگوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ تہذیب، تمدن، عقلی اور نفسی کمالات، ذہنی ارتقا کے روشن پہلو دیکھ کر [illegible] چنانچہ اسلام اور توحید کے علمبردار یورپ کے رہنما بنے۔ اور فن تعمیر، فن زراعت کو انتہائی کمال تک پہنچا کر ان کو یورپ کا استاد بنا دیا۔

اسلام کے ابتدائی ایام میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت تھوڑے عیسائیوں اور یہودیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ عرب میں عیسائیوں کا وجود برائے نام تھا۔ مصر کے فتح ہو جانے کے بعد بہت سے اہل کتاب مشرف بہ توحید ہو گئے لیکن جو باقی رہ گئے ان پر کبھی جبر نہیں کیا گیا۔ اور آزادی کے ساتھ ان کو اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی

عرب میں بنو تغلب کے عیسائی جو بنو امیہ کے تابع فرمان تھے ان پر اسلام قبول کرنے کے لئے جبر نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ برضا و رغبت وہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ بنی امیہ نے تبلیغ اسلام کے لئے کوئی مشن قائم نہیں کیا تھا۔ البتہ عمر بن عبد العزیز (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسلام کے پروپیگنڈا کے لئے متعدد محکمے ضرور قائم کئے تھے جن کے باعث بکثرت یہودی اور عیسائی مسلمان ہوتے رہے۔ اس زمانہ میں سوائے تبلیغ اور ارشاد و ہدایات کے تبلیغ اسلام کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔

ہمیں اس بات کو تسلیم کرنے سے بھی انکار ہے کہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر کے بہت کچھ مادی فوائد حاصل کئے۔ کیونکہ ایرانی عناصر عربوں کے سخت مخالف تھے۔ بخارا اور خوارزم کے باشندے بہت جلد اسلام کے پشت پناہ اور دست و بازو بن گئے۔ اور وسط ایشیا میں ترک نسلوں کے اندر انہوں نے خوب اسلام کی اشاعت کی۔ بخارا تو مسلم علماء و فضلاء کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ اب تک بخارا کو یہ عزت حاصل ہے۔

ایشیائے کوچک میں آفتاب اسلام کی ضیا بیزی

ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کی آمد کے وقت تمام باشندے عیسائی تھے۔ لیکن ان میں اسلام بہت سرعت سے پھیلا۔ اور بغیر تلوار کے حملہ آوروں کے اخلاق اور ان کی روحانی برتری اور فوقیت کو دیکھ کر وہ لوگ مسلمان ہوئے۔

سنہ ۱۰۰۶ء اور سنہ ۱۰۶۰ء میں جب سلجوقی ایشیا کوچک میں داخل ہوئے تو وہاں کے باشندے بازنطین حکومت کے ٹیکسوں اور جبریہ فوجی خدمات سے تنگ تھے۔ لیکن جب سلجوقی فوجوں نے ایشیائے کوچک میں ڈیرے ڈالے تو یہی عیسائی باشندے حملہ آوروں کا خیر مقدم کرنے کے لئے نکلے اور مشرف بہ توحید ہو گئے۔ ترکوں نے ہمیشہ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک کیا۔ لیکن اسکے مقابلہ میں عیسائی قوموں نے ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے وہ عیسائی حکومتوں کے لئے کسی طرح قابل فخر نہیں کہا جا سکتا۔

قفقاز کی ایک حیرت انگیز مثال

قفقاز اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ہمارے لئے ایک اور مثال پیش کرتا ہے۔ چند صدی پیشتر جب مسلمانوں نے روسی حملہ کو روکنے کیلئے قفقاز کے میدانوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے تو قفقاز کی کل آبادی مسلمان ہو گئی۔ حالانکہ ان کو اسلام قبول کرنے پر جبراً آمادہ نہیں کیا گیا۔ مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ اسلام ہی آزادی کا علمبردار اور غلامی کا دشمن ہے اسلام قبول کر لیا۔ اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر انہیں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

چین جزائر ملایا۔ فلپائن اور جاوا

چین ایک ایسا ملک ہے جس پر کبھی مسلمانوں نے فوج کشی نہیں کی مگر باوجود اسکے اسلام وہاں بڑی سرعت کے ساتھ پھیلا اور پھیل رہا ہے۔ اسوقت وہاں باختلاف اقوال تین چار کروڑ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ بقول ایک چینی فاضل کے اب چین کے مسلمانوں کی تعداد ۷ کروڑ سے متجاوز ہے۔ کیا کوئی شخص یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب لوگ تلوار کے خوف سے مسلمان ہوئے اسی طرح جزائر ملایا۔ ڈچ اور فلپائن میں بھی مسلمان کبھی فاتحانہ طور پر داخل نہیں ہوئے۔ مگر اسلام نے وہاں بھی اپنا اثر و نفوذ پیدا کیا اور کروڑوں انسانوں کو اپنا گرویدہ اور شیدا بنالیا۔

برطانیہ نے جس وقت ہندوستان پر تسلط جمالیا۔ اس وقت یہاں کے مسلمان آبادی کا دسواں حصہ تھے۔ مگر آج وہ آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ حالانکہ اس دوران میں مسلمانوں کی حکومت پامال اور اسلامی تلوار زنگ آلود ہو چکی تھی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کی اشاعت اور توحید کی عمومیت تلوار کی مرہون منت نہیں ہے۔

آفریقہ میں اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ

موجودہ وقت میں سب سے زیادہ حیرت کی بات آفریقہ میں اسلام کی اشاعت ہے۔ جہاں جنگ عظیم کے بعد لاکھوں انسانوں نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کرلی۔ آفریقہ میں عیسائی مشنری اور حکومت دونوں متفقہ اسلام کی ترقی کو روکنے کے لئے عجیب کارانہ سعی کررہی ہیں مگر اسلام رعد و برق کی طرح انسانی قلوب کو اپنی تعلیم سے منور کررہا ہے اور عیسائیت سر دھنتی ہے کہ یہ کیوں اور کس طرح ہو رہا ہے۔

مگر عیسائی مذہب کی اشاعت تلوار سے ہوئی

ان تمام حقائق اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تلوار کو اشاعت اسلام میں کوئی معمولی تعلق بھی نہیں ہے۔ برخلاف اسکے اسپین میں محکمہ احتساب نے آگ اور تلوار کے زور سے دین مسیحی کی اشاعت کی۔ اور لاکھوں مسلمانوں کو مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کردیا گیا۔

عیسائی قوموں نے اپنی محکوم آبادی کو زبردستی عیسائی بنایا۔ عیسائی تبلیغ کے لئے بے شمار روپیہ خرچ کیا۔ پھر بھی لوگوں کو بجبر اور تلوار کے زور سے عیسائی بنانے کے واقعات تاریخ میں موجود ہیں۔ اسکے مقابلہ میں اسلامی حکومتوں نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ نہ کوئی کثیر رقم تبلیغ پر صرف ہوئی۔ مگر اسلام محض اپنی اخلاقی برتری اور روحانی تفوق کے باعث دنیا میں سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ اور بغیر تلوار کے لوگوں کے قلوب کو مسخر کرتا جارہا ہے۔

End

ہر ہفتہ دو ہزار عیسائی ہندوستان میں بڑھ رہے ہیں

ہندوستان خصوصاً پنجاب میں پنج قوموں یعنی چوہڑوں وغیرہ اور ہندوؤں اور بودھوں سے عیسائی مشنیں قریباً دو ہزار آدمیوں کو ہر ہفتہ بپتسمہ دیکر عیسائی بنا رہی ہیں۔ علاوہ پنج قوموں کے ان میں ہندوؤں کی معقول تعداد ہوتی ہے۔ مگر مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۲۵ء کے اخبار ملاپ کا حسب ذیل اقتباس اسپر کافی روشنی ڈالتا ہے:۔

"ہندوستان میں مشنریوں نے کیا کام کیا ہے؟ اس معاملہ پر غور کرنے کے لیئے لنکاشائر انڈیپنڈنٹ کالج مانچسٹر میں ایک جلسہ ہوا جس میں تقریر کرتے ہوئے پادری گاڈو سے فلپز فارن سکرٹری لندن مشنری سوسائٹی نے کہا کہ ہم پر یہ ہمارا مذہبی فرض ہے کہ ہم ہر سال عیسائی مذہب کی اشاعت کے لیئے غیر ممالک میں اپنے آدمی بھیجتے ہیں۔ دیگر ممالک کی نسبت ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کا کام بہت ترقی پر ہے۔ اس میں کلام نہیں۔ اسپین میں عیسائی مذہب کی اشاعت کا بہت شاندار کام ہو رہا ہے۔ لیکن ہندوستان کو عیسائی مذہب کا مرکز کہا جانا چاہیئے۔ ہندوستان میں عیسائی گرجوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اسوقت ایک لاکھ ۴۰ ہزار ہندوستانی عیسائیوں کا گرجا سے تعلق ہے۔

ہمارا کام زیادہ ہندوؤں اور بودھ دھرم والوں میں ہے۔ ہماری سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے ہم دو ہزار ہندوستانیوں کو عیسائی بنا کر ہر ہفتہ بپتسمہ دیتے ہیں۔ آج سے بیس سال پہلے ہندوستان میں عیسائیوں کی تعداد اتنی نہ تھی جسقدر کہ آج ہے۔ یعنی یہ تعداد بیس سال کے اندر ۳۵ ہزار بڑھ گئی ہے۔ ساتھ ہی میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ غیر عیسائیوں کی تعداد بھی پہلے سے بڑھ رہی ہے۔ مگر ہم اسی کوشش میں ہیں کہ اپنی سرگرمیوں کا دائرہ اسقدر وسیع کریں کہ ہندوستان میں آئندہ چند سال کے اندر عیسائیوں کی تعداد پہلے سے دوگنی ہو جائے۔ ہمارے پاس روپیہ کافی ہے۔ کام کرنے والے آدمیوں کی بھی کمی نہیں۔

عیسائیت کی رفتار

عیسائی مذہب کی ترقی کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں:۔

۱۸۸۱ء ۱۵ لاکھ۔ ۱۹۰۱ء ۲۹ لاکھ۔ ۱۹۱۱ء ۳۸ لاکھ۔ ۱۹۲۱ء ۴۷،۵۴،۰۶۴ لاکھ

انہوں نے ۱۹۰۱ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان فی صدی ۳۲،۶ ترقی کی اور ۱۹۱۱ء اور ۱۹۲۱ء کے درمیان میں ۲۲،۶ کی ترقی کی جو کہ مسلمانوں کی ترقی کے مقابلہ میں ۱۹۱۱ء میں پانچ گنے سے زیادہ اور ۱۹۲۱ء میں سات گنے سے زیادہ ہے۔

ہندوستان میں مسیحیت کا وسیع نظام

ہندوستان میں جس کوشش سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنایا جاتا ہے وہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو جائے گا۔ سنہ ۱۹۲۳ء کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں:- مسیحی مشنریان ۱۹۶۷ - تبلیغی مراکز ۱۲۴۰ - مبلغ ۶۲۱۸ - ٹریننگ کالج برائے تعلیم تبلیغ ۹۱ - گرجاؤں کے پادری ۱۸۶۶۹ - مذہبی اخبارات مختلف زبانوں میں ۹۹ - پریس ۴۲ - سنڈے سکول ۸۲۰ ہائی سکول ۶۱۰ - کالج ۵۰ - زراعتی سکول ۹۰۸ - صنعتی اسکول ۱۶۰ - تعداد طلبہ ۱۰۶۰۰۰۰ لاکھ - اساتذہ ۴۴ ہزار ۴۴ ہسپتال ۴۰۸ - ڈاکٹر اور نرسیں ۱۵۹۸ ہزار۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں تمام ہندوستان میں ۱۳۶ مشنیں تھیں۔ جنکی تفصیل حسب ذیل ہے:- امریکہ اور کینیڈا کی تبلیغی

جماعتیں	۴۱	اسٹریلیا کی تبلیغی جماعتیں	۸	انگریزی تبلیغی جماعتیں ۴۱	لنکا کی تبلیغی جماعتیں ۳
براعظم "	۱۲	ہندوستان " "	۶	بین الاقوامی " ۹	بلدی " " ۱۲

میزان کل ۱۳۶

مگر دس برس کے اندر سنہ ۱۹۲۳ء میں ان کی تعداد میں ۱۷ مشنریوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں ان مشنریوں کا سالانہ خرچ ۵۲ کروڑ روپیہ تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اب وہ کس قدر خرچ کر رہی ہوں گی۔ انجیل کا ترجمہ ۴۰۱ زبانوں میں کیا جا چکا ہے۔ ہندوستان میں سنہ ۱۹۲۳ء میں ۵۰,۰۰۰ ,۸ لاکھ انجیلیں فروخت اور تقسیم کی گئیں مگر سنہ ۱۹۲۷ء میں انکا عدد ۰۰۰ ,۹۰ ,۱۱ لاکھ تک پہنچ گیا۔

عیسائیوں کی ترقی سے مسلمانوں کی ترقی کا اندازہ کیجئے

عیسائی مشن ہندوستان میں ہر ہفتہ میں دو ہزار ہندو، بدھ اور پنچ اقوام سے اپنے مذہب میں داخل کر رہے ہیں۔ اور سو ڈیڑھ سو سال کی حکومت میں کم و بیش پونے دو لاکھ دیسی عیسائی ہندوستان میں ہو گئے ہیں (یورپین ان سے علیحدہ ہیں) اگر مسلمان سات آٹھ سو سال میں اس نسبت سے [illegible] کروڑ ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں حالانکہ لاکھوں مسلمان افغانستان ایران ترکستان اور عرب سے اسلامی حملہ آوروں کے لشکروں کے ساتھ صدیوں سے ہندوستان میں آتے رہتے ہیں۔

لاہور ڈائیوسیز میں نیا بشپ

سول ملٹری گزٹ مورخہ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۳۰ء میں ایک عیسائی کی مراسلت کا مفاد حسب ذیل ہے:-

"زیر تجویز ہے کہ لاہور ڈائیوسیز (بشپ کے علاقہ) میں ایک نیا اسسٹنٹ بشپ (خالصاً اسقف) [illegible]"

مقرر کیا جائیگا۔ کیونکہ دیہات میں ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد کے اس علاقہ میں بڑھ جانے سے جو اسوقت چالیس ہزار ہو گئے ہیں۔ نائب بشپ کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ اور اپریل ۱۹۳۰ء سے اسی وجہ سے چرچ آف انگلینڈ کا نام چرچ آف انڈیا رکھنا منظور کیا گیا ہے۔ یہ تو زمانہ حال کا واقعہ ہے تمام معقول پسند لوگ اسپر اتفاق کرینگے کہ انگریز ظلم و تعدی کے ذریعہ سے اسوقت ہندوستان میں لوگوں کو عیسائی نہیں بنا رہے ہیں۔ بلکہ عیسائی مشنری عیسوی دین کی اشاعت مختلف طریقوں سے کر رہے ہیں جنکا یہ نتیجہ ہے۔ اگر اس نسبت سے بھی مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے کام میں سرگرمی دکھلائی ہوتی تو آج تمام ہندوستان میں ایک ہندو بھی نظر نہ آتا۔

کثرت ازدواج اور یورپ

کلکتہ کا اخبار سٹیٹسمین لکھتا ہے کہ اسوقت یورپ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بقدر ایک کروڑ اسی لاکھ زیادہ ہے۔ اگر عورتوں کی تعداد اسی طرح بڑھتی رہی تو ڈیڑھ صدی میں اہل یورپ کثرت ازدواج پر مجبور ہو جائیں گے۔ اہل یورپ میں عیسائیوں کی کثرت ہے اور وہ اسلام کے خلاف خوفناک اور بالکل بے بنیاد پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اسکے باوجود ان کو اسلامی اصولوں کا تتبع کرنا پڑتا ہے۔ طلاق۔ خلع وغیرہ کے جو قوانین اسوقت یورپ میں رائج ہیں وہ دراصل اسلام ہی کی تعلیم کا اثر ہے۔ اگرچہ اسوقت یورپ کثرت ازدواج کو برا سمجھتا ہے۔ لیکن وہ بقول سٹیٹسمین ڈیڑھ صدی میں اس کا بھی قائل ہو جائیگا۔

کل دنیائے اسلام کی آبادی بلحاظ مردم شماری

ملک	مسلمان	فیصدی
ارجنٹائن	۷۵۲۰۰	۱ سے کم
گی آئنا (برٹش)	۲۴۸۰۰	۵
ٹرینیڈاڈ	۳۶۰۰۰	۹ ۳/۴
فیجی	۱۵۰۰	۹
البانیہ	۸۸۴۶۷۵	۷۰
یوگوسلاویہ	۲۰۰۰۰	۱۳ ۳/۴

ملک	مسلمان	فیصدی
شمالی امریکہ	۱۱۰۰۰	۱ سے کم
امریکہ (اضلاع متحدہ)	۱۱۰۰۰	〃
برازیل	۱۰۰۶۰۰	〃
گی آئنا (ڈچ)	۱۵۴۳۱	۱۳ ۱/۲
آسٹریلیا	۲۵۰۰۰	۹ ۳/۴
یورپ	۷۰۵۸۹۴۹	۱ ۱/۴
بلگیریا	۹۷۲۵۰۰	۱۳ ۳/۴
رومانیا	۴۴۰۷۷	۱ سے کم

ملک	مسلمان	فیصدی
روس	۴۴۰۰۰۰۰	۴ ۱/۹
افریقہ (کل)	۶۱۹۹۸۳۴۲	۴۷ ۳/۴
بلجین کانگو	۱۶۶۴۰۰۰	۱۹
گیمبیا	۲۸۸۰۰	۱۲
گولڈ کوسٹ	۱۰۱۴۰۰	۴ ۱/۲
جنوبی افریقہ	۵۰۰۳۶	۱ سے کم
نیاسا لینڈ	۶۳۰۰	۹
کینیا	۴۲۶۰۰۰	۱۸
سومیلی لینڈ	۳۴۰۰۰۰	۹۹
کامرون	۲۰۰۰۵۰	۳۹
ٹانگانیکیا	۳۰۰۰۰۰	۶
مصر	۱۱۴۵۹۴۴۸	۹۱ ۱/۲
مراکش	۵۲۰۰۰۰۰	۹۶
سینی گال	۱۲۹۹۰۰۰	۹۹
آوری کوسٹ	۲۹۰۰۰۰	۲۰
ماریٹینیا	۲۶۰۰۰۰	۹۵
وولٹا	۴۵۰۰۰۰	۱۴ ۱/۲
کانگو	۵۶۰۰۰۰	۲۳
فرانسیسی افریقی	۶۵۰۰۰۰	۱۳۲
ٹوگولینڈ	۳۶۵۰۰۰	۵۹
اطالوی افریقہ	۱۵۴۹۰۰۰	۸۳
ایری ٹری	۳۰۰۰۰۰	۶۴ ۱/۲

ملک	مسلمان	فیصدی
یوگوسلاویہ	۱۲۳۶۹۹۰	۱۱
ابی سینیا	۴۰۰۰۰۰۰	۴۰
برٹش افریقہ (کل)	۱۵۵۸۵۹۹۰	۱۹
سرالیون	۳۰۰۰۰۰	۱۹ ۱/۴
نائیجیریا	۱۱۰۰۰۰۰	۴۱
بسوٹولینڈ وغیرہ	۹۱۵۳	۱ سے کم
زنجبار	۱۸۳۹۰۰	۹۳
یوگنڈا	۶۲۰۰۰	۲ ۱/۲
مصری سوڈان	۳۰۰۰۰۰۰	۵۱
ٹوگولینڈ	۱۲۵۰۰۰	۴۹
جنوب مغربی افریقہ	۱۰۰۰	۱ سے کم
(فرانسیسی افریقہ) الجیریا	۶۹۰۱۴۲۲	
ٹیونیا	۱۸۹۱۲۸۰	
گنیا	۱۶۰۰۰۰۰	۸۴
ڈہومی	۳۴۰۰۰۰	۳۵
فرانسیسی سوڈان	۱۹۰۰۰۰۰	۴۴
نائیجیریا	۱۱۴۵۰۰۰	۹۹
سائیلی کوسٹا	۹۴۵۰۰	۹۹
کامران	۳۶۵۰۰۰	۱۵ ۱/۴
مڈغاسکر	۶۵۰۰۰	۲
لیبیا	۹۰۰۰۰	۶۵
اطالوی صومالی لینڈ	۹۴۴۰۰۰	۹۹

ملک	مسلمان	فیصدی
لائبریا	۲۰۰۰۰۰	۱۵
سوفبیق	۱۳۰۰۰۰	۴
افنی	۲۰۰۰۰	۱۰۰
ایشیا (کل)	۱۶۱۲۸۰۲۲۲	۱۷ ۱/۲
فلپائن	۵۸۶۹۹۹	۴ ۱/۴
جزیرہ قبرس	۶۱۴۴۲	۱۹ ۱/۲
سکوطرہ	۱۲۰۰۰	۱۰۰
ہندوستان	۷۹۸۱۵۰۰۰	۲۱ ۱/۲
مالایو	۷۰۱۹۹	۱۰۰
ملایا	۴۲۰۸۴۰	۳۱ ۱/۲
شمالی بورنیو	۲۰۰۰۰۰	۷۷ ۱/۴
سراوق	۱۵۰۰۰۰	۲۵
عراق	۲۹۴۰۷۰۰	۹۲ ۱/۲
چین (ملحقات)	۲۷۰۳۰۰۰	۱۶
فرانسیسی ایشیا	۳۴۱۸۴۰	۱ ۱/۲
״ شام ولبنان	۱۹۱۳۸۰۴	۵۳ ۱/۲
ایران	۹۳۵۰۰۰۰	۹۸ ۱/۲
روسی ایشیا	۱۰۲۰۰۰۰	۳۴ ۳/۴
ٹرکی	۸۳۵۰۰۰۰	

ملک	مسلمان	فیصدی
گنیا	۱۰۰۰۰۰۰	۳۴
ریو ڈی ارو	۷۹۵۰۰	۹۹
مراکش (ہسپانوی)	۷۹۵۰۰۰	۸۲ ۱/۴
افغانستان	۱۲۰۰۰۰۰۰	۱۰۰
عرب	۱۰۰۰۰۰۰۰	۱۰۰
عدن اور پیرم	۵۴۰۰۰	۹۹
جزیرہ بحرین	۱۱۹۰۰۰	۹۹
لنکا	۳۰۲۵۳۲	۹ ۱/۴
سٹریٹ آبادیات	۲۵۸۷۱۹	۲۹
ملایا	۷۵۸۰۹۰	۲۹
برونی	۲۴۰۰۰	۹۸
فلسطین	۷۷۰۸۹۰	۸۰
چین خاص	۶۴۳۳۳۰۰۰	۱ ۱/۲
مشرقی ایڈیز	۳۴۰۰۰۰۰۰	۷۷
فرانسیسی ہند	۱۳۲۶۰	۴ ۱/۲
عمان	۵۰۰۰۰۰	۱۰۰
پرتگالی تیمور	۹۰۰۰	۲ ۱/۴
سیام	۱۵۰۰۰۰	۱ ۱/۲

ہندوستان میں مسلمان

شہر	تعداد	اوسط فیصدی	شہر	تعداد	اوسط فیصدی
اجمیر	۱۰۱۷۷۶	۲۰ ″	انڈیمان	۱۴۰۴۳	

شہر	تعداد	فیصدی	شہر	تعداد	فیصدی
آسام	۲۲۰۲۴۹۰	۲۶	ریاست منی پور	۱۶۴۸۶۰	
بلوچستان	۴۲۰۴۴۸	۹۱	بڑودہ	۱۴۲۲۳۲۸	۶
بنگال	۲۵۲۱۰۸۹۰	۵۳	بہار	۳۶۹۰۱۸۲	۹
بمبئی اور لنڈن	۳۸۲۰۱۵۴	۱۹	(صرف سندھ میں ۷۳ فیصدی)		
برہما	۵۰۰۰۰۰	۴	وسطی ہند	۳۳۱۵۲۰	
دہلی	۱۴۱۶۵۸	۲۹	حیدرآباد	۱۴۹۸۲۶۶	۱۰
جموں و کشمیر	۲۵۴۸۵۱۴	۷۷	(صرف کشمیر میں ۹۵ فیصدی)		
جنوبی ہند میں	۱۰۰۰۰۰۰		شمالی مغربی صوبہ سرحد	۲۰۶۲۶۸۶۰	۹۱
پنجاب	۱۳۰۰۰۰۰۰	۵۵	ریاستہائے راجپوتانہ	۹۰۰۰۰۰	۹

کل ہندوستان کی آبادی

اصل ہندو ۱۷ کروڑ۔ اچھوت اقوام ۷½ کروڑ۔ سکھ ۴۰ لاکھ۔ جینی ۱۲½ لاکھ۔ مسلمان ۸ کروڑ۔ بدھ ۱½ کروڑ۔ پارسی ۱½ لاکھ۔ عیسائی ۶۰ لاکھ۔

گذشتہ سو سال میں مسلمانوں کی ترقی حیرت انگیز ہے

اسلام کی سادگی و پاکیزگی رفتہ رفتہ اپنے شدید ترین دشمنوں کو بھی کلمۂ حق کہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ بھائی پرمانند کے اسم گرامی اور اسلام کی جانب اُن کے میلان سے کون ناواقف ہے۔ لیکن اسلامی تعلیم کا اعجاز دیکھئے کہ بلند ذوق و شوق اصول اسلام کی تعریف میں مضمون چھاپ رہے ہیں۔ بھائی صاحب کے اخبار "ہندو" لاہور کی ۱۴ جولائی ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں لالہ دیوان چند بی۔ اے وکیل قصور تحریر فرماتے ہیں:

"آج ہندو سوراجیہ کی کشمکش میں اسقدر غلطاں ہیں کہ اپنی قومی ہستی کا احساس ان میں دن بدن کم ہوتا ہے۔ اسکے برعکس اسلام کی اخوت اور حریت انکو ایک زبردست منظم جماعت بنا چکی ہے۔ اسلام کی مساوات اور وحدانیت ان کے مشترکہ قومی احساس کو مضبوط کرتی ہے۔ اور ہندوؤں کی ذات پات۔ چھوت چھات اور بے حد فرقہ بندی ان کو مقابلہ میں کمزور اور نکما بنا رہی ہے۔ اسلام کے پھیلاؤ کا کارن اس کا سادہ۔ کم خرچ

اور غریبوں کے لئے مفید اور دلکش سوشل سسٹم (نظام اجتماعی) ہے۔ غریب ہندوؤں کی لڑکیاں تو امیر لے لیتے ہیں مگر لڑکے زیادہ تر کنوارے رہ جاتے ہیں۔ اور وہ بیواؤں کے کارن ہندو ہر چالیس سال کے بعد دو فیصدی کم ہو جاتے ہیں اور مسلمان پانچ فی صدی بڑھ جاتے ہیں۔ اسلامی حکومت کے دوران میں مسلمانوں کی تعداد مقابلتہً بہت کم تھی۔ مگر ہندوؤں کے مظالم اور اسلامی سوشل سسٹم کی سادگی اور سب کے مفید ہونے کے کارن گذشتہ سو سال میں مسلمانوں کی ترقی حیرت انگیز ہوئی ہے اور جو پولیٹیکل نتائج برآمد ہوئے ہیں اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہندوؤں نے اپنے سوشل قوانین رواجات رسومات کو مساوات سادگی اور کم خرچی کی طرف مبدل نہ کیا تو بلاشبہ چند صدیوں میں ہندوستان کا نام بدلنا پڑیگا۔

ایک ہزار قبطی ہر سال مسلمان ہوتے ہیں

لنڈن ٹائمز کا مصری نامہ نگار دسمبر ۱۹۲۶ء میں لکھتا ہے کہ جدید مصری دستور اگرچہ رعایا کو مذہبی آزادی کی اجازت دیتا ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی قانون میں شامل ہے کہ اگر کوئی عورت سن معین کے اندر شادی کر لے تو پھر اسکو تبدیلی مذہب کی اجازت نہیں ہوگی۔ پھر بھی قانون اس امر کی بھی اجازت دیتا ہے کہ اگر کسی مسلمان کا لڑکا یا لڑکی مرتد ہو جائے اور ارتداد پر مصر ہو تو باپ کو اسکے مار ڈالنے کا اختیار ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ واقف کار اشخاص کا اندازہ ہے کہ ہر سال تقریباً ایک ہزار مسیحی قبطی خود بخود مسیحیت سے دستبردار ہو کر دین اسلام کے آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ مصر کا قانون جو کچھ بھی کہے۔ لیکن ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آخر مصری قبطی عیسائی جو مسلمانوں کی طرح وہاں مذہبی آزادی رکھتے ہیں کونسی تلوار کے ڈر سے مسلمان ہو رہے ہیں؟ کیا ان کا خود بخود ہزاروں کی تعداد میں داخل اسلام ہونا اسلام کی پرامن سرایت اور تعلیم اسلام کے فطرت انسانی کے مطابق ہونے کی دلیل نہیں ہے؟

مسلمان بتدریج کس طرح بڑھے ہیں؟

۱۸۸۱ء کی مردم شماری میں ہندوستان میں صرف چار کروڑ چند لاکھ اوپر مسلمان تھے۔ ۱۹۱۱ء میں مسلمان ۶۶۶۴۷۲۹۹۔ اور ۱۹۲۱ء میں مسلمان ۶۸۷۳۵۲۳۳ تھے اور ۱۹۳۱ء میں ۷۷۷۷۴۳۹۲۸۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان جبراً ہندوؤں کو مسلمان کر کے نہیں ہوئے بلکہ محض قدرتی وسائل سے بڑھے ہیں کیونکہ پہلے پہل ۹۱ھ میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے اسی سال بعد مسلمان ہندوستان میں آگئے تھے اور محمد قاسم جو گورنر حجاز کا بھتیجا تھا خلیفہ عمر کے عہد میں سندھ پر حملہ کر کے وہاں اسلامی سلطنت قائم کی تھی

اب بھی اسلام کس طرح ترقی کر رہا ہے

ہندوستان اور باقی تمام دنیا میں اسلام برابر بڑھ رہا ہے۔ پس یہ دعوی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ ہندوستان میں حکومت اسلامی کے تحت میں ہی مسلمانوں نے ترقی کی۔ یا ہندو مسلمان کئے۔ اب انگریزی عہد میں بھی لاکھوں ہندو مسلمان بن رہے ہیں جن میں بعض بڑے نامور اور قابل لوگ بھی ہوتے ہیں جیسے مہاراجہ ناہر سنگھ آف ہرات بمعہ اپنے خاندان اور جمعیت کثیر کے اور انگلستان میں بڑے بڑے نامور امراء اور پرنس جیسے سر آرچبالڈ ہملٹن لارڈ ہیڈلے وغیرہ وغیرہ بلا کسی جبر و اکراہ کے خود اسلام کے حلقہ بگوش بن رہے ہیں۔ نہ اُن پر مسلمانوں کی کسی قسم کی حکومت ہے اور نہ اُن پر اسلام کا کوئی رسوخ ہے۔

مسلمان آبادی ہند کا پانچواں حصہ تھے جلدی چوتھا حصہ ہو جائیں گے

سنہ ۱۹۲۲ء میں ہز ہائینس سر آغا خان نے بذریعہ براڈکاسٹ اہل امریکہ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ سلطنت جرمنی کی کل آبادی چھ کروڑ ۲۰ لاکھ ہے۔ حالانکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی ۷ کروڑ ۸۰ لاکھ ہے۔ پچاس برس گذرے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کل ہند کا ۱/۵ حصہ تھی۔ مگر مسلمانوں کی آبادی رات دن بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ اب ان کی تعداد ہندوستان کی کل آبادی کا ۱/۴ حصہ ہو گیا۔ اور ہمارے بچوں کے متوسط العمر ہونے تک ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد آبادی ہندوستان کا ۱/۳ حصہ ہو جائے گی۔ ہندوؤں سے مسلمان رسومات وضع قطع لباس عادات و قوانین بلکہ کھانے پینے تک میں بھی مختلف ہیں۔ ہندو سود لیتے ہیں مسلمان کے ہاں سود ناجائز ہے۔ غرض کہ مسلمان کسی طرح بھی ہندوؤں کے ساتھ مخلوط نہیں ہو سکتے۔

تمام دنیا کی اسلامی آبادی

فرانس کے ایک رسالہ مانڈ مسلمان نے مسلمانان عالم کی آبادی کے حسب ذیل اعداد شائع کئے ہیں:۔

شمالی افریقہ مراکش فرانسیسی حمایت میں	۴۷۵۰۰۰۰	مراکش ہسپانی اثر میں۔	۵۵۰۰۰۰
رایو ڈاارو ہسپانی۔	۵۰۰۰۰	الجیریا و فرانسیسی صحرا۔	۴۱۷۴۰۰۰
ٹیونس۔	۲۰۰۰۰۰۰	ٹریپولی داٹالی آبادی۔	۵۶۹۰۰۰
سارانیپیا	۲۷۵۰۰۰	مصری سوڈان	۳۲۰۰۰۰۰
مصر	۱۲۸۰۰۰۰		

مغربی افریقہ	موری ٹانیا فرانسیسی	۲۶۱۰۰۰	سینی گال فرانسیسی۔	۹۱۵۰۰۰	فرانسیسی سوڈان	۶۸۴۰۰۰
	فرانسیسی گاٹنا	۱۶۰۰۰۰۰	ساحل طلا فرانسیسی	۱۷۰۰۰۰	ڈہومی فرانسیسی	۷۰۰۰۰
	ہوٹ والٹا فرانسیسی	۴۴۴۰۰۰	ناٹگر ″	۹۵۲۰۰۰	برٹش گاٹنا	۷۰۰۰
	پرتگالی گاٹنا	۴۰۰۰۰	سرالیون برٹش	۴۵۰۰۰۰	ساحل طلا برٹش	۷۵۰۰۰
	ٹوگو (برخے فرانسیسی برخے برطانی)	۸۰۰۰۰	جمہوریہ لائبریا	۲۰۰۰۰۰		
وسط و جنوبی افریقہ	برٹش نائجیریا	۷۹۵۰۰۰	کیمرون زیر اثر فرانسیسی	۵۰۰۰۰۰	کوبانگی چاری (فرانس)	۲۵۰۰۰
	چاڈ فرانسیسی	۹۲۰۰۰۰	بلجیئن کانگو	۲۵۰۰۰	نیاسالینڈ برطانی	۱۶۰۰۰۰
	یونین سوتھ افریقہ	۴۶۰۰۰	بکوانا لینڈ برٹش	۹۰۰۰		
مشرقی افریقہ	موزنبیق پرتگالی	۶۰۰۰۰	میڈیغاسکر فرانسیسی	۶۷۰۰۰۰	خبروری یوتیش فرانسیسی	۳۰۰۰
	موریشس برٹش	۴۵۰۰۰	جزائر سیچلز برٹش	۳۰۰۰	زنگبار۔ زیر حمایت برطانی	۲۰۰۰۰۰
	ٹانگانیکا زیر حمایت برطانی۔	۴۰۰۰۰۰	یوگنڈا برٹش	۶۰۰۰۰۰	کینیا۔ برٹش نوآبادی	۱۰۰۰۰۰۰
	برٹش سومالی لینڈ	۳۰۰۰۰۰	اٹالین سومالی لینڈ	۵۰۵۰۰۰	فرانسیسی سومالی لینڈ	۲۱۰۰۰۰
	اری تھریا۔ اطالی نوآبادی	۲۶۱۰۰۰	حبش	۳۰۰۰۰۰۰		
مشرقی یورپ	البانیا	۵۶۴۰۰۰	یوگوسلاویا	۱۳۳۷۰۰۰	بلگیریا	۶۹۰۰۰۰
	یونان	۱۸۰۰۰۰	سائپرس۔ قبرص	۶۱۰۰۰	روڈس	۱۲۰۰۰
	رومانیا	۲۵۰۰۰۰	پولینڈ و لتھونیا	۸۰۰۰		
سوویٹ روس	سائبیریا	۲۹۵۰۰۰	کریمیا	۱۸۷۰۰۰	ترکستان	۱۸۰۰۰۰۰
	بخارا	۷۴۷۰۰۰	شمالی کوہ قاف	۱۵۰۰۰۰۰	قزاق	۴۱۹۰۰۰۰
	ازبکستان	۶۰۰۰۰۰	سمرقند	۱۰۰۰۰۰۰	منگولیا	۲۰۰۰۰
	آذربیجان	۱۶۰۰۰۰۰	گوریا	۳۰۰۰۰۰	ارمینیا	۸۶۰۰۰
	ترکی	۱۳۶۰۰۰۰۰	عراق	۲۶۴۰۰۰۰	شام	۲۳۰۰۰۰
	فلسطین	۵۵۷۰۰۰	ویرات	۹۳۲۰۰۰۰	افغانستان	۶۳۸۰۰۰۰
برطانوی ہند	نارواڑ	۱۰۱۷۷۶	انڈیمن	۴۱۰۴	آسام۔ مین پور پراونس	۱۷۸۴۶ ۲۲۰۲۴۶۰

ریاست بلوچستان	۳۹۹۱۹۵	صوبہ بلوچستان	۳۹۷۲۸۲	بڑودہ	۱۶۲۳۲۸
بنگال	۲۵۳۱۰۸۰۲	بہار اوڑیسہ	۳۹۹۱۹۵	صوبہ جات بہار	۳۶۹۰۰۰۰
بمبئی سندھ	۸۴۰۹۷۵	صوبہ جات بمبئی	۳۸۲۰۱۵۳	برمی مانیا	۵۰۰۵۹۲
سنٹرل انڈیا | بھوپال	۳۳۱۵۲۰	سنٹرل پراونسز و برار	۵۹۳۵۷۴	صوبہ جات متوسط	۱۸۴۵۸
کروگ	۱۳۰۲۱	دھلی	۱۴۱۷۵۸	گوالیار	۱۷۹۸۸۳
حیدرآباد	۱۲۹۸۲۷۷	کشمیر	۲۵۴۸۵۱۴	مالابار مدراس	۳۹۳۹۹۲
صوبہ مدراس	۲۸۴۰۴۸۸	ریاست میسور	۳۴۰۴۶۱	اقوام سرحدی صوبہ	۲۱۳۳۶
صوبہ سرحد شمال مغرب	۲۰۶۲۷۸۶	ریاستہائے پنجاب	۱۳۴۹۰۶۲	اضلاع پنجاب	۱۱۴۴۴۳۲۱
راجپوتانہ	۹۰۰۳۴۱	ممالک مغربی وشمالی	۲۴۳۹۳۵	ریاستہائے یوپی	۶۴۸۱۰۳۲
لنکا	۳۰۸۶۹۴				
برٹش ملایا سٹیٹس | نارتھ بورنیو		سراوق	۸۰۰۰۰	برطانوی شمالی بورنیو	۴۰۰۰۰
بورنیو	۱۲۰۰۰	سٹیٹ سٹلمنٹ سنگاپور	۸۵۰۰۰	پے نانگ	۱۵۰۰۰۰
ملایا	۱۲۵۰۰۰	فیڈریٹڈ ملایا سٹیٹ -		پیراک	۲۶۰۰۰۰
سیلنگور	۱۲۵۰۰۰	نیگری سمبیلان	۱۰۸۰۰۰	پاہنگ	۱۶۰۰۰
نان فیڈریٹڈ ملایا سٹیٹ		جوہور	۱۶۰۰۰۰	کیدا	۲۹۰۰۰۰
پرلس	۳۵۰۰۰	کیلان ٹان	۲۹۵۰۰۰	ٹرنگوا	۱۸۳۰۹۲
چین | کانسو	۳۰۰۰۰۰۰	سن کیانگ	۱۲۰۰۰۰۰	یون نان	۷۰۰۰۰۰
دیگر صوبجات	۴۰۰۰۰۰۰	سراوک	۸۰۰۰۰		
ڈچ انڈیز | جاوا	۳۹۰۰۰۰۰۰	سماٹرا	۹۹۰۰۰۰۰	رای یولنگا	۲۳۵۰۰۰
بانکا بلٹن	۱۳۰۰۰۰	بورنیو	۵۴۰۰۰۰	سیلیبس	۱۰۰۰۰۰۰
نیوگائینا	۷۰۰۰۰۰	ٹائیمور	۲۳۰۰۰۰	بالی لمباک	۵۵۰۰۰۰
فلپائن	۴۴۳۰۳۷	وشیانا	۷۰۰۰	امریکہ	۱۰۰۰۰
برازیل	۲۵۰۰۰	برٹش گائینا	۱۸۰۰۰	ڈچ گائینا	۲۰۰۰۰

فرینچ گائینا	۶۰۰۰	ٹرینی ڈاڈ	۱۸۰۰۰
دیگر مقبوضات امریکہ	۱۵۰۰۰	فرانس کا علاقہ واقعہ امریکہ	۱۰۰۰۰۹
بلجیم کا علاقہ واقعہ امریکہ	۵۰۰۰		

دنیا میں ستر کروڑ مسلمان آباد ہیں

سنہ ۱۹۳۱ء کی تازہ مردم شماری کے مطابق رسالہ "نیر ایسٹ" لنڈن نے مسلمانان عالم کی تعداد شائع کی ہے۔ اس سے قبل مسلمانان عالم کی تعداد ۴۰ کروڑ تک بتائی جاتی تھی۔ لیکن اس رسالہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی ۷۰ کروڑ تک پہونچ چکی ہے۔

شمالی افریقہ ۲۹ کروڑ ۶۲ لاکھ ۴۰ ہزار۔ مغربی افریقہ ۲ کروڑ ایک لاکھ ۱۱ ہزار۔ وسطی اور جنوبی افریقہ ۹۲ لاکھ ۸۰ ہزار مشرقی افریقہ ۹۲ لاکھ ۵۷ ہزار۔ مشرقی یورپ ۱۷ لاکھ ۲ ہزار۔ سوویٹ روس ا کروڑ ۲۲ لاکھ ۲۵ ہزار (حالانکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روس میں تقریباً ۵ کروڑ مسلمان آباد ہیں)۔

مشرق قریبہ و ایشیائے کوچک ۳۱ لاکھ ۲۷ ہزار۔ ملایا ۲۰ لاکھ ۴۳ ہزار۔ انڈو چائنا جاوا و لنسو ۹ کروڑ ۵۹ لاکھ ۵۸ ہزار ہندوستان ۸ کروڑ ۱۹ لاکھ ۱۸ ہزار ۵ سو ۱۴۔ چین ۲ کروڑ ۹۰ لاکھ۔ (حالانکہ ایک انگریز مصنف نے اپنی تصنیف میں کئی سال پہلے لکھا تھا کہ چین میں مسلمان پانچ کروڑ سے بھی زیادہ ہیں)۔ دیگر ممالک ۶۶ ہزار ۸ سو ۲۷۔

غرض مسلمانوں کی آبادی صفحہ عالم پر روز بروز بڑھ رہی ہے۔ موجودہ رفتار سے ثابت ہوتا ہے کہ انشاء اللہ ان کی آبادی بہت جلد تمام دنیا پر سبقت لے جائے گی۔

ہندوستان میں ہندو کتنے گھٹ رہے ہیں اور مسلمان کتنے بڑھ رہے ہیں؟
اور دنیا کی آبادی میں مسلمانوں کی کثرت

ہندوستان کی ہر دس سالہ مردم شماری کے شائع ہونے پر ہندو مبصرین ملک کہنے لگتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی تعداد گھٹ رہی ہے۔ سر سریندر ناتھ بینرجی متوفی مشہور ایڈیٹر بنگالی کلکتہ و سابق وزیر بنگال کے داماد ڈاکٹر مکرجی نے ایک انگریزی رسالہ اس مضمون پر غالباً بنام "ایک مرنے والی قوم" کے لکھا تھا۔ حال میں آخری مردم شماری کے نتائج شائع ہونے کے بعد مسٹر بال کرشن صاحب ایم۔ اے پرنسپل جے رام کالج کولمبو نے "ہندوؤں کے زوال کی خوفناک رفتار" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ جسکو ذیل میں

ملخصاً درج کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ بتلاتے ہیں کہ جہاں ہندو مسلسل طور پر کم ہو رہے ہیں وہاں مسلمان اور عیسائی کس شرح سے بڑھ رہے ہیں۔ اور وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر ہندو تنزل کی یہی رفتار رہی تو پنجاب میں (۱۱۸) سال کے بعد اور تمام ہندوستان میں (۴۶۰) سال کے بعد کوئی ہندو باقی نہ رہیگا۔ وہ لکھتے ہیں:-

میرے ہندو بھائی کنبھ کرن کی نیند سوئے ہوئے ہیں وہ اپنے زوال کو روکنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کر رہے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پچھلے دس سالوں میں حرکت اور زندگی کی کچھ کچھ نشانیاں نظر آتی ہیں۔ مگر چوبیس کروڑ ہندوؤں کو حرکت دینا آسان کام نہیں۔ ان کو جگانے کے لئے بہت زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ہر ایک ہندو کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ سال بسال ہندو ہندوستان میں کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مسلمان اور عیسائی بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ جو بات کہ مسلمان بادشاہ اسلامی سلطنت کے ہوتے ہوئے بھی نہیں کر سکتے تھے وہ اسلامی راج کے نہ ہوتے ہوئے بھی پوری ہو رہی ہے۔ ہر روز ہندو دھرم کو عورت و مرد چھوڑ کر مسلمان یا عیسائی ہو رہے ہیں۔ مسلمان تو دینے کی بجائے لے ہی رہے ہیں اس صورت میں ہندوؤں کا زوال اور مسلمانوں کا عروج کیوں نہ ہو۔ ذرا اعداد ذیل دیکھئے:-

تین مذہبوں کا مقابلہ

دھرم	سنہ ۱۸۸۱ء	سنہ ۱۸۹۱ء	فی صدی اضافہ
ہندو	۱۸۹۶۳۷۴۵	۲۰۷۷۳۱۷۲۷	۱۰٫۵
مسلمان	۵۰۷۲۱۵۸۵	۵۷۳۲۱۱۹۵	۱۴٫۴
عیسائی	۱۸۶۲۶۳۴	۲۲۸۴۳۸۰	۲۲٫۴

اس حساب سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ دس سالوں کے اندر ہندو ایک سو سے ایک سو دس ہو گئے۔ مسلمان ۱۱۴٫۴ ہوئے مگر عیسائی ۱۲۲٫۴ ہو گئے۔ دھرم کی دوڑ میں ہندو سب سے پیچھے رہے اور عیسائی سب سے آگے ہو گئے۔ مگر اگلے دس سالوں میں ہندوؤں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں اور مسلمان و عیسائی خوب بڑھ گئے دیکھو:-

دھرم	سنہ ۱۸۹۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء	فیصدی اضافہ
ہندو	۲۰٫۷ کروڑ	۲۰٫۷ کروڑ	
مسلمان	۵٫۷ ″	۶٫۲ ″	۸٫۵
عیسائی	۲۲٫۸ لاکھ	۲۹٫۲ لاکھ	۲۷٫۹

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں ۱۰۰ عیسائی دس سالوں میں ۱۵۲ ہو گئے اور مسلمان ۱۰۰ سے ۱۰۹ ہو گئے ہندوؤں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ وہ ساکن اور بے حرکت ہی رہے۔ وہ جہاں تھے وہیں رہے، مگر دوسرے دہرم والے بازی لے گئے۔ اگلے دس سالوں میں بھی ہندو پیچھے رہ جاتے ہیں۔ دیکھئے:۔

دہرم	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۱۱ء	فیصدی اضافہ
ہندو	۷ ، ۲۰ کروڑ	۷ ، ۲۱	۵
مسلمان	۲ ، ۶ ،،	۶ ، ۶	۵ ، ۶
عیسائی	۲ ، ۲۹ لاکھ	۷ ، ۳۸	۶ ، ۳۲

یعنی ایک سو عیسائیوں کی جگہ پر ۱۳۲ عیسائی دس سالوں میں ہو گئے، مسلمان بھی ۱۰۶ سے زیادہ ہوئے مگر ایک سو ہندو صرف ۱۰۵ ہوئے۔ مگر یہ تھوڑی سی ترقی اگلے دس سالوں میں رُک جاتی ہے۔ ہندو بڑھنے کی بجائے گھٹ جاتے ہیں اور دوسرے دہرموں والے خوب ترقی کرتے ہیں۔ مثلاً

دہرم	سنہ ۱۹۱۱ء	سنہ ۱۹۲۱ء	فیصدی اضافہ
ہندو	۷ ، ۲۱ کروڑ	۶ ، ۲۱ کروڑ	۵ ،
مسلمان	۶ ، ۶ ،،	۸ ، ۶ ،،	۱ ، ۵
عیسائی	۷ ، ۳۸ لاکھ	۵ ، ۴۷ ،،	۵ ، ۹۲

اب صاف طور پر عیاں ہو گیا ہو گا کہ عیسائی اور مسلمان لوگ برابر بڑھتے گئے ہیں مگر ہندوؤں میں کلّی زوال ہوا ہے اور جو اضافہ ہوا بھی ہے وہ دوسری جاتیوں سے کم ہوا ہے۔ ان چالیس سالوں کا حساب دیکھنے سے سب کی آنکھیں کھل سکتی ہیں۔

دہرم	سنہ ۱۸۸۱ء	سے سنہ ۱۹۲۱ء تک اضافہ فیصدی
ہندو	۸۲ ، ۲ کروڑ	۱۵
مسلمان	۸۲ ، ۱ ،،	۳۷
عیسائی	۲۹ لاکھ	۱۵۵

چالیس سالوں میں ہندو دہرم میں لوگ ایک سو سے ایک سو پندرہ ہوئے مگر مسلمان ۱۳۷ اور عیسائی ۲۵۵ ہو گئے دہرم کی دوڑ میں ہندو بہت پیچھے رہ گئے اسکے نتائج خطرناک ہیں۔ کیونکہ اس رفتار سے اگر ہندو دہرم میں

زوال ہوتا گیا تو کوئی دن ایسا آئیگا کہ اس ہندوستان میں ہندوؤں کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ ذیل میں فی سیکڑہ تعداد ان تین دھرم والوں کی دکھائی جاتی ہے اور جو ترقی یا کمی فیصدی ان میں ہوئی ہے وہ بھی درج ہے۔

دھرم	سنہ ۱۸۸۱ء	سنہ ۱۹۲۱ء	تبدیلی فیصدی
ہندو	۷۴٫۳	۶۸٫۴	۷٫۵ کمی
مسلمان	۱۹٫۷	۲۱٫۷	۱۲ اضافہ
عیسائی	٫۷	۱٫۵	۱۸ اضافہ

اس فہرست سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جہاں ۱۸۸۱ء میں ہندوستان کی ساری آبادی میں سے ہندو ۷۴ فیصدی تھے چالیس سالوں میں ۶۸ فیصدی رہ گئے۔ یعنی لگ بھگ ۶ کی کمی ہوئی۔ دوسری طرف جہاں مسلمان ۲۰ فیصدی تھے وہ ۲۲ فیصدی ہوگئے۔ عیسائی بھی ایک فیصدی بڑھ گئے۔ اگر اس تعداد سے ہندو گھٹتے رہے تو حساب صاف ہے اور نتیجہ بھی سب پر عیاں ہے۔ کہ ۴۲۰ سالوں میں سارے ہندوستان میں کوئی ہندو نہیں رہیگا۔ ہندوستان مسلم ستھان اور عیسائی ستھان بنجائیگا۔ آریہ ورت میں انار یہ دھرموں کا راجیہ ہوگا۔ رام کرشن۔ بدھ گوتم۔ شنکر کناد کے نام لیوا اور پانی دیوا مر چکے ہوں گے۔ ویدک دھرم کا نام و نشان آریہ فلسفہ ہندو تہذیب۔ ہندو دھرم شاستر ملیا میٹ ہوچکا ہوگا۔ ہندوستان کی وہی حالت ہوگی جو مصر ایران جاوا۔ بالی۔ بورنیو وغیرہ ملکوں کی ہوچکی ہے۔

(چالیس سالوں میں ترقی دھرم)

صوبہ	ہندو	مسلمان	فیصدی بڑھے
پنجاب	۱٫	۲۹	〃
یو۔ پی	۲٫۴	۹	〃
مدراس	۱۸	۳۱٫۵	〃
سی۔ پی۔ برار	۱۷	۲۱٫۵	〃
بنگال	۱۷٫۹	۴۱	〃
آسام	۳۴٫۱	۹۷٫۱	〃

اس فہرست کا ذرا ملاحظہ فرمائیے اور پورے طور پر اسکے نتیجہ کی کھوج کیجئے تو رونگٹے کھڑے ہوں گے۔

مسلمان کیوں اور کتنے بڑھ رہے ہیں

ڈاکٹر مونجے و اشاعت اسلام

مولانا محمد علی مرحوم نے جو نیشنل کانگریس کے ایک سال صدر بھی تھے کلکتہ خلافت کانفرنس ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر مونجے کی ایک تقریر کا اقتباس پڑھا جو پٹنہ کی ہندو سبھا میں صدر کی طرف سے دی جانے والی تھی۔ لیکن چونکہ تقریر لغویت سے پُر ہے اس لئے بعض ہندوؤں نے انہیں پڑھنے سے باز رکھا۔ فاضل مقرر نے اس کے بعض فقرے پڑھ کر سنائے۔ آپ نے فرمایا۔ "سر اسٹینلے جیکسن اس فقرے کو غور سے سُن لیں۔ جنہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ شیولنگم کو پھر اپنی جگہ پر نصب کر دیا اور ساتھ ہی یہاں رپورٹ لینے والے کراماً کاتبین بھی اس فقرے پر توجہ فرمائیں۔ حاضرین سے مخاطب ہو کر آپ نے کہا کہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ حلق صرف میرا ہے۔ لیکن آواز ڈاکٹر مونجے کی سنا رہا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

سندھ ۔ ملابار ۔ پنجاب ۔ یوپی ۔ افغانستان وغیرہ میں ہندوؤں کی آبادی صرف پچاس سال پہلے مسلمانوں کے مقابلہ میں ۷۰ فیصدی تھی۔ لیکن آجکل ۵۵ فیصدی مسلمان ہیں اور ۴۵ فیصدی ہندو رہ گئے ہیں۔ اسی طرح مشرقی بنگال کے اکثر دیہاتوں میں آجکل ہندو دس فیصدی سے زیادہ نہیں ہیں۔ افسوس کہ بنگال اب ہندوؤں کا صوبہ نہیں رہا۔ بلکہ مسلمانوں کا ہو گیا ہے۔ میں یہ خیال کرتے ہوئے لرزتا ہوں کہ پچاس سال بعد ہندوؤں کا کیا حشر ہوگا۔ خطرہ ہے کہ بنگال بھی کشمیر بن جائیگا جہاں کی مسلم آبادی ۹۵ فیصدی ہے"۔

میرا خیال ہے کہ بنگال میں صرف یہیں کے ہندو کافی نہیں ہیں بلکہ باہر کے ہندوؤں کو آکر یہاں ہماری مدد کرنی چاہیئے۔ صرف بم کے گولے کام نہیں آسکتے جو بعض اوقات حکومت کو پریشان کر دیتے ہیں۔ بلکہ اب لاٹھی چلانے کی بھی ضرورت پیدا ہو گئی ہے"۔

مولانا صاحب نے فرمایا کہ ان چند سطروں میں جسقدر جھوٹ اور افترا ہے میں نے کبھی اپنی عمر میں ایسا جھوٹ نہیں پڑھا۔ سر اسٹینلے کے پاس اگر بندوق نہ ہو تو نہیں چاہیئے کہ کرکٹ کا ایک بلا لیکر ضرور ایسے جھوٹے آدمی کا سر پھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں مالوی جی اور ڈاکٹر مونجے سے استفسار کرتا ہوں کہ کیا خود ان کی اس تقریر کے بعد بھی انکو یہ خیال ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ بقول ڈاکٹر مونجے کے گذشتہ پچاس سال کے اندر ہندوؤں کی آبادی میں ۲۵-۳۰ فیصدی کی جو کمی ہوئی ہے اس زمانہ میں مسلمانوں کے پاس یقیناً تلوار نہ تھی تو بتائیں کہ

آخر کونسی چیز نے مسلمانوں کی آبادی کو بڑھایا اور ہندوؤں کی آبادی کم کردی؟ یہ صرف اسلام کی روحانی تعلیم کا اثر ہے۔ اور کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہندو کبھی ترقی نہیں کرسکتے جو خود اپنی قوم کے ہندوؤں سے چھوت کرتے ہیں۔ جو قوم دوسرے ہندو کے ہاتھ کا پکا ہوا بھی نہ کھا سکے۔ وہ کس طرح مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے دھرم کی اشاعت اور اپنی قوم کی ترقی کا خیال ذہن میں پیدا کرسکتا ہے۔

کیا دس لاکھ نومسلم تلوار کے زور سے بنے ہیں

لالہ ہنسراج صاحب جو آریہ سماج کے مہاتما ہیں۔ مگر ۹ جنوری کو لاہور میں ایک شردھانند منا تے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مردم شماری میں دس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد دس لاکھ اور عیسائیوں کی تعداد ایک لاکھ بڑھ گئی اور ہندوؤں کی تعداد ۷ لاکھ کم ہوگئی"۔ اور یہ ایسا اعتراف ہے جو برادران وطن کے متعصب طبقہ کے بہت سے اعتراضات کا جواب ہوگا۔ مردم شماری کے گذشتہ دس سال میں مسلمانوں کی بے حسی اور جمود ناداری و مفلسی بے نظمی اور انتشار تبلیغی مجالس کی عدم موجودگی اور تحریک اشاعت کی بجائے ہر دلعزیزی سیاسی مصائب کے نزول اور مسلمانوں کی عام پریشانی کو مدنظر رکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان دس لاکھ نفوس کا حلقہ بگوش اسلام ہونا مسلمانوں کی کوششوں سے قطعاً بے نیاز ہے۔ اور یہ محض اسلام کی بے پناہ صداقت تھی جو اسقدر کثیر آبادی کے دلوں میں گھر کر گئی۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ عیسائی مذہب باوجود حکومت کی زوردار سرپرستی اور حسین و جمیل امداد کے صرف ایک لاکھ نفوس پر قبضہ کرسکا۔ اسکے خلاف ہندو مذہب کو ۷ لاکھ کا نقصان ہوا۔ کیا ان تمام واقعات سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ جس طرح اسلام ان دس سال میں ایک لاکھ فی سال کی شرح سے زور، زر، زن اور زمین کی امداد کے بغیر پھیلا۔ اسی طرح اسلام مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی پھیلا ہو تو کیا تعجب ہے۔ تلوار سے اسلام پھیلانے کے تمام قصے افسانے ہیں۔

اس حقیقت کی توضیح مہاتما جی کے ایک دوسرے ارشاد سے ہوتی ہے۔ "یعنی مرادآباد کے [illegible] اسلئے مسلمان ہوئے کہ ہندوؤں نے انہیں پانی بھرنے کی اجازت نہ دی۔ اسلام کا اصول مساوات [illegible] عقیدہ اخوت اس کی بے مثال صداقت کے ساتھ ملکر اقوام اور آبادیوں کو بے ہوش [illegible] تمام تسخیر کرلیتا ہے۔ آریہ سماج اسلام کے اصول کو برتنا تو چاہتی ہے۔ لیکن اسکی فطری تنگ نظری اور بت پرستی [illegible] اسے کامیاب نہیں ہونے دیتی۔

اورنگ زیب کا کچا چٹھا

آج اخبار وکیل ۱۵ دسمبر ہمارے سامنے ہے۔ آریہ لیڈر لالہ ہنسراج جی کا ذکر

پڑھا اور "دنیا کا عالمگیر مذہب" نوشتہ جناب مولوی الف دین صاحب وکیل بھی دیکھا ہے۔ لالہ صاحب اپنی قوم یا مذہب کی بہتری کے واسطے جو کچھ کہیں اور کریں اس میں کسی غیر مذہب والے کو اعتراض کی وجہ نہیں ہو سکتی۔ مگر کسی دوسرے مذہب کے بزرگ کو الزام دینا اور خلاف واقعات بیان کرنا یہ لالہ صاحب کو اور آریہ قوم کو ہی زیبا ہے۔

لیکن جائے شکر ہے کہ اب انکی زبان مبارک سے شاہنشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا پیچھا چھوٹا۔ اور بجائے عالمگیر کے اب سکندر حکمران کشمیر کی شامت آئی۔ بقول لالہ صاحب حکمران موصوف نے کشمیر کے ہندوؤں کو بوروں اور کمبلوں میں باندھ کر دریا برد کیا۔ اب ہم کو لالہ صاحب سے دریافت کرنا ہے کہ آجکل نہ تو اورنگ زیب کی حکومت ہے اور نہ سکندر حکمران کشمیر کی بادشاہی ہے۔ اب تو برٹش گورنمنٹ کی حکومت ہے جس کا پختہ اصول ہے کہ وہ کسی فرقہ رعایا کے مذہب میں دست اندازی نہ ہوگی۔ تو پھر عرصہ گذشتہ دس سالہ میں چالیس ہزار ہندو کو مسلمان کس نے کیا۔ کیا اورنگ زیب نے قبر سے تلوار چلائی یا سکندر نے۔ اور ایک لاکھ بیس ہزار ہندو نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ وہ دن دور نہیں گیا جبکہ آریہ ڈپوٹیشن اظہار وفاداری کے لئے گورنمنٹ پنجاب کے دربار میں حاضر ہوا تھا تو سر ڈینس فٹز پیٹرک گورنر بہادر نے صاف صاف بول دیا تھا کہ حکام اضلاع کی رپورٹوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں جہاں آریہ سماجیں ہیں وہاں ان کے برخلاف شکایتیں پائی جاتی ہیں۔ اور حکومت نے یہ بھی سچ سچ اراکین ڈپوٹیشن کو کہا تھا کہ تم لوگ جو بولتے ہو کر کے نہیں دکھلاتے۔ ہم کو وہ بھی یاد ہے کہ جب گورنمنٹ نے آریہ لیڈر لالہ لاجپت رائے کو جلاوطن کر کے مانڈلے میں قید رکھا تو آریہ پارٹی نے انکے آریہ ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر یہ سچ تھا تو وہ رہا ہونے کے بعد آریہ پارٹی کے لیڈر کیوں رہے۔

اسلام کی کشش

جناب رامانند چٹرجی ایڈیٹر ماڈرن ریویو سنہ ۱۹۲۹ء میں فرماتے ہیں کہ "سنہ ۱۹۱۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۱ء تک صرف پنجاب میں چالیس ہزار ہندو مسلمان ہو گئے اور مغربی بنگال میں ہندو کی تعداد میں ۲۵ فیصدی کمی ہو گئی" کیا جناب چٹرجی ہمیں بتائیں گے کہ دس سال کے قلیل عرصہ میں اکٹھے چالیس ہزار ہندوؤں کا حلقۂ اسلام میں داخل ہونا کس اورنگزیبی شمشیر کا رہین منت ہے؟ یا یہ اسلام کی خوبیوں کا اثر۔ ظلم اور جبر سے کبھی وہ کشش پیدا نہیں ہو سکتی جو اسلام خود بخود پیدا کرتا ہے۔

ہندوؤں کا مسلمان ہونا جبریہ نہ تھا۔ بلکہ ہندو جاتی کے معاشرتی نقائص کا نتیجہ تھا

مسٹر گوبند رام کھنہ ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہندو اہل قلم لالہ لاجپت رائے کے انگریزی اخبار "پیپل" مورخہ ۸۔ اگست سنہ ۱۹۳۰ء ایک مضمون کے دوران میں ہندو جاتی

کے معاشرتی نقائص اور کمزوریوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندوستان میں مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ :-

"یہ خیال کرنا غلط ہے کہ لاکھوں ہندوؤں کا اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مذہب اسلام اختیار کرنا تمامتر مسلمان حکمرانوں اور مسلمان حملہ آوروں کے جبر و تشدد کا نتیجہ تھا۔ مسلمان حملہ آوروں میں تبلیغ مذہب کا جوش ضرور تھا۔ اور انہوں نے بڑی تعداد جبراً مسلمان کی۔ لیکن گذشتہ آٹھ صدیوں میں لوگوں نے جو تبدیل مذہب کیا ہے ان سب کو محض جبر کا نتیجہ وسبب نہیں کہا جا سکتا۔ مسلمانوں کے سیاسی غلبہ و اقتدار کا تو سلطنت مغلیہ کی بربادی وتباہی پر عملاً خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور دکن و ممالک متوسط میں اور پنجاب میں سکھوں کو تفوق حاصل تھی لیکن باایں ہمہ تبدیل مذہب کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ یہ اگرچہ ناگوار اور دل آزار تو ضرور ہے مگر اس تلخ صداقت کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ ہندوؤں کا مذہب آبائی چھوڑ کر ایک مسلسل سرچشمہ کی حیثیت میں مذہب اسلام میں داخل ہونا۔ اسکا سبب خود ہندوؤں کے نظام معاشرت کی فرسودگی اور مذہب اسلام کی قوت جذب و قبول رہا ہے۔ ہمیں اس مروجہ خیال سے اپنے دل کو تسلی نہیں دینا چاہیئے کہ ہندوؤں کا مذہب اسلام اختیار کرنا جبر اور تشدد کا نتیجہ تھا۔ خود بینی انسان کا سب سے مہلک دشمن ہے۔ میرے خیال میں بیوگی کی زندگی کا جبریہ رہنا۔ ہندوؤں کے مختلف طبقات میں معاشرتی مساوات کا نہ ہونا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو ہم نیچ ذات کے نام سے موسوم کرنا پسند کرتے ہیں قریب قریب جانوروں کا سا اور وحشیانہ برتاؤ کرنا۔ ان سب باتوں نے لاکھوں ہندوؤں کو اسلام کے حلقہ میں داخل کر دیا۔ اور تاوقتیکہ حالات میں پوری تبدیلی نہ ہو جائے مستقبل قریب میں اس تبدیلی مذہب کے بجائے گھٹنے کے اور زیادہ بڑھنے کا امکان ہے"۔

ہندوؤں کی تنگ نظری اچھوتوں سے

۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء کے ہمدرد میں مولانا محمد علی لکھتے ہیں "یقیناً ہندو جاتی سارے عالم میں اپنی تنگ نظری میں نمایاں ہے۔ دنیا بھر میں کسی ملت نے اس تنگ نظری کا ثبوت نہیں دیا کہ خود اپنے ہی افراد کو اچھوت سمجھا ہو۔ صدیوں سے سب ہندو نہ ایک دوسرے کو بیٹی دے سکتے ہیں نہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھا سکتے ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ سب ہندو ایک مندر تک میں یکجا نہیں ہو سکتے۔ نہ سب جگہ عام کے لئے سڑکیں ہی کھلی ہوتی ہیں۔ جو جاتی اس درجہ خود غرضی کا شکار ہو اس پر دوسری ملتیں کس طرح اعتبار کر سکتی ہیں"۔

کیا مسلمان ہندو بن سکتے ہیں؟

آج سے چند سال پہلے اگر کوئی ایسا خیال ظاہر کرتا کہ تمام ہندوستانی

مسلمانوں کو ہندو بنا کر متحدہ قومیت بنالی جائے تو اسے محض ایک دیوانے کی بڑھ سمجھا جاتا۔ مگر اب ایک مغربی زبانوں اور یونیورسٹیوں کے عالم ہندو مسٹر ہر دیال ایم۔ اے نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ ایک وقت میں وہ انگریزی حکومت کے خلاف باغیانہ خیالات ظاہر کر چکے ہیں۔ اور دوران جنگ میں جرمن فوج اور حکومت کے مشیر و معاون رہ چکے ہیں انکی علمی لیاقت قابل تعریف ہے۔ لیکن عقل میں فتور معلوم ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ گذرا ہے۔ انکا خیال تھا کہ سب مسلمانان ہند ضرور ہندو بن جائیں۔ یا انہیں جبرًا ہندو بنا لیا جائے تاکہ ہندوستان میں سبھی ہندو ہو جائیں۔ مگر آٹھ کروڑ مسلمانوں کا ہندو بن جانا سہل نہیں ہے۔ جبکہ چند سو مسلمانوں کو بھی ہندو حلقہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا البتہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو جوق جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ دراصل ہندو مذہب قدیم سے ہی مشنری مذہب نہیں ہے جیسا کہ پروفیسر میکس مولر جیسے عالم سنسکرت نے تصدیق کیا ہے۔ البتہ اسلام مسیحیت کی طرح ایک مشنری مذہب ہے اور ہمیشہ مردم شماریاں اسکی تصدیق کرتی ہیں۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری نے بھی اسکی تصدیق کی ہے کہ مسلمانان ہندوستان پچھلے دس سال میں قریب ایک کروڑ کے بڑھ گئے ہیں۔ یا یوں کہو کہ پچھلے چالیس سال میں یعنی ۱۸۸۱ء سے ۱۹۲۱ء تک بارہ فیصدی بڑھ گئے۔ اور ہندو اس عرصہ میں ۵.۵ فیصدی کم ہو گئے ہیں۔ اسلئے مسلمانوں کا ہندو بننا ممکن نہیں۔ مگر چونکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان ہندوؤں میں سے ہی نکلے ہیں اسلئے اور ہندوؤں کا مسلمان بنجانا ناممکن نہیں۔ عرب۔ ایران۔ ترکستان اور افغانستان سے تو تھوڑے ہی مسلمان فاتحین کے ساتھ آئے ہوں گے۔ مسلمانوں کی آبادی کئی وجوہات سے متواتر بڑھ رہی ہے جن کا کثرت ازدواج یا گوشت خوری یا مفلسی اور محنت مشقت کی زندگی گذارنے کی وجہ اسکے سبب ہوں۔

آجکل انگریزی حکومت کے زیر سایہ تبدیل مذہب کے لئے کوئی کسی دوسرے فریق پر زور یا زیادتی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایک لحاظ سے بوجہ ہندوؤں کے زیادہ دولتمند تعلیم یافتہ اور بارسوخ ہونے کے حکومت خود ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اسلئے دراصل انگریزی سنگینوں کے ماتحت ہندو ہی حکومت کر رہے ہیں۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کو بزور مسلمان بنا رہے ہیں۔

اگر سارے ہندوستانی مسلمان ہوتے

مسٹر محمد امین (سابق لالہ ساگر چند) بیرسٹر ایٹ لار لاہور نے ہندو اخبارات کے اس سوال پر کہ "آخر مسلمان کیوں شدھی کے خلاف ہیں" نہایت معقول جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس تحریک سے ملک

کے لئے ایک بڑا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ ہندو مذہب میں مسلمانوں کے لئے کوئی جگہ نہیں کیونکہ منوجی مہاراج نے ہندو قوم کو چار ورنوں (ذاتوں) میں تقسیم کر دیا ہے:- (۱) برہمن (۲) کھتری (۳) ویش (۴) شودر۔ اب اگر سات کروڑ مسلمان اپنے نہایت اعلیٰ مذہب کو چھوڑ کر ہندو ہونا بھی چاہیں تو ان کو نہ برہمن اپنی ذات میں ملائیں گے نہ کھتری اور نہ ویش۔ مجبوراً ان کو شودروں میں شامل ہونا پڑے گا۔ چنانچہ مدراس ہائی کورٹ کے فیصلے موجود ہیں کہ اگر کوئی ہندو جو عیسائی ہو گیا ہو۔ دوبارہ ہندوؤں میں واپس آئے تو اُسے شودروں میں شمار کیا جائیگا مسلمان جن کو اسلام میں رہکر آزادی۔ برابری۔ خودداری اور اخوت کی عادت ہو گئی ہے۔ جب وہ ہندو دھرم میں آکر شودر بنیں گے تو قدرتی طور پر اعلیٰ ذاتوں کے ہندو مثلاً برہمن اور ویش اُن پر ظلم کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ کروڑوں نئے شودر تنگ آکر بغاوت کرینگے جس سے تمام ملک میں طوائف الملوکی۔ انارکزم اور بالشوزم پھیل جائیں گی۔ خون کی ندیاں بہیں گی۔ پھر غیر ملک کے لوگوں ہی کو آکر انتظام کرنا پڑے گا اور سوراج کا حصول ہمیشہ کے لئے ناممکن ہو جائیگا۔

بخلاف اسکے اگر تمام ہندو مسلمان ہو جائیں تو صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ قدیمی مسلمان ان تمام نومسلموں سے ویسا ہی محبت و مساوات کا سلوک کریں گے جیسا میرے ساتھ کیا گیا۔ اسلام میں کوئی ذات پات نہیں ہے سب مسلمان برابر اور بھائی بھائی ہیں۔ اسلام بہادری۔ فیاضی۔ اخوت۔ آزادی۔ تہذیب اور ترقی کی تعلیم دیتا ہے۔

انگلستان کا سب سے بڑا فلاسفر فریڈرک ہیریسن لکھتا ہے کہ اگر ہندوستان کے بتیس کروڑ انسان سب کے سب مسلمان ہوتے تو ہرگز کوئی غیر قوم اُن پر حکومت نہ کر سکتی[۱]۔ افغانستان۔ ایران۔ عرب۔ ٹرکی وغیرہ ملکوں کو دیکھو۔ جہاں کے سب لوگ مسلمان ہو گئے تھے کس طرح آزادی کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہو رہے ہیں۔ میں نے اپنے خطبہ صدارت میں جو کراچی "نومسلم کانفرنس" میں پڑھا تھا یہ بات وضاحت کے ساتھ ثابت کر دی تھی کہ اسلام میں تمام مذاہب کی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ دیگر تمام مذاہب کے نقائص سے بری ہے۔ بلکہ اس میں بہت سی ایسی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں جو دیگر مذاہب میں موجود نہیں۔ اور جن کو دیگر مذاہب اب مجبوراً اختیار کرتے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ انکی ترقی کے لئے لازمی ہیں۔

---

[۱] کشمیر کے ایک منصف مزاج پنڈت اعلیٰ افسر نے ایک گفتگو میں اسی طرح راقم سے ذکر کیا کہ جب مسلمان بادشاہوں یا بزرگوں نے کشمیری پنڈتوں کو مسلمان کیا تھا تو ان سے بڑی غلطی ہوئی کہ انہوں نے سب کو مسلمان نہ کر لیا۔ ورنہ آج کشمیر میں کوئی ہندو مسلمان کا بکھیڑا نہ ہوتا اور ہماری ملک میں بڑی آسانی سے ترقی ہو سکتی (مؤلف)۔

میں اس موقعے پر ہائیکورٹ کے ایک تازہ فیصلے کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پچھلے دنوں شدھی کے چند دلدادہ آریوں نے لودھیانہ جاکر کچھ چماروں کو آریہ بنالیا۔ جب وہ چمار ہندوؤں کے کنویں سے پانی پینے لگے تو ہندوؤں نے اُن پر فوجداری دعویٰ دائر کردیا کہ اُن کے پانی لینے سے فساد کا خطرہ ہے۔ دیسی مجسٹریٹ نے جھٹ اُن سے نیک چلنی کی ضمانت لے لی۔ اسپر اُنہوں نے اپیل کی تو دیسی ڈپٹی کمشنر نے اُن شدھی شدہ چماروں کی اپیل خارج کردی۔ مجبوراً بیچاروں نے ہائیکورٹ میں نگرانی کی درخواست دی۔ ہائیکورٹ کے منصف مزاج جج مسٹر سپرلین صاحب نے انکو بری کردیا۔ اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اگر ان غریب شُدّھ چماروں کے پانی لینے سے ہندوؤں کی طرف سے نقضِ امن کا خطرہ ہے تو نیک چلنی کی ضمانت ہندوؤں سے لینی چاہیئے نہ کہ امن پسند چماروں سے۔" اگر آج ملک میں ہندوؤں کا راج ہوتا تو ان چماروں کو شُدھ ہونے کے باوجود بھی انصاف حاصل نہ ہوسکتا۔

مسلمانوں کی اقلیت کا خطرہ

کلکتہ خلافت کانفرنس میں مولانا محمد علی نے ۱۹۲۷ء میں فرمایا مسلمانوں کے اندر بدقسمتی سے ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہوگئی ہے جو مسلمانوں کو ہندوؤں کی اکثریت سے مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ لیکن جو لوگ خواجہ معین الدین چشتی اور محمد بن قاسم کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ دشمنوں کی اکثریت کی پرواہ نہیں کرتے۔

آپ نے کہا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی تگنی اکثریت سے مسلمانوں کی بڑی جماعت ایک حد تک خائف و مرعوب بھی ہوچکی ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان اب بھی اتنے گئے گذرے نہیں ہوگئے کہ انہیں کسی موقع پر اللہ کا کلام سنایا جائے اور سمجھایا جائے تو وہ خاموش بیٹھے رہیں۔ وہ بیدار ہوں گے۔ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور کبھی اگر موقع آجائے تو کثیر التعداد قوم کے مقابلہ میں اپنے آپ کو پیش کرکے یہ ثابت کردیں گے کہ مسلمان اکثریت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اسکے دل میں اللہ کے خوف کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے مرعوب یا خائف ہونے ہی کا نام شرک ہے۔ مثال کے طور پر فاضل مقرر نے جنگ بدر، جنگ اُحد، جنگ حنین اور پھر خواجہ معین الدین چشتی رح اور محمد بن قاسم اور شہاب الدین غوری وغیرہ وغیرہ کے واقعات و حالات سنائے۔

مولانا محمد علی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ انگریزوں کی پالیسی ہمیشہ دو قوموں کو آپس میں لڑاکر اپنا اقتدار قائم کرنا ہے۔ بغیر اسکے انکی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ غالباً مسٹر گلیڈ اسٹون نے ایک مرتبہ

کہا تھا کہ ہماری پالیسی کے لئے آسٹریا کا وجود نہایت ضروری ہے۔ اگر ہمارے مقاصد کی تکمیل کا سبب (آسٹریا کا وجود) نہ ہوتا تو ہمیں اپنی کامیابی کے لئے ایک آسٹریا پیدا کرنا پڑتا۔

آٹھ سو برس کی غلام قوم۔ مولانا نے فرمایا کہ ہندو جو آٹھ سو سال سے مسلمانوں کے تابع رہے ہیں اور اب ایک عرصہ سے انگریزوں کے ماتحت زندگی بسر کر رہے ہیں ان کے بعض افراد میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کر کے کسی طرح ان کو ہمیں ڈالیں گے۔ تو پھر انگریزوں سے سمجھ لیں گے۔ مگر ع "ایں خیال است و محال است و جنوں"۔ اول تو انگریز مسلمانوں کو تباہ نہیں ہونے دیں گے۔ کہ انگریزوں کی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے ہندوؤں مسلمانوں دونوں کا وجود نہایت ضروری ہے۔ بالفرض اگر مسلمان تباہ بھی کر دیئے جائیں تو انگریزوں کو اپنی حکومت کے مضبوط کرنے کے لئے ہندوستان میں ایک دوسرا آسٹریا پیدا کرنا پڑے گا۔ اسلئے ایسے حضرات کو جو ایسے خبط میں مبتلا ہیں اپنے یہ خیالات بدل دینے چاہئیں اور ہنگامہ و فساد کی پالیسی کو صلح و دوستی کے قانون سے بدل دینا چاہیئے۔

ہندوؤں کو تنبیہ۔ بتیا۔ پلاسی۔ پاڑہ اور داناپور وغیرہ میں مسلمانوں پر جو مظالم ہندوؤں نے ڈھائے ہیں۔ اس قسم کے ہنگامہ و فساد کی فضا کو ہندو لیڈروں نے نہ بدل دیا تو وہ یاد رکھیں کہ مسلمان آخر انسان ہیں اور ایک انسان کب تک اس قسم کے مظالم کو سہتا رہے گا۔ وہ یاد رکھیں اور اچھی طرح جان لیں کہ مسلمان اب کی مرتبہ پیٹھ دکھانے والے نہیں۔

باجے اور گائے کا مسئلہ۔ آپ نے فرمایا کہ ایک صحابی جسم میں تیر گڑ جانے کی وجہ سے سخت بیتاب تھے سخت تکلیف میں مبتلا تھے۔ تیر نکالنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اور اس سے تکلیف کی زیادتی کا اندیشہ تھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سجدے میں جانے دو تاکہ اللہ سے متوجہ ہو جاؤں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم نے گائے اور باجے کے دونوں مسئلے منظور کر لئے۔ اور ہندو پریس کو خاص طور پر مخاطب کر کے کہا کہ آپ حضرات [illegible] ہیں اس کا کیا بدلہ دیا؟۔

رسول اکرمؐ کی توہین۔ آگے چل کر مولانا نے فرمایا کہ ہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ ہندوؤں کی طرف سے جو علاوہ ہنگاموں اور فسادات کے علاوہ ہمارے آقائے نامدار سرور دو جہاںؐ کی توہین کی صورت میں۔

مسلمان زنا کرنے کے بعد مسلمان رہ سکتا ہے۔ شراب پینے کے بعد مسلمان رہ سکتا ہے۔ سؤر کا گوشت کھانے کے بعد مسلمان رہ سکتا ہے۔ ان گناہوں کی پاداش اسے بھگتنی پڑتی ہے لیکن دائرہ اسلام سے وہ جدا

نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ چیز جس سے مسلمان، مسلمان باقی نہیں رہ سکتا اس میں اللہ کے رسول کی محبت کا فقدان ہے۔

مولانا نے ہندو پوربی دربانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان بیچاروں کا کوئی قصور نہیں جنکے سامنے کلکتہ آکر مالوی جی نے تقریر کی ہے۔ بلکہ قصور صرف ان کا ہے جو ان لوگوں کو ہنگامہ و فساد کے لئے ابھارتے ہیں۔ اسلئے درحقیقت غنڈے یہ ہندو پوربی دربان نہیں بلکہ بڑے بڑے غنڈے دوسرے ہیں۔

مولانا نے فرمایا کہ فساد کا جواب فساد نہیں ہونا چاہیئے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہندوؤں کے جسقدر بھی مظالم ہیں برداشت کرسکوں گا کروں گا اور مسلمانوں کو بھی یہی ہدایت کروں گا۔

ہندوؤں کی ذات پات کی سختی ہی ہندوستان میں ترقی اسلام کا ایک ذریعہ ہی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ایک برادری قائم کی اور بزرگی و فضیلت کا محور نیکوکاری و صلاح کو قرار دیا اس اعلان کیا یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ہ

جن ارباب فکر نے اسلام کے ہندوستان میں اس سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیل جانے کے اسباب کا کھوج لگایا ہے انکا فیصلہ ہے کہ ان اسباب میں ایک نہایت ہی موثر سبب ہندو یا برہمنی تمدن کی "ذات پات" کی انسانیت کش قیود کے مقابلہ میں اسلام کی انسانیت پرور ہمہ گیر اخوت اور مساوات کی تعلیم تھی۔

اسلامی تمدن ہندو تمدن سے مغلوب ہوگیا۔ مگر واحسرتا کہ ہند کی اس اعجوبہ زار سرزمین نے اس غارتگر اقوام و اکال الامم نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ہمارے تمدن کی امتیازی خصائص مٹانا شروع کردئے۔ اور ہم پر برہمنی تمدن کا رنگ غالب آگیا۔

اسلام کی اشاعت نماز کے اثر سے

سندھ میں ابتداءً میں اسلام کیونکر پھیلا؟ اہل سندھ کو کس چیز نے مسلمان بنایا؟ کیا ہندو قوم تلوار کے خوف سے اپنا آبائی مذہب چھوڑ بیٹھی؟ کیا عرب اتنے سخت گیر تھے کہ نامسلمانوں کو زبردستی مسلمان کرتے تھے؟ ان مسائل کا بہترین جواب وہ عجیب و غریب واقعہ ہے جسکی روایت تاریخ معصومی نے کی ہے۔ فاتحان عرب کا سیلاب فیروزمندی سندھ پر پھیلتے ہے

عساکر اسلامیہ نے ہندوؤں کو گھیر رکھا ہے۔ اس نئے گروہ کی عادات و اطوار اہل سندھ کے لئے سب سے انوکھے ہیں۔ بات بات پر استعجاب کی نظریں پڑتی ہیں اور حیرت کا سرمہ لگائے واپس آتی ہیں۔

ہندوؤں کا فلسفۂ اخلاق نہایت صحیح رمز شناس فطرۃ تھا۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان حملہ آوروں کے خصائص کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ یہ سیوستان (سیومی یا سہی) کا واقعہ ہے جسکا محاصرہ مسلمان کئے ہوئے تھے۔ ہندوؤں نے لشکر اسلام میں اپنے جاسوس بھیجے جو چاروں طرف دریافت حال کے لئے پھر رہے تھے۔ اتنے میں مسلمانوں کی نماز کا وقت آگیا۔ یا تو ہر شخص اپنے اپنے مشاغل میں منہمک تھا یا دفعۃً نعرہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ایسا انقلاب لایا کہ جو مسلمان جہاں تھا اور جس حال میں تھا اس صدائے آسمانی کا جواب دینے کے لئے اپنے اپنے مقام سے دوڑ پڑا۔ نمازیوں نے جلدی جلدی وضو کئے صفیں سیدھی کیں جماعت مستقیم ہوئی۔ سالار لشکر (محمد بن القاسم بن محمد الثقفی) امام بنا۔ اور ساری گردنیں اس معبود برحق کے آگے جھک گئیں۔ جسکے سوا کسی کو وحدہٗ سرفرازی شایاں نہیں۔ یہ خالص ادعائے اسلامی ایسی تھی کہ ہندو جاسوس دنگ دیکھنے اور مرعوب ہو جاتے۔ ان پر حیرت چھا گئی کہ جو قوم ایک مقصد خاص میں اتنا بڑا اتفاق رکھتی ہو۔ ایسی عجیب الکیفیت وحدت قومی کا نمونہ عمل پیش کر سکتی ہو کہ ایک کھڑا ہے تو سب کھڑے ہیں۔ ایک جھکتا ہے تو سب جھک پڑتے ہیں۔ ایک پیشانی خاکسائی کرتا ہے تو سارے کے سارے اپنی پیشانیاں رگڑنے لگتے ہیں۔ ایک بیٹھتا ہے تو سب بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک کا رخ اگر دائیں یا بائیں پھرتا ہے تو سب کے رخ اسی طرف پھر جاتے ہیں۔ جو قوم ایسی تحیر خیز شان اتحاد رکھتی ہو ایک مقصد مخصوص کے حصول میں ایسی وحدانیت افعال و یکسانی احوال پر قادر ہو وہ جو چاہے کر سکتی ہے اور جو آرزو ہو وہ بر لا سکتی ہے ایسی قوم کا مقابلہ عبث و مقاومت بے سود ہے۔ یہ سبق آموز احساس با عبرت اندوزی تھا جسے لئے ہوئے جاسوس اپنی جماعت میں واپس آئے اور ہندوؤں کو سارا حال سنایا۔ [illegible] قوم کو خود بخود اسلام کی [illegible] ہوئی اور ایک ممتاز سربرآوردہ وفد بھیجکر مسلمانوں سے مصالحت کر لی جسکی بدولت ہندو بکثرت مسلمانوں سے واقف ہوتے گئے۔ اسی تناسب سے ان میں اسلام ترقی کرتا گیا۔

اسلام خود بخود کس سرعت سے پھیل رہا ہے	چند سال کا عرصہ گذرا پادری ایزک ٹیلر نے کئی ہزار عیسائی جماعت کے روبرو بمقام لنڈن لکچر دیا تھا جس میں چند معتبر [illegible]

پیش کر کے بتایا تھا کہ افریقہ میں ہمارا مشن اسلام کے لئے راستہ صاف کر رہا ہے۔ ہم لاکھوں روپیہ اور صدہا

جانوں کے صرف سے وحشیوں کو شائستہ بناتے ہیں اور پھر وہ ہزار مزاحمت سے بھی مسلمان ہونے سے نہیں رُکتے ایسا ہی چند سال پہلے چھپا تھا کہ ممالک روس میں اسلام پھیل رہا ہے۔ شہر گنجہ کے کثیر التعداد آرمینی شہروار سا کے ایک لاکھ رومن کیتھولک عیسائی اور مواضع آلا۔ آمنود۔ جابرین کے تین ہزار دو سو اُنہتر باشندے صوبہ توتش کے بانوے خاندان۔ جماعت شہر یون۔ ضلع سنوس کے ۸۰ آدمی صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔ جن بدگو مخالفوں کو عالمگیر کے خلاف مصنوعی داستانوں کے بغیر نہ نیند آتی ہے نہ کھانا ہضم ہوتا ہے۔ انکو یقین کرنا چاہیئے کہ دین اسلام خود عالمگیر ہے۔ اسکی مخالفت کرنا قدرت سے لڑنا ہے۔

حضرت مسیح کی فضیلت اسلام میں کس ذیل میں بیان کیگئی ہے

پیغمبر اسلام سوائے اپنے تمام پیغمبروں کے مداح ہیں

اپیی فینی آکسفورڈ مشن کے عیسائیوں کا ایک مذہبی ہفتہ وار اخبار ہے۔ ۲ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کے پرچہ میں "مسیح بروایات اسلام" ایک دلچسپ مضمون درج ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ قرآن مجید میں مسیح کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر خدا چاہتا کہ مسیح اور ان کی ماں کو اکٹھے تباہ کر دیتا تو اسے کوئی چیز اس سے روکنے والی نہ تھی۔ پھر امام بخاری کے مجموعہ حدیث سے بعض حدیثیں حضرت عیسٰے کی معصومیت کے متعلق نقل کی ہیں۔ علامہ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف میں تولد جدید کا اصول مسیح سے منسوب کیا گیا ہے۔ احیاء العلوم سے ایک دو حوالے حضرت مسیح کے بیان کئے ہیں۔ تاریخ طبری سے مسیح کے آخری کھانے کی رسم کا حوالہ دیا گیا ہے جبکہ مسیح نے اپنے رہ گردوں کے ہاتھ دُھلانے تھے اور ان سے درخواست کی تھی کہ پطرس کے انکار کو ملاحظہ کریں۔ پھر بوستان سعدی۔ نظامی اور مثنوی مولانا روم سے بین صاحب کا ترجمہ درج کیا ہے۔ پھر دیوان شمس تبریز سے ایک شعر نقل کیا ہے۔ بعدہٗ حضرت مسیح کی بے خانمانی کی ایک تمثیل نقل کر کے بتایا ہے کہ حضرت مسیح کا دنیا میں کوئی گھر نہیں تھا۔ پھر فتحپور سیکری کے پل کا ایک کتبہ نقل کیا ہے۔ کہ دنیا ایک پل کی مثال ہے۔ اور پل پر گھر تعمیر کرنا عقلا کا کام نہیں۔ اسکے بعد محسن فانی کی کتاب دبستان۔ ابن مسکویہ کی کتاب جاودان۔ عربی کتاب الاغانی سے حضرت مسیح کے متعلق حکایات و تماثیل نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ قرآن کے بعد ان اسلامی لٹریچر کی کتابوں میں مسیح کی زندگی کے کئی قابل تعریف پہلو دکھلائے گئے ہیں۔ مضمون نگار کا مطلب اس دردسری سے یہ ہے کہ قرآن اور مسلمان

مصنفین نے حضرت عیسٰے کی بے انتہا تعریف کی ہے۔ اور درحقیقت اسلام کی نظر میں حضرت عیسٰے کا بھی عالیشان درجہ ہے۔ ایک دفعہ جناب عباس آفندی سے جو بہائی فرقہ کے امام تھے راقم الحروف کی ملاقات مصر کے شہر بندرعباس میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے امریکہ کے تجربات کے متعلق فرمایا تھا۔ کہ ایک مرتبہ امریکہ کے ایک گرجا میں میں نے عیسائیوں کے سامنے ایک وعظ میں بتلایا تھا کہ اسلام نے حضرت مسیح کی اس سے بہت زیادہ عزت قرآن میں بیان کی ہے جس سے زیادہ عیسائی بائبل میں نہیں بیان کرسکے۔ اور اسلام اس حق گوئی پر نازاں ہے۔

نوع بشر پر اسلام کے انعامات

بھوانی پور برہمو سماج (کلکتہ) کے ایک عظیم الشان جلسہ میں صلاح الدین خدابخش نے فرمایا کہ اسلام نے تہذیب و تمدن کے لئے بہت سے عطیات پیش کئے ہیں، اور زمانہ ماضی کی اسلامی دنیا میں تہذیب و تمدن میں اپنی روشنی دکھائی۔ مذہب اسلام کے جہادیات پر بحث کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اسلام جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں یہودیت و عیسائیت کی ایک اصلاح یافتہ صورت ہے۔ اسلام کے ایک نہایت آزاد خیال خلیفہ ہارون الرشید نے فرمایا ہے کہ اسلام اس فطری نصب العین کو خوشگوار نشو و نما دیتا ہے جس کی تعلیم سے یہودی اور عیسائی دونوں عاری ہیں۔ اور اسلام انسان کی مادی و روحانی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ یہی اسلام کی طاقت اسکی کامیابی کا راز ہے۔ اور اسی بنا پر اس کو آیندہ شاندار عظمت حاصل ہونے کی توقع ہے۔

اسلام میں امن و سلامتی کی تعلیم

علاوہ بریں اسلام ایک انسان کو دوسرے انسان سے تمیز نہیں کرتا بلکہ ان کو مساوی درجہ دیتا ہے۔ نہ اس نے دنیا کو مصفا اور غیر مصفا عنصر میں تقسیم کیا ہے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نیا مذہب لائے وہ نوع بشر میں افتراق پیدا کرنے والا نہیں تھا۔ بلکہ ان کو متحد کرتا ہے۔ اللہ کے نام پر انہوں نے نوع انسانی کو از سر نو حیات کی وعید دی۔ یہ ایک پرامن پیام تھا۔ مذہب کے معاملہ میں اکراہ و جبر نہیں۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ اور اس تعلیم کے متعلق قرآن کی آواز کوئی غیر یقینی آواز نہ تھی۔ اس طرح حضرت سرور کائنات دنیا میں امن لے کر آئے نہ کہ تلوار۔ اور اس طرح سب سے پہلے اسلام نے دنیا کو جو نعمت دی وہ امن تھی۔ جسکو اسلام نے نشو و نما دیا۔ اور اسکا تحفظ کیا۔ یہ عالمگیر پیام امن بغیر غیر متزلزل رواداری اور خیر اندیشی کے حاصل نہیں ہوسکتا تھا تو جذبہ امن۔ رواداری اور خیر اندیشی اسلام کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ اور یہی اسکا ابتدائی و بنیادی انعام ہے۔

حال ہی میں مسٹر کنبھال نے مدراس میں دوران تقریر میں فرمایا کہ "اسلام تمام دنیا کو اخوت کی دعوت دیتا ہے۔ اسلامی تہذیب نہ صرف ان لوگوں کے لئے بہت اہم ہے۔ جو اسلام کے پیرو ہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام کسی فرد واحد یا کسی واحد جماعت کی ترقی کا حامی نہیں بلکہ وہ سارے انسانو کو بلند مرتبہ پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اسلام کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات بنائے۔ اور یہی وہ چیز تھی جس سے مسلمانوں کو ابتدا میں کامیابی ہوئی کہ جس سے دنیا متحیر ہو گئی۔

اسلامی سکہ پر گائے کا بت ہندو تالیف قلوب کے لئے

شیخ عبدالحکیم صاحب صدر جمعیۃ القریش نے الٰہ آباد میں جماعت قریش کے عربی النسل ہونے پر ۲۴۔ مئی ۱۹۳۰ء کو فرمایا:۔

آپ کی جمعیت بسرکردگی ابوالقاسم راجہ داہر والی سندھ سے اپنے بیڑے کی تباہی کا انتقام لینے کے لئے جانب ہند جھکی۔ حضرت ابوالقاسم تو بعد فتح کھال میں بند ہو کر بحضور خلیفہ وقت واپس بسوئے وطن بلائے گئے[1] اور جمعیت یہاں رہ پڑی۔ یہاں اہل قریش نے دیکھا کہ یہ ملک سراسر بتکدہ ہے تو شروع شروع میں تالیف قلوب سے کام لے کر اشاعت کا کام نکالتے رہے۔ چنانچہ ابتدائے حکومت میں سب سے پہلے سکہ رائج الوقت کا سوال آیا۔ ہندوؤں نے اصرار کیا کہ گائے اسکا مظہر ہے اور قابل پرستش جانور اور مظہر شان اللہ ہے وہ کسی سکے کو منظور نہیں کر سکتے جب تک اس پر گائے کی تصویر نہ ہو۔

حضرات! آپ کے مجاہد بزرگ برعایت تالیف القلوب مان گئے کہ وہ ایسا سکہ چلا دیتے ہیں۔ جس پر ایک جانب گائے کی تصویر ہو اور ایک جانب کھجور کے درخت کی تصویر ہو۔ کہ اسلامی نشان ہے چنانچہ یہ سکے ابھی تک عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مگر جب قریش نے دیکھا کہ تالیف قلوب سے کام نہیں نکلتا۔ اور اسلام کی اشاعت میں انکی مصلحت وقت آڑے آرہی ہے اور معلوم کیا کہ ہندوستان کا سب سے بڑا بت گائے ہے کہ ہزاروں ہندوؤں میں لاکھوں کی تعداد میں زندہ اور مجسّم صورتوں میں پوجا جا رہا ہے اور اسکی پرستش رکنے میں نہیں آتی۔ اور توحید کی اشاعت میں مانع ہے تو پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہکر توحید کی چھری اس بت کی گردن پر رکھدی گئی سمت موسوی قرآن کریم اور محمد اعظم کا حکم آپ کی تائید پر موجود تھا پھر اس بت شکنی کو روکنے والا کون تھا۔

---

[1] اب تو ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بالکل ایک تاریخی غلطی ہے۔ ہرگز جناب قاسم کو ہندوستان سے کھال میں سی کر نہیں بھیجا گیا کسی دوسری جگہ اسکی زیادہ تفصیل درج ہے۔

آزادی

اغیار کو عقائد اسلام پر بیباکی سے نکتہ چینی کی اجازت

اسلامی آزاد خیالی اور رواداری کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ اسلام کے نہایت طاقت اور جبروت کے زمانہ میں اپنے مخالف مذاہب کے لوگوں کو عام اجازت دیدی تھی کہ وہ اس پر جس طرح بے باکی سے چاہیں اعتراض اور حملے کریں۔ علامہ شبلی نعمانی مسلمانوں کے علم کلام کی پیدائیش کے اسباب کی وجہ یوں بتلاتے ہیں:

دولت عباسیہ میں جب یونان کے علمی ذخیرے عربی زبان میں آئے اور تمام قوموں کو مذہبی مباحثات ومناظرات میں عام آزادی دیگئی تو اسلام کو ایک بڑے خطرہ کا سامنا پیش آیا۔ پارسی۔ عیسائی۔ یہودی۔ زنادقہ ہر طرف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فتوحات اسلام کے آغاز میں انکو جو صدمہ اسلام کی تلوار سے پہنچ چکا تھا اسکا انتقام قلم سے لینا چاہا۔ عقائد ومسائل اسلام پر اس آزادی اور بے باکی سے نکتہ چینیاں کیں کہ ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے اعتقادات متزلزل ہوگئے۔

اس وقت اگرچہ نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ حکومت کے زور سے نکتہ چینوں کی زبانیں بند کردیجائیں لیکن مسلمانوں کی آزادخیالی نے اس ذلت کو گوارا نہ کیا کہ قلم کا جواب تلوار سے دیاجائے۔ علمائے اسلام نے نہایت شوق اور محنت سے فلسفہ سیکھا۔ اور جو ہتھیار مخالفین نے اسلام کے مقابلہ میں استعمال کئے تھے انہیں سے اُن کے وار رد کئے۔ انہیں معرکوں کے کارنامے ہیں جو آج علم کلام کے نام سے مشہور ہیں۔

بنگال میں کبھی مسلمان حکومت نے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی

مذہب انکار نہیں کرسکتا کہ سلطنت ہمیشہ مذہب کی سرسبزی اور شادابی کا باعث رہی ہے۔ دنیا کے مذہب کو موجودہ زمانہ میں دیکھ لیجئے۔ ہندو مذہب۔ بدھ مذہب۔ اسلام۔ غرض دنیا کے تمام مذاہب کو فروغ اور رونق سلطنت کی وجہ سے ہوتی رہی ہے۔ اسلام کی اقلیتوں میں اب موجودہ زمانہ میں نجد میں وہابیت اور ایران میں شیعیت کو اسی مسئلہ کی بناپر فروغ حاصل ہوا لیکن بعض مقامات میں یہ نظریہ غلط بھی نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ بنگال کی یہی حالت ہے۔ بنگال تیرھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی نہایت مختصر جماعت نے محمد بن بختیار کی سرکردگی میں فتح کیا تھا۔ اسوقت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط کے وقت تک برابر مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہا۔ اسلئے کہ بنگالیوں میں جنگی قوت کا فقدان مشہور عالم ہے۔ پانچسو برس کے طویل عرصہ میں کبھی ہندوؤں کی طرف سے

اس کو واپس لے لینے کی کوشش تک نہ ہوئی۔ اور دہلی سے فاصلہ کے سبب اکثر وبیشتر بنگال کے گورنر مطلق العنان وخود مختار رہے۔ بنگال کی تاریخ میں کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ یہاں کے مسلمان حاکموں نے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی کوشش کی ہو۔ لیکن اس وقت بنگال کی یہ حالت ہے کہ ہندوؤں کی آبادی ۴۷ فیصدی ہے اور مسلمانوں کی ۵۳ فیصدی۔ کل ہندوستان کی مسلم آبادی کا ۱/۳ سے زائد حصہ صرف بنگال میں آباد ہے۔ یہاں پنجاب سے دو چند۔ اور یو۔پی سے زائد سہ چند مسلمانوں کی تعداد ہے۔ اور اس میں روز بروز حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے۔

سکھ اخبار اسلامی بے تعصبی کا قائل

اسلام صرف ہندوستان میں ہی نہیں دنیا کے اور ملکوں میں بھی ہے۔ ٹرکی میں بھی ہے۔ مصر میں بھی ہے ایران میں ہے۔ افغانستان میں ہے۔ ان ممالک میں سب کے سب مسلمان ہی نہیں رہتے۔ حکومتیں اسلامی ہیں مگر ان میں دیگر مذاہب کے آخر اور بھی بستے ہیں۔ مگر ان اسلامی حکومتوں کی طرف سے ان غیر مسلموں کو اپنے فرائض مذہبی ادا کرنے کی پوری اور کھلی اجازت ہے۔ تاریخ اسلام میں بے شمار ایسی مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دمشق اور یروشلم میں بعض حالات کے اندر گرجوں کے نصف حصوں کو مسجد میں بدل دیا گیا۔ اور باقی نصف میں عیسائی عبادتگاہیں رہیں۔ صرف مسجد میں نماز ہوتی تھی۔ اور گرجے میں عیسائی گھنٹے بجا کر عبادت کرتے تھے۔ مگر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے کبھی اعتراض نہ کیا تھا۔ افغانستان سے ہمیں آجتک کوئی ایسی خبر موصول نہیں ہوئی کہ وہاں کے مسلمانوں نے شاہ افغانستان سے شکایت کی ہو کہ ہندوؤں کی آرتی جلوس کا باجہ سکھوں کی ڈھولک اور چھینے انکی نماز میں مخل ہوتے ہیں۔

بے شک ان اسلامی ملکوں سے ایسی صدا آجتک بلند نہیں ہوئی۔ اور نہ نفس اسلام کی نظر میں مساجد کے سامنے عام طور پر باجا بجانا منع ہے۔ لیکن جس بات کی مسلمانان ہند کو باجے وغیرہ سے شکایت ہے وہ اسلئے ہے کہ عام ہندو مسلمانوں کو دق کرنے کے لئے اور ان کے اوقات نماز میں مخل ہونے کے لئے بلند اور بنکار باجے بجاتے ہیں۔ جیسے کہ حال میں سر سموئیل ہور وزیر ہند نے کسی ممبر پارلیمنٹ کے جواب میں مارچ ۱۹۳۲ء کو کہا ہے کہ کانگریس کا قومی جھنڈا اسوقت صرف اسوجہ سے گورنمنٹ خلاف قانون قرار دیتی ہے کہ وہ سرکاری ممانعت کی خلاف ورزی میں نمایاں کیا جاتا ہے یعنے سرکار کو چڑایا جاتا ہے ورنہ جھنڈے کی ذات میں تو کوئی عیب نہیں۔

اسلام پر تین اعتراضات کے جوابات

ایک احمدی مبلغ لکھتا ہے کہ دو ماہ میں عاجز نے ہیو پارک سینٹ لی انڈیا نیس سینٹ لی۔ رچمانڈ ہائٹ میں تبلیغ اسلام کے لئے دورے کئے مختلف کالجوں۔ ہالوں اور گرجاؤں میں اسلام پر لیکچر ہوئے۔ لیکچروں کے اختتام پر سامعین کو سوالات و اعتراضات کا موقعہ دیا گیا۔ اور بعض نے اسلام کے متعلق سوال کئے اور انکو تسلی بخش جواب دئے گئے۔ اس ملک میں عام طور پر اسلام کے خلاف تین اعتراض ہوتے ہیں۔

اوّل۔ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ دوم اسلام تعدد ازدواج کی تعلیم دیتا ہے۔ سوم اسلام غلامی کا حامی ہے۔ یہ ایسے اعتراضات ہیں کہ ان کی رو میں کئی مضامین اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن چونکہ پادریوں کا پراپاگنڈہ بہت پرانا اور زبردست ہے اور ہمارے ذرائع بہت محدود ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے دلوں سے غلط فہمیاں نکالنا کافی وقت اور ذرائع چاہتا ہے۔ ان ممالک میں تینوں اعتراضات کا (جو اوپر بیان ہو چکے ہیں) جواب دینا بہت آسان ہے۔ اگر اسلام زمانہ ماضی میں تلوار کے ذریعہ پھیلا تو اس وقت جبکہ اسلامی طاقتیں بالکل شکست ہو چکی ہیں اور ان کے پاس کوئی سیاسی و تمدنی ذرائع نہیں رہے تو اسلام کیوں یورپ۔ امریکہ اور ایشیا و افریقہ میں پھیل رہا ہے۔ حالانکہ مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں ہیں۔ تلوار ان کے پاس نہیں ہے۔ مگر پھر بھی اسلام ہر لمحہ اقوام و مذاہب کو اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔ اس دلیل سے کم از کم یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ سچائی اور کامل تعلیم کی وجہ سے پھیلا ہے۔

اگر اسلام غلامی کا حامی ہوتا تو ضرور تھا کہ ایسی تعلیم اسلامی نوشتوں میں پائی جاتی۔ و نیز اسلامی ممالک میں اس تعلیم پر عمل کے آثار ظاہر ہوتے۔ مگر یہ دونوں باتیں نابود ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے غلاموں کو آزادی اور برابری کے حقوق دلوائے۔

ترقی اسلام کے بعض اسباب

اسلام نے رنگ یا قوم یا شرافت کو معیار عزت قرار نہیں دیا ہے

آج ہندوستان میں عام شکایت ہے کہ ایک ادنی درجہ کا انگریز اعلیٰ درجہ کے شریف ہندوستانی سے بوجہ گورا ہونے کے معزز سمجھا جاتا ہے۔ اضلاع متحدہ امریکہ میں شور ہے کہ گورے امریکن سیاہ رنگ کے حبشی امریکنوں سے دشمنوں کی طرح سلوک کرتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ قومی تعصب

کی تہ میں یہی خیال متمکن ہوتا ہے کہ ہم یا ہماری قوم فلاں شخص یا اسکی قوم سے شریف یا زیادہ مہذب یا اعلیٰ پایہ کے ہیں مگر اسلام نے اس قسم کے تعصب کی جڑ کو بھی کاٹ دیا ہے۔ اور ادنیٰ یا اعلیٰ۔ کالے یا گورے۔ رذیل یا شریف میں کوئی فرق نہیں رہنے دیا۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ غریب اور مفلس لوگ رہتے تھے۔ چنانچہ مدینہ میں مسجد نبوی میں آپ کی صحبت سے فیض اٹھانے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے جنہیں اصحاب صفہ کہتے ہیں۔ یہ ایسے مفلس تھے کہ ان میں سے اکثر کے پاس ستر ڈھانپنے کے لئے صرف ایک چادر ہوتی تھی۔ اور نماز پڑھنے کے لئے اگر اس سے ستر ڈھانپتے تھے تو اوپر کا بدن اور سر ننگا ہو جاتا تھا۔ اور اگر سر ڈھانپتے تھے تو ستر ڈھانپنا مشکل ہو جاتا تھا۔ حالانکہ یہ اصحاب صفہ بڑے مقرب صحابی اور شمع نبوت کے پروانے تھے۔ جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر شب و روز اسی صحن مسجد میں جمع رہتے تھے۔ لیکن جہاں غریبی امیری اور شرافت و رذالت کا کچھ فرق نہیں تھا۔ کالے گورے کا بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔ قرآن شریف میں صرف ایک گر اس امتیاز مدارج کا قلع قمع کرنے کو بتا دیا گیا تھا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی تم لوگوں میں اللہ کی نظر میں سب سے باعزت اور شریف وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور نیک ہے۔ اگر کوئی سید یا خاندانی امیر نیک نہیں ہے مگر ایک بھنگی جو آج ہی مسلمان ہوا ہے اللہ کی نظر میں نیک اور پرہیزگار ہے تو وہ اس سید یا امیر ابن امیر سے زیادہ قابل عزت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہ جن سے غالباً حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بعد سب سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں ایک نہایت مفلس شخص تھے کہ گھر گھاٹ اور روٹی کپڑے کا ٹھکانا نہ تھا۔ مگر اعلیٰ پایہ کے صحابی اور دیندار تھے۔ اور حضرت بلالؓ جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ حبشی غلام تھے۔ مگر اسلام میں انکا درجہ بڑا اعلےٰ ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حکایت اس مطلب کی توضیح کر دے گی۔

حضرت بلالؓ کا حضرت عمرؓ کو جوتے کی نوک سے اٹھانا

ایک روز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کرام حاضر تھے کہ جن میں حضرت بلالؓ مؤذن مسجد نبوی بھی موجود تھے۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا کہ اے بلال تم سیاہ رنگ غلام ہو۔ یہ سنتے ہی حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چیں بجبیں ہو کر ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ ابھی تمہارے مزاج میں جہالت کی بو باقی ہے یہ سنتے ہی حضرت عمر حضرت بلال کے قدموں پر گر پڑے اور کہا کہ مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی۔ جب تک تم مجھ کو جوتے کی نوک سے نہ اٹھاؤ گے میں ہرگز نہیں اٹھوں گا۔

مگر واضح رہے کہ حضرت بلالؓ عرصہ تک حضرت عمرؓ کے غلام رہ چکے تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے انہیں آزاد کر دیا تھا

اسلئے حضرت بلال شرمندہ ہو کر کہنے لگے کہ یا حضرت عمر میں تو وہی ہوں جو مدت تک آپکا غلام رہا ہوں۔ اور آپ نے ہی مجھے آزاد کیا ہے مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی کہ جوتی کی نوک سے آپ کو اٹھاؤں۔ مگر آپ نے ہرگز پرواہ نہ کی۔ اور جب تک آپ کے آزاد کردہ غلام نے جوتے کی نوک سے نہ اُٹھایا زمین سے سر نہ اُٹھایا پر نہ اُٹھایا کیا اسلام میں کوئی قومی تعصب باقی رہ سکتا ہے۔

حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم
زخاکِ مکہ ابو جہل ایں چہ بو العجبی است

آج امریکہ (اضلاع متحدہ) میں جو دنیا کی سب سے مہذب اور طاقتور سلطنت ہے سب سے بڑا سوشل معمہ یہ بنا ہوا ہے کہ امریکہ کے مغرور گورے لوگ وہاں کے حبشی باشندوں سے حیوانوں کا سا سلوک کرتے ہیں صرف اسلئے کہ انکے رنگ کالے ہیں۔

تمام بنی آدم صرف ایک قوم ہیں

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (بقر ۲۶) سب لوگ یعنے تمام دنیا کی آبادی خواہ کسی غرض بلا کسی دیار کسی قوم کسی رنگ کی ہو۔ ایک ہی قوم یا ایک ہی جماعت تھے۔ اللہ تعالیٰ انکی ہدایت کے لئے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیا بھیجے اور ان کے ذریعہ سچی کتاب بھیجی جس سے ظاہر ہے کہ تمام بنی آدم ایک ہی امت ہے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند   کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

جب کہ تمام نوع انسان ایک ہی گروہ ہیں اور ان سب کی ہدایت کے لئے ڈرانے اور خوشخبری سنانے والے انبیا بھیجے گئے ہیں۔

پھر دوسری جگہ کلام مجید میں ارشاد ہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ تو گویا سبھی مذاہب والوں کے پاس اور ہر قوم میں نبی اور ہدایت کرنے والے بھیجے گئے۔ اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے سچائی اور ہدایت نہ بھیجی ہو۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان دیگر اقوام کو جو مسلمان نہیں ہیں عداوت اور حقارت کی نظر سے دیکھے۔ یہ نفرت اور حقارت کو یک قلم نابود کر دینے والی تعلیم ہے۔ اسلئے مسلمان ہندوؤں اور بدھوں اور مجوسیوں کے مذہبی پیشواؤں یعنے رامچندر جی۔ کرشن جی وغیرہ اور مہاتما بدھ اور پارسیوں کے

بانی مذہب زرتشت کو اُن اقوام کے پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان آیات قرآنی کے مطابق ایسا تسلیم کرنے کے سوائے چارہ نہیں ہے۔ تو پھر مسلمانوں کو تعصب سے کیوں متہم کیا جاتا ہے۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

یعنی لوگوں سے کہدو ہم اللہ کو مانتے ہیں اور جو خدا نے ہمارے (آنحضرتؐ) کی طرف نازل کیا ہے اس کو مانتے ہیں اور اسکو بھی مانتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ پر اسحاقؑ پر اسمٰعیلؑ پر یعقوبؑ پر اور انکی اولاد پر نازل ہوا ہے۔ ہم اسپر بھی ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا ہے۔ ہم تو ان سب چیزوں کو مانتے ہیں جو خدا نے اپنے بھیجے ہوؤں کو دی ہیں۔ ہم تو خدا کے بھیجے ہوؤں میں فرق ہی نہیں کرتے (کیونکہ) ہم خدا کے ماننے والے ہیں۔ (قرآن)

اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہم تو خدا کے بھیجے ہوؤں میں فرق نہیں کرتے اور ہم ان سب چیزوں کو مانتے ہیں جو خدا نے اپنے نبیوں کو دی ہیں۔ کیونکہ ہم خدا کو ماننے والے ہیں۔ دراصل اسلام کی تعلیم میں سب سے بڑی بات خدا کو واحد ماننا ہے۔

سب ایک خدا کے بندے ہیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رب العالمین اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ اور ہم نے تمہیں دنیا جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ربّ العالمین سے مراد بھی تمام مخلوق کا ربّ اور پرورش کنندہ ہے۔ جس میں ہر قوم اور ہر زمانہ اور ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں۔ اور رحمۃ للعالمین میں بھی مسلمانوں یا اور کسی قوم کی کوئی خصوصیت یا کسی قوم کا استثناء مقصود نہیں ہے۔ تو پھر مسلمانوں کو کونسی چیز ہندوؤں یا عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ سے دوستانہ برتاؤ کرنے سے مانع ہو سکتی ہے۔ جبکہ سب کا خالق اور مالک ایک ہی ہے تو وہ کس طرح پسند کر سکتا کہ اسکے بندے آپس میں لڑیں اور فساد کریں۔

اور جبکہ تمام مخلوقِ خدا کا باپ بھی ابوالبشر آدم علیہ السلام ہے تو ایک باپ کی اولاد اور ایک خدا کی مخلوق میں کس لئے دشمنی ہونی چاہیئے۔ البتہ ہمارے مذاہب جدا جدا ہیں تو کیا مذہب ایسی چیز نہیں ہے کہ جس پر ہر گروہ اپنے خدا کو خوش رکھنے کے لئے عمل کرتا ہے تو پھر اسی کی وجہ سے آپس میں لڑ جھگڑ کر خدا کو ناراض

کیوں کریں۔ ع "مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر کرنا"

قرآن شریف میں حضرت آدمؑ کی نسبت فرمایا ہے وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي (اور میں نے اپنی روح آدمؑ میں پھونکی۔ اور وہی روح تمام نسل آدمؑ میں دائر و سائر ہے جو خدائے بزرگ و برتر کی روح ہے۔ تو گویا سب ہندو و مسلمانوں کی روح یکسان ہے۔ تو اس وجہ سے ایک دوسرے کو حقارت اور عداوت سے نہیں بلکہ محبت اور اخلاص سے دیکھنا چاہیئے۔ خصوصًا مسلمان جن کے لیئے یہ احکام نازل ہوئے ہیں وہ ان کی تعمیل پر مجبور ہیں۔

مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ غیر مذہب والوں سے صرف اس وجہ سے مت جھگڑو کہ وہ تمہارے معبود کی نہیں بلکہ کسی اور معبود کی پرستش کرتے ہیں۔ بلکہ بقول عیسٰے بدین خود موسٰی بدین خود تم اپنے دین پر قائم رہو۔ اور دوسروں سے مزاحمت نہ کرو۔ ارشاد ہے۔

دشمن سے بھی بے انصافی نہ کرو لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (مسلمانو! ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر برانگیختہ کرے کہ تم اسکے ساتھ انصاف نہ کرو۔ بلکہ ہر حالت میں تم انصاف کرو۔ کیونکہ انصاف اتقا اور پرہیزگاری کے قریب ہے)

انصاف ہر حالت میں قائم رہنا چاہیئے۔ خواہ فریق ثانی تمہارا دشمن ہو یا کافر ہو یا کچھ بھی ہو۔ تو گویا کافروں اور دشمنوں سے بجائے بے انصافی کرنے کے اُن سے انصاف کی تاکید کی گئی ہے۔ اور انکی جان و مال اور عزت و ناموس کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے۔ اسلام نے اختلاف عقائد پر ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے بے انصافی اور سختی کرنے سے بزور روکا ہے اور لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کا حکم محکم بھیجکر ضمیر کی آزادی میں ذرا مداخلت نہیں کی۔ اس قانون کے زیادہ تر پابند ہونے والوں ہی کی یہ شان تھی۔

کفر و اسلام در رہش پویاں وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ گویاں

اسلام میں سب بانیان مذاہب کے پاس ادب کی ہدایت ہے فرقہ بہائی کے سابق امام عباس آفندی سے بندر سعید (مصر) میں راقم کی کئی دفعہ ملاقات ہوئی اور مذہب کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ ہر چند کہ بہائی اپنے منشا کے مطابق قرآن مجید کی تاویل کرتے ہیں۔ تاہم عام طور پر انکے مذہب کی بنیاد اسلام پر ہی ہے۔ آفندی موصوف نے فرمایا کہ ہم امرِ الٰہیہ میں

بیسیوں عیسائیوں کے گرجاؤں میں جاکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں جو در اصل اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے۔ ہم اُن لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ اسلام سے زیادہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعریف خود عیسائیوں نے بھی نہیں کی جنہوں نے انہیں انسان کے درجہ سے اُٹھا کر خدا بنا دیا۔ جو اس درایت کے زمانہ میں باور کرنا مشکل ہے۔ لیکن اسلام نے انہیں روح اللہ کہا۔ اور اُن کے بلا باپ کے پیدا ہونے کی تائید کی اور انہیں نہایت اُولو العزم اور شاندار پیغمبر تسلیم کیا۔ پھر بھلا مسلمان کبھی عیسائیوں کے پیغمبر یا بانی مذہب یا خدا کو گالی دے سکتے ہیں۔ خواہ عیسائی اسلام کی نسبت کیسے ہی ناشائستہ اور واہی خیالات اور الفاظ استعمال کریں۔

اسی طرح مذکورہ بالا آیت کی تعمیل میں مسلمان ہندوؤں یا دیگر مشرکوں کے معبودوں اور مذہبی پیشواؤں کو بُرا نہیں کہہ سکتے۔ خواہ آریہ سماجی یا دیگر ہندو اسلام کا سب وشتم کرتے رہیں۔ مگر مسلمان اُنکے بزرگوں کو احتراماً سیتاجی اور رامچندر جی اور کرشن جی یہانتک کہ سوامی دیانند وغیرہم کا بھی احترام سے ذکر کرتے ہیں۔ نظیر نے کرشن کنھیا کے بال پن پر کیسی عمدہ تعریفی نظم لکھی ہے۔

اسلام نے کسی فلسفی یا سائنسدان کو زندہ نہیں جلایا

اسلام کی تیرہ چودہ صدیوں کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملیگی جس میں کسی فلسفی یا سائنسدان یا عالم کو علمی تحقیقات ومعلومات کے لئے زندہ جلا دیا گیا ہو۔ یا اُسے قتل کیا گیا ہو۔ جبکی متعدد مثالیں ان صفحات میں موجود ہیں۔ خلفائے عباسیہ اور دیگر تاجداران اسلام کے دربار مسیحی، یہودی اور ہندو علماء سے آراستہ تھے حالانکہ زمانہ حال کے انتہائی مغربی تہذیب کے دوران میں بھی کوئی غیر یورپین اس حیثیت اور منصب کو نہیں پہنچا۔ کہ جسکا فخر صدیوں تک غیر مسلم لوگوں کو مسلم درباروں میں حاصل رہا ہے۔

قطع نظر غیر مسلم اہل علم کے غیر مسلم رعایا اب تک اسلامی سلطنتوں میں امن وچین کی زندگی مکمل حفاظت حقوق کے ساتھ بسر کرتی رہی ہے۔ جیسے کہ ترکی میں ابتک یونانی عیسائی آبادی کے تمام مقدمات یونانی بطریق اعظم کے صدیوں سپرد رہے ہیں۔ گویا کہ یونانی سلطنت ترکی کے کبھی تابع ہی نہ تھے۔ اور نہ ترکی عدالتیں اُن پر حکم فرما تھیں۔ اسکے مقابلہ میں اُن ممالک کے بدنصیب مسلم رعایا کا حال دیکھئے جو عیسائیوں نے مسلمانوں سے زمانہ قدیم میں ہسپانیہ وسسلی کی طرح چھین لئے۔ جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی تھی اور جہاں وہ صدیوں حکمران رہے تھے آج وہاں ایک مسلمان نام لینے کو نہیں ملتا۔ یا بلقان کے مختلف بلاد جو حال میں مہذب عیسائیوں نے

ترکوں سے چھینے ہیں جہاں کوئی خال خال مسلمان نظر آتا ہے۔

جن یہودیوں نے آج بیت المقدس میں عربوں کا دم ناک میں کر رکھا ہے۔ اور آج انگریز صرف اس ملک میں ان کی پشتیبانی کے لئے سرگرم ہیں اُسوقت کہاں تھے جبکہ تمام عیسائی یورپ یہودیوں کا جانی دشمن تھا۔ اور صرف ترکی ایک سلطنت تھی جو یورپ بھر کے عیسائیوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے جان بچا کر بھاگتے ہوئے یہودیوں کے لئے اُنکا مأمن وملجا بنا ہوا تھا۔ بے شک یورپ میں سب سے پہلے انگریزوں نے یہودیوں کو پناہ دی۔ مگر مسلمانوں کے صدیوں بعد ایسا کیا۔

ترقی اسلام بلا مدد اسباب حسام

نادان لوگ جب سمجھ نہیں سکتے کہ اہل اسلام کی تعداد دنیا میں کیوں اتنی حیرت انگیز تیزی سے ترقی کر رہی ہے تو وہ حیران ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یا تو اپنی سمجھ کی کمی یا تعصب کے خیال سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مذہب اسلام ضرور بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ درحقیقت شروع میں اسلام نے ایسی ہی حیرت انگیز ترقی کی تھی کہ چند ہی سالوں میں مذہب اسلام اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے یا مسلم فاتحین کی فتوحات کی بدولت اسوقت کی تمام معلوم دنیا پر پھیل گیا۔ فاتحین اسلام لوگوں کے سامنے اسلام کو پیش کرتے تھے۔ لیکن اگر وہ جزیہ دینا قبول کر لیں جو ایک خفیف رقم ہوتی تھی تو انہیں اپنی پناہ میں لے لیتے تھے اور انہیں اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتے تھے۔ اصطلاح اسلام میں ان لوگوں کو ذمّی کہتے ہیں۔ ذمیّوں سے جو رعایات کرنی اسلام نے منظور کی ہیں صرف اُنہیں رعایات اور حُسنِ سلوک کو دیکھکر بہت سے ذمّی مسلمان ہو جاتے تھے۔ اسلئے ان لوگوں کو مسلمان کرنے کے لئے ہرگز شمشیر کا استعمال نہیں کیا گیا۔ اس باب میں بعض ان وسائل کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن کے ذریعہ سے جوق جوق لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ مثال کے طور پر ہندوستان کو لیجئے۔ گذشتہ دو تین سو سال میں جب سے انگریز ہندوستان کے اکثر حصوں پر قابض ہیں پس ظاہر ہے کہ کسی کو مسلمان کرنے کے لئے ہرگز شمشیر استعمال میں نہیں لائی گئی لیکن مسلمانوں کی آبادی کئی کروڑ بڑھ گئی ہے۔ صرف سنہ ١٩٢٠ء سے سنہ ١٩٣٠ء تک کے انگریزی حکومت کے ماتحت دس سالوں میں سات کروڑ کی جگہ مسلمان قریباً آٹھ کروڑ ہو گئے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کشت وخون ناپسند فرمایا۔ اور اسی طرح

تمام خلفائے راشدین اور سپہ سالاران نے دین کے معاملہ میں جبر کو ہرگز روا نہیں رکھا۔ اگر بالفرض کسی مسلم بادشاہ یا سپہ سالار نے ملک گیری کے لئے کہیں کشت و خون کیا ہے تو ہمارے پاس اسکا کوئی معتبر ثبوت نہیں تو مذہب اسکا ذمہ وار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ سے ہر منصف مزاج آدمی کو قائل ہونا پڑے گا کہ کبھی مسلمان بادشاہوں نے اشاعت اسلام کے خیال سے ہندوؤں پر سختی نہیں کی۔ بلکہ انہیں علوم و فنون سکھلائے اور خود ہندو علوم کی سرپرستیاں کیں۔ سب سے زیادہ سلطان محمود یا اورنگ زیب عالمگیر کو بدنام کیا جاتا ہے لیکن عالمگیر کے حالات کو ہی بغور دیکھئے کہ اس نے کس طرح ہندوؤں کو اپنی ماتحت ہر قسم کے فوجی اور ملکی اعلیٰ عہدے دئیے۔ انکی کیسی عزت افزائیاں کیں۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے مندروں تک کو جاگیریں عطا کیں جنکی سندیں ابتک مندروں اور کتبوں میں مل رہی ہیں۔ اور کئی ہندوؤں کو ریاستیں تک بخشدیں۔ سلطان محمود غزنوی نے بھی فتوحات حاصل کیں اور مندر توڑے لیکن اشاعت اسلام کبھی نہیں کی۔

یوں تو معترضین جو چاہیں کہیں لیکن وہ اسکا کیا جواب دے سکتے ہیں جیسا کہ آرنولڈ صاحب کی کتاب پریچنگ آف اسلام کے ایک اقتباس میں شہادت موجود ہے کہ

وہ اسلامی ممالک جن پر مسلمانوں نے کبھی فوجکشی نہیں کی

(۱) جبکہ ہسپانیہ ایسی شاندار اسلامی سلطنت کا یورپ میں خاتمہ ہو گیا۔ اور غرناطہ جو وہاں اہل اسلام کا آخری ملجا و ماوی تھا اسے عیسائی بادشاہ کا باجگذار بننا پڑا تو ٹھیک اسی وقت اسلام کو جزیرہ سماٹرا میں قدم جمانے کا موقعہ مل گیا۔ اور ٹھیک اسیوقت اسلام نے مجمع الجزائر ملایا میں جو اسوقت غالباً ہندوستان سے بھی زیادہ حاجی بیت اللہ کو بھیجتا ہے اسلام کو اپنی سیاسی کمزوری کے اوقات میں نہایت شاندار روحانی فتوحات نصیب ہوئیں۔ جبکہ کافر سلجوق ترکوں نے گیارہویں صدی میں اور کافر مغلوں نے تیرہویں صدی میں مسلمانوں کی گردنوں پر اپنے قدم جمائے۔ مگر اسلام کی کتنی غیر معمولی روحانی فتح ہے کہ ان دونوں صورتوں میں فاتحین نے مفتوحین کا مذہب قبول کر لیا۔ یہ امر بار بار غور کرنے کے لائق ہے کہ مسلمان جو کفار کی تیغ بلا سے ہلاک ہو چکے تھے۔ بغداد کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ نہایت ظلم و ستم کا شکار ہو چکا اور بغداد کی تمام شاندار تہذیب تباہ ہو گئی۔ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ یہی کافر ترک اور مغل اپنے مفتوح مسلمانوں کے ہاتھوں پر مسلمان ہو گئے بغداد کی اس تباہی پر شیخ سعدی رح کا شہر آشوب تاریخی مرثیہ کیسا دردناک ہے۔ جسکے مطلع کے اشعار قابل ذکر ہیں

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں — بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنیں
اے محمدؐ گر برآری ور قیامت سر ز خاک — سر برآور ایں قیامت درمیانِ خلق ہیں
نازنینانِ حرم را موجِ خونِ بے دریغ — داستاں بگذشت و ما را خونِ دل آستیں الخ

اسی طرح یہ حقیقت قابلِ توجہ ہے کہ مراکش سے زنگبار اور سرالیون سے سائبیریا اور چین تک اور بوسینیا سے گانٹا تک مذہب اسلام پھیلا ہوا ہے جن میں سے روس اور چین میں بڑی بڑی اسلامی آبادیاں پیدا ہو گئی ہیں جن میں کبھی اسلامی افواج کا قدم نہیں پڑا۔

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا عفو و درگذر

انسان کے ذخیرہ اعمال میں سب سے زیادہ نادر الوجود اور کمیاب چیز دشمنوں پر ترحم اور ان سے عفو و درگذر ہے لیکن حضور رحمۃ للعالمین کی ذات اقدس میں یہی جنس فراواں تھی۔ کون نہیں جانتا کہ شمع نبوت کے گل کر دینے اور اسلام کو تباہ کر دینے کا کونسا دقیقہ کفار قریش نے باقی چھوڑا لیکن جب مکہ فتح ہوا اور تمام قریش نے ہتھیار ڈال دئے تو دریائے رحمت نے جوش مارا۔ فوراً فرمایا "تم سب چھوڑ دئے گئے آج تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے"۔ کیا تاریخ کوئی مثال پیش کر سکتی ہے کہ کسی نے دشمنوں کے وحشیانہ مظالم برداشت کرنے کے بعد ان سے کلیۃً عفو و درگذر کا برتاؤ کیا ہو۔ قرآن نے فرمایا تھا کہ "دارِ آخرت انہی کے لئے ہے جو برائی کا بدلہ نیک برتاؤ سے دیتے ہیں"۔ یہی باعث ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی شبانہ روز ایسی روح پرور نظیریں پیش کرتی تھی۔ قبائل عرب میں سب سے زیادہ سرکش قبیلہ بنو حنیفہ تھا۔ اسکے رئیس اعظم ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر حضورؐ کی خدمت اقدس میں آئے اور انہیں مسجد نبوی کے ستون سے ایک رسی میں جکڑ دیا گیا۔ ایک روز آپ انکے پاس تشریف لائے اور پوچھا تم کو کیا سزا دیجائے۔ ثمامہ نے عرض کیا اگر مجھے سزائے قتل دیجائے تو بے شک ایک خونی کو آپ قتل کریں گے اور اگر میں چھوڑ دیا جاؤں تو ایک شکر گذار پر احسان ہوگا۔ اور اگر آپ زرِ فدیہ چاہتے ہیں تو جسقدر آپ کو مطلوب ہو پیش کیا جائے۔ آپ خاموش واپس ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد تشریف لاکر آپ نے ثمامہ سے فرمایا کہ جاؤ تم آزاد ہو۔ اس خلاف توقع احسان کا ثمامہ پر یہ اثر پڑا۔ کہ آزاد ہو کر پہلے غسل کیا اور دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی مبغوض نہ تھا۔ اب آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔ میں آپ کے مذہب کو سب سے زیادہ چھوٹا سمجھتا تھا۔ لیکن آج آپ ہی کے مذہب کو سچا مذہب یقین کرتا ہوں سب سے زیادہ برا میں آپ کے شہر کو جانتا تھا۔ لیکن آج روئے زمین پر میں آپ کے شہر کو سب سے اچھا سمجھتا ہوں

یہ چند مخلصانہ جذبات پیش کرنے کے بعد مشرف باسلام ہو گئے۔ جن لوگوں نے انکی زندگی کے روح فرسا واقعات کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہو گا کہ ایک مرتبہ تمام کفار مکہ نے خاندان عبد المطلب کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کر دیا تھا۔ جسکے باعث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاندان سمیت تین سال تک شعب ابی طالب نامی ایک پہاڑ کی گھاٹی میں بے یار و مددگار پناہ گزیں رہے۔ آزمائش کے اس سخت وقت میں کفار مکہ نے سامان رسد بالکل بند کر دیا تھا۔ خاندان نبوت کے لئے یہ کس قدر جانگداز موقع تھا۔ کہ چمڑے کے ٹکڑے کھا کھا کر وقت بسر کیا۔ مکہ کو قرآن میں خدا نے وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا ہے اسلئے یہاں گیہوں شہر یمامہ سے آتا تھا۔ یہی ثمامہ اسلام لانے کے بعد جب مکہ پہنچے تو کفار نے طعنہ دیا۔ یہ برافروختہ ہو گئے اور کہا خدا کی قسم اب بغیر حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دانہ بھی یمامہ سے نہیں آسکتا چنانچہ غلہ کی آمد بند ہو جانے سے مکہ میں کال پڑ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار مکہ کی سرکش گردنیں سفارش کے لئے آستانہ نبوت پر جھک گئیں۔ اور باب رحمت وا ہو گیا۔ آپ نے ثمامہ کو لکھ بھیجا کہ غلہ کی رسم بند نہ کیجائے۔ اور غلہ بدستور آنے لگا۔

اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کفار کے وحشیانہ مظالم کا مناسب جواب دیتے اور عفو و درگذر کی بجائے انتقام سے کام لیتے۔ تو آئین انصاف کے عین مطابق ہوتا۔ لیکن جس عفو و درگذر کی تعلیم قرآن فرماتا ہے اسکے مقابلے میں یہ کوئی بڑی چیز نہیں۔ کیونکہ قرآن کا ارشاد تو یہ ہے کہ تم اپنے نیک برتاؤ سے دشمن کے دل میں گھر کر سکتے۔ اور اس کو دلی دوست بنا سکتے ہو۔ برائی اور بھلائی دونوں برابر نہیں ہو سکتیں۔ برائی کا جواب تم بھلائی سے دو گے تو جو شخص کہ تمہارے اور اسکے درمیان دشمنی ہے اسوقت قریبی دوست کی مانند ہو جائیگا۔ اور یہ خوبی بجز صابروں کے اور کوئی نہیں حاصل کریگا۔ اور اس وصف سے بڑا خوش قسمت ہی فائدہ لے سکتا ہے۔ اسلام نے اپنے انہی مکارم اخلاق کی بدولت ترقی حاصل کی۔ کیا ایسے نیک اور معاف کرنے والے نبی قاتل اور جہانسوز ہو سکتے ہیں؟

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں محض خود حفاظتی کے لئے تھیں

جسقدر لڑائیاں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار سے کی ہیں وہ سب ڈیفنس یا حفاظتی لڑائیاں تھیں۔ اور حفاظت نفس یا ڈیفنس کے لیے دشمن پر حملہ کرنا ہرگز عقل و تمیز کے خلاف نہیں۔

جب تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعوان و انصار کم رہے جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ بلکہ جان بچانے کے لئے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ لیکن جب بعد صلح حدیبیہ بہت سے اہل مکہ ہجرت کرکے مدینہ جانے لگے تو کفار مکہ انکی اولاد اور مال و دولت پر قبضہ کر بیٹھے۔ اسوقت اور ایسی حالت میں

جہاد کا حکم ہوا۔ اور مہاجرین کے اموال مخصوبہ کو کفار سے چھین لینے کی غرض سے غزوہ اُحد اور غزوہ بدر وقوع میں آئے۔ اور جب مسلمان فتحمند ہوئے تو خیبر کے یہود اور مشرکین مکہ کے درمیان جاسوس بنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرنے کی تدبیر کرنے لگے اسلئے غزوۂ خیبر کی ضرورت پیش آئی۔

جب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا وعظ و نصیحت سنکر زیادہ لوگ آپ پر ایمان لانے لگے تو ابو جہل اور ابولہب کو سخت صدمہ پہنچا اور یہ دونوں آپ کے سخت دشمن ہو گئے۔ کبھی کبھی کفار مثل سیلمہ کذاب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ یا محمدؐ! ایک برس تم ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کرو۔ اور ایک برس ہم تمہارے معبود کی پرستش کرینگے۔ اس طرح ہمارے اور تمہارے درمیان صلح رہیگی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوحی الٰہی انہیں کہا لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔ کس قدر نرمی اور امن پسندی کا جواب ہے کہ تمہیں تمہارا دین اور ہمیں ہمارا دین مبارک ہو۔ کیا مذہب کے لئے تلوار سے لڑنے والے ایسی ہی نرم باتیں کیا کرتے ہیں۔

اسلام کن حالات میں جنگ کی اجازت دیتا ہے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تکلیف پاکر مدینہ چلے گئے۔ مگر ان دشمنوں نے ان پر چڑھائی کی۔ تب مسلمان مقابلہ میں نکلے۔ چنانچہ سب سے پہلا حکم قرآن شریف میں جو لڑائی کے متعلق پایا جاتا ہے وہ ان الفاظ میں ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨالَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ

"ان لوگوں کو اجازت جنگ کرنے کی دی جاتی ہے جنکے ساتھ جنگ کی جاتی ہے اسلئے کہ ان پر ظلم ہوا ہے۔ اور اللہ تعالے ان کو مدد دینے پر قادر ہے وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔"

پس مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اسوقت دی گئی جب دشمنوں نے پہلے ان کو گھروں سے نکالا۔ اور ان پر طرح طرح کے ظلم کئے۔ پھر اسپر بھی نہ چھوڑا۔ بلکہ ان پر چڑھائی کی اور جنگ کرکے ان کے وجود کو مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تب مسلمانوں کو اجازت ہوئی کہ اپنی حفاظت کے لئے جنگ کرو۔ اور قرآن شریف نے جنگ کے حکم کو بھی صاف الفاظ میں محدود کر دیا ہے۔ جیساکہ فرماتا ہے وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ "اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور اس حد سے آگے نہ بڑھو۔"

اور تاریخ کی کھلی کھلی شہادت موجود ہے کہ پہلی تینوں لڑائیاں جو مسلمانوں کو کرنی پڑیں وہ تینوں مدینہ پر تھیں۔ یعنے دشمن پورے تین سو میل سے چڑھکر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تب مسلمان اپنی حفاظت کے لئے باہر نکلے۔ اور قرآن شریف میں کافروں کو قتل کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ ہاں دین۔ ملک اور قوم کی حفاظت

کہ جب دوسرے تمہیں تباہ کرنا چاہیں اور اس غرض کے لئے تلوار لیکر نکلیں تو تم بھی تلوار لیکر انکا مقابلہ کرو۔ بلاشبہ ایک وقت آتا ہے کہ تلوار چلانا ہر ایک انسان کا فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ وہی وقت ہوتا ہے جب اپنی حفاظت اسکے سوا ممکن نہ ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک کو جبراً مسلمان نہیں کیا

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی شخص ایک بھی واقعہ پیش نہیں کر سکتا کہ کسی شخص کو بجبر مسلمان کیا گیا ہو اور ہو کس طرح سکتا تھا جب صاف اعلان کیا جا چکا تھا کہ مذہب میں جبر کوئی نہ ہوگا۔ اور اسلام کی تو تعلیم ہی ایسی ہے جو دنیا میں صلح اور محبت کو پھیلاتی ہے اور تمام مذاہب کو محبت کے ساتھ رہنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس سے بڑھکر صلح کی کیا بنیاد رکھی جاسکتی تھی۔ کہ قرآن شریف نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ مسلمان وہ ہے جو دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وہ لوگ اسپر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر اُتارا گیا اور اسپر جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ اور پھر فرمایا اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں نبی نہیں آئے لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ط ہر قوم میں ہادی گذرا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے ایک دشمن کے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں قتل کیا ہو

گو بعض مخالفین کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے اسلام بزور شمشیر پھیلایا۔ اور ایک انگریزی کتاب کی تصویر میں آپ کے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں قرآن دکھلایا گیا ہے۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن پیش کرتے تھے۔ جو اسے قبول نہ کرے اس کا سر تلوار سے کاٹ دیتے تھے۔ یہ کتنا بڑا بہتان ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے بنفس نفیس کسی پر تلوار نہیں چلائی۔ سوائے ابی بن خلف کے جیسا کہ سیرۃ حلبیہ میں ہے۔

فاما ابو غرۃ فظفر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھذہ الوقعۃ بحمراء الاسد ثم امر عاصم بن ثابت فضرب عنقہ وحملت رأسہ الی المدینۃ۔ اور دوسری جگہ سیرۃ نبویہ میں ہے ولم یقتل بیدہ الشریفۃ الا ابی بن خلف لا قبل ولا بعد یعنے حضرت ابو غرہ پر قابو پانے کے باوجود عاصم بن ثابت کو حکم کیا۔ انہوں نے اسکی گردن ماری۔ مگر ابی بن خلف جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت دشمنی رکھتا تھا۔ اور ہمیشہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کی دھمکی دیتا تھا۔ اسکو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ دیکھو سیرۃ حلبیہ وکان ابی یقول

بملّۃ للنبیّ یا محمدؐ ان عندی العود یعنی فرسا اعلفہ کل یوم فرقاً من الذرۃ اقتلک علیہا فیقول لہ انا اقتلک انشاءاللہ۔ پھر جو شخص تلوار سے حملہ آور ہو تو اسکو قتل کرنا ہرگز داخل تعصب نہیں ہیں۔ کیا کوئی بھی شخص کہہ سکتا یا کوئی کتاب بھی دعویٰ کرتی ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک بھی دوسرے دشمن کو عمر بھر میں قتل کیا ہے؟

اسلام ہرگز تلوار کا مذہب نہیں

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس اپریل ۱۹۲۶ء کے موقع پر فرمایا کہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ پیغمبر عربی صلعم تلوار کا مذہب لے کر آئے۔ آپ نے فرمایا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ جب آپؐ آغاز کار میں مکہ معظمہ میں تھے تو تیرہ برس تک اپنا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر نہیں رکھا۔ بلکہ آپ ہر وقت کفار کے ظلم وستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ آپؐ کے جسم اطہر کو بارہا مجروح و خون آلود کیا گیا۔ آپ کے عہد ہمایوں کے جو حالات غزوات وسریات کی صورت میں نظر آتے ہیں وہ آپ کی زندگی کے ضمنی واقعات ہیں۔ وہ محض اسلئے ہیں کہ آپ نے اسلام کو تلوار کی مدد سے بچانے کی کوشش فرمائی۔ ایک ایک غزوہ کا حال پڑھ جاؤ تو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کو جسقدر احوال پیش آئے وہ قریباً تمام کے تمام اپنے قبیلہ قریش کے ساتھ تھے۔ جزیرہ عرب آبادی میں ہندوستان سے کم ہو تو ہو۔ لیکن وسعت میں اس سے کسی طرح کم نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا سارا جزیرہ عرب تلوار کے زور سے فتح ہوا؟ اگر یہی خیال ہو تو بتاؤ کہ عمان اور یمن کو مسخر کرنے کے لئے کونسی فوج بھیجی گئی۔ جب اسلام کی صداقت کا عرب میں شہرہ ہوا تو حالت یہ تھی کہ ہزار ہزار آدمی ایک دن میں مسلمان ہوتے تھے۔ امیر المؤمنین علیؓ کی تعلیم و ترغیب کے سبب سے یمن والے ایک دن میں مسلمان ہو گئے حضرت خالد بن ولید نے قیصر و کسریٰ کے دفتر الٹ دئے تھے۔ مگر وہ حضرت علیؓ کی طرح یمن کا دل فتح نہ کر سکے۔ حجاز جو سرچشمہ ہدایت ہے وہ کبھی جہالت کا گہوارہ تھا۔ مگر یمن ہمیشہ سے علم و حکمت کا علمبردار ہے۔ پس آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یمن والے اسلام کی خوبیاں دیکھنے کے بغیر کبھی اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی طرح عمان اور مسقط کا بڑا علاقہ صرف چندروز میں حضرت عمرو بن العاص کی تبلیغی جدوجہد سے مسلمان ہوا تھا۔

جن دنوں حضور خواجہ ہر دوسرا علیہ التحیۃ والسلام نے کسریٰ کے نام دعوت نامہ بھیجا تو کسریٰ نے حضور کا نامۂ مبارک چاک کر دیا۔ جب حضور کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا جس طرح میرے نامے کے پرزے کئے گئے اسی طرح سلطنت کسریٰ پارہ پارہ ہو جائے گی۔ ان دنوں فیروز دیلمی ایران کی

طرف سے یمن کے گورنر تھے۔ کسرےٰ نے فیروز دیلمی کو لکھا کہ ہمارے قریشی غلام مدعی نبوت (جناب محمد رسول اللہ) کو گرفتار کرکے ہمارے حضور میں بھیجدو۔ مگر قبل اسکے کہ کسرےٰ کا نامہ پہنچے فیروز شرف اسلام سے مشرف ہو گئے اور جب یمن پر مسلمانوں کا تسلط ہوا تو وہی فیروز وہاں کے گورنر مقرر کئے گئے اور زمانہ نے دیکھ لیا کہ کسرےٰ کی سلطنت کس طرح آخر علم اسلام کے سایہ میں آگئی۔

کارلائل نے ایک نہایت مزیدار بات لکھی ہے۔ وہ اُن لوگوں میں سے نہیں جو اسبات کے قائل ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ وہ سوال کرتا ہے کہ اگر اسلامی لشکر نے خلق خدا کو مسلمان بنایا تو بتاؤ کہ اس لشکر کے سپاہیوں کو کس نے جبر و اکراہ کرکے لشکر اسلام میں داخل کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت العمر اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل نہیں کیا۔ پس بتاؤ کہ خالد بن ولید جیسے سپہ سالار اور عمرو بن العاص فاتح مصر کو کس نے تلوار سے مسلمان بنایا تھا؟ کیا ان حضرات نے سید خلائق صلے اللہ علیہ وسلم کے خوف سے کلمۂ توحید پڑھا تھا؟ تمام اکابر صحابہ فتح مکہ سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ہاتھ میں ضرور تلوار دی تھی۔ مگر جیسا کہ مولانا نے فرمایا وہ تلوار لوہے کی اور معدنی نہ تھی بلکہ محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت اور اخلاق حسنہ۔ طہارت نفس۔ سچائی۔ دیانت و امانت کی تلوار تھی"۔

ان حالات کے جاننے کے بعد صرف شقی القلب لوگ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی رفتار ترقی تلوار کی دھار پر مبنی تھی۔ اسلام کی اشاعت کے لئے کبھی تلوار نیام سے نہیں نکلی۔ گذشتہ زمانے کے حالات کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو زمانہ حاضرہ کے حالات اپنی زبان سے کہہ رہے ہیں کہ اشاعت اسلام کو تلوار سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں۔

حقوق مفتوحین اسلام کے قبل مفتوحین کے ساتھ ظالمانہ سلوک ہوتا تھا۔ اسلام نے جو حقوق ان کو عطا کئے ہیں وہ اس وقت مہذب ترین ممالک کے لئے باعث تقلید ہیں۔

یورپ کی مہذب سلطنتوں کا مقصد انکے ماتحت ممالک سے عموماً یہ ہوتا ہے کہ اس سے مرکزی حکومت کی دولت اور ثروت میں اضافہ ہو۔ انگلستان جس طرح ہندوستان کی صنعت و حرفت کو کمزور کرکر اسکی خام پیداوار سے اپنی دولت میں اضافہ کر رہا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ ہندوستان کی پچاس فیصدی آبادی افلاس کا شکار ہونے کے باوجود یہاں سے انگلستان سالانہ تیس کروڑ روپے مطالبات وطن وغیرہ کے نام سے بطور خراج حاصل کر رہا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں لاکھوں نفوس انسانی کی فوجی امداد کے علاوہ

تقریباً دو ارب روپیہ اس نے انگلستان کو بطور امداد ادا کیا ہے۔ اسلام کا مقصد کبھی یہ نہیں رہا کہ مفتوحین کو محاصل کے گرانبار بوجھ سے تباہ و برباد کردے۔ چنانچہ زراعت اور تجارت مفتوحین کے ہاتھوں میں رکھی گئی عمال کا تقرر ان کی منظوری کے بعد عمل میں آتا تھا۔ محاصل کی اجرای میں ان کی رائے لی جاتی تھی اور پھر مفتوحین میں سے جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا اسکے حقوق عام مسلمانوں کی مانند ہو جاتے۔ ذمی پر خراج جو عائد ہوتا تھا اسیقدر مسلمان زکوٰۃ کے طور پر ادا کرتے تھے۔ مفتوحین کے آرام کی خاطر حضرت عمرؓ نے عراق کا دفتر مال خود فارسی زبان میں ہی باقی رکھا۔ اسلام نے مفتوحین کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اُسکے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک قول کا ذکر کافی ہے جس کی رو سے جو شخص کسی ذمی کو تکلیف دے گا وہ آپ کا دشمن ہے۔ ذمی کہاں تک حکومت اسلامیہ کے دلدادہ تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص کو خالی کر چکے تو وہاں کے یہودی اور عیسائی دونوں نے قسم کھا کر مسلمانوں کی حکومت کو رومیوں کی حکومت سے بدرجہا زیادہ قابل قبول تسلیم کیا۔

انسداد غلامی اب یہ سوال پیدا ہو گا کہ جب اسلام افراد کی آزادی کا اسقدر خواہاں ہے تو پھر اس نے کیوں غلامی کو باقی رکھا؟ علماء سیاسیات کے قول کے مطابق انسان کی ترقی تدریجی طور پر ہوئی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں تمدن اس حالت کو نہ پہنچا تھا کہ انسان آلات جرثقیل اور برق و بخار کی مدد کے بغیر انسانی محنت سے بے نیاز ہو جائے۔ بقول علامہ فرید وجدی احکام قرآنی جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں اگر اس میں عورتوں کو آزادی عطا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ غلامی کا بھی خاتمہ کر دیا جاتا تو وہ حکم اصول فطرت کے خلاف ہو جاتا۔ اسلام نے یہ حکم نہیں دیا کہ غلامی بدستور جاری رہے۔ آنحضرتؐ کے حکم "بدترین مال آخر زمانہ میں غلام ہوں گے" کے مطابق اسلام نے غلامی کو ایک زمانہ کے لیئے محدود کر دیا۔ اسکے ساتھ ہی جو مساویانہ برتاؤ اسلام نے غلاموں کے لیئے مخصوص فرمایا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت سلمانؓ، بلالؓ اور سالمؓ کی وقعت مسلمانوں کے پاس جلیل القدر صحابہ کرام سے زیادہ تھی۔ حضرت اسامہ کی ماتحتی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے لیئے باعث ننگ و عار نہیں تھی۔ اور پھر غلاموں نے اسلام کے ممتاز رہنماؤں کی حیثیت سے جو کارنمایاں انجام دیئے ہیں وہ محتاج تشریح نہیں ہیں۔

آزادی اقوام دول یورپ اڑھائی صدیوں سے متعدد بین الاقوامی معاہدوں نیز موجودہ مجلس اقوام کے قیام سے نہ صرف دنیا کی بقائے امن کے لئے کوشاں ہیں بلکہ کم تعداد والی قوموں کو بڑی سلطنتوں کی

دست برد سے محفوظ رکھنے نیز جنگ کے زمانہ میں جب کہ معاہدے ساقط ہو جاتے ہیں اس وقت متخاصمین کو چند اصول انسانیت کا پابند بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن اقوام کی آزادی کا یہ تخیل ابھی تک عمل کا غذی سے زیادہ وقعت حاصل نہیں کرسکا۔ جیسا کہ جاپان و چین کی ۱۹۳۲ء کی جنگ سے ظاہر ہے کہ باوجود لیگ آف نیشنز کے ایڑی چوٹی تک زور لگانے کے ایک خوفناک جنگ شروع ہے لیکن اسلام صدیوں پیشتر ہی مسلمانوں کو متخاصمین کے ساتھ نرمی۔ معاہدوں کی پابندی اور اقوام کی آزادی پر پابند کرچکا ہے وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۔ کے حکم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کے ساتھ جنہوں نے اسلام کو تباہ و برباد کرنے کا تہیہ کر لیا تھا جو شریفانہ برتاؤ کیا اس کی نظیر تاریخ عالم میں بتلانی مشکل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عورتوں بچوں اور جنگ کے ناقابل لوگوں کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ اپنے پیروؤں کو اس کی ہدایت کی۔ اس کے بمقابل سترھویں صدی میں ولیم سوم (انگلستان) کے حکم سے وادی گلنگو کی آبادی کا قتل عام دھوکہ اور دغابازی سے عمل میں آتا ہے۔

دمشق کے قتل عام

کے وقت کم سن بچوں کو ان کی ماؤں کے آغوش سے کھینچ کر جس طرح سنگینوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور کس طرح شریف زادیوں کی عصمت دری کی گئی۔ اس قسم کے واقعات انسانیت کے لئے باعث ننگ و عار ہیں۔ کیا کوئی شخص اسلام میں ایسے واقعات بتلا سکتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۔ کے مطابق مسلمان معاہدوں کے احترام پر پابند کر دیئے گئے اقوام عالم کی آزادی اور ملتوں کی تحفظ کے متعلق لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ کا ارشاد کرنا کافی ہے۔ اس موقع پر یہ الزام عاید ہوگا کہ اسلام نے یہودیوں اور نصرانیوں کو مدینہ سے باہر کیوں نکالا اور ایران و روم پر کیوں پیشقدمی کی؟ الزام اول کا جواب مذہبی آزادی کے تحت دیا جاتا ہے۔ ایران و روم کے حملوں کے متعلق اسقدر کہنا کافی ہے کہ تحریک اسلام گویا دنیا کو جہالت اور کفر سے نجات دلانے کے لئے شروع ہوئی۔ اس مقصد کے ماتحت قانون فطرت کے موافق غیر ممالک پر فوج کشی ناگزیر تھی۔

فاتحین نے مفتوحین کا مذہب قبول کیا

ڈبلیو۔ آرنولڈ صاحب نے پریچنگ آف اسلام کے نام سے جو نہایت عالمانہ کتاب لکھی ہے اس میں وہ مندرجہ بالا دلیل کی تائید حسب ذیل فرماتے ہیں:۔ پیغمبر اسلام کے انتقال کے ایک سو سال بعد پیروان اسلام نے اپنے آپ کو

سلطنت روما کے زمانہ عروج سے بھی بہت بڑی سلطنت کا مالک پایا۔

گو کئی صدیاں بعد یہ عظیم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اور اسکی سیاسی طاقت بھی کمزور ہوگئی۔ لیکن اسکی روحانی فتوحات بدستور جاری رہیں۔ جبکہ مغلوں کی فوجوں نے (۱۲۵۸ء میں) بغداد کو تاخت و تاراج کیا۔ خاندان عباسی کی مرجھائی ہوئی شوکت کو خون میں غرق کردیا۔ اور جبکہ مسلمانوں کو (۱۲۳۶ء میں) لیون اور کسٹائل کے فرڈی نینڈ نے قرطبہ سے نکال دیا۔ اور غرناطہ جو ہسپانیہ میں اہل اسلام کا آخری جائے پناہ تھا اُسے عیسائی بادشاہ کا باجگذار بننا پڑا۔ تو ٹھیک اسی وقت اسلام کو جزیرہ سماٹرا میں قدم رکھنے کا موقعہ مل گیا۔ اور ٹھیک اسی وقت مجمع الجزائر ملایا میں اسلام نے کامیابی سے ترقی کرنی شروع کی۔ اپنی سیاسی کمزوری کے اوقات میں اسلام کو بعض نہایت شاندار روحانی فتوحات نصیب ہوئی ہیں۔ دو بڑے اہم تاریخی مواقعات پر کافر وحشیوں نے پیغمبر اسلامؐ کے پیروؤں کی گردنوں پر قدم جمائے۔ یعنے سلجوق ترکوں نے گیارھویں اور مغلوں نے تیرہویں صدی میں اور ان دونوں صورتوں میں فاتحین نے مفتوحین کا مذہب قبول کرلیا۔ اسی طرح دنیاوی طاقت کی مدد کے سوائے مسلم مبشرین وسط افریقہ، چین اور جزائر شرق الہند میں اپنے مذہب کو لے گئے۔

چنانچہ آج مذہب اسلام مراکش سے زنگبار تک اور سیرالیون سے سائبیریا اور چین تک۔ بوسنیا سے نیوگائنا تک پھیلا ہوا ہے۔ خالص اسلامی ممالک کے باہر روس اور چین میں بہت بڑی بڑی اسلامی آبادیاں ہیں لیکن ان کے علاوہ کئی ملکوں میں چھوٹی چھوٹی اسلامی آبادیاں ہیں جو غیر مسلموں کے درمیان مذہب اسلام کی نام لیوا ہیں۔ مثلاً لتھوآنیا میں پولش زبان بولنے والے تاتاری النسل لوگ جو کوونو اور گراڈنو کے اضلاع میں آباد ہیں۔ کیپ کالونی کے ڈچ زبان بولنے والے مسلمان اور ہندوستانی قلی جو اپنے ساتھ مذہب اسلام کو جزائر غرب الہند میں لیگئے اور برٹش اور ڈچ گائنا میں مل گئے۔

اچھوت ہندو کی گت اور ہر نو مسلم کی مساوات اور شان

آریہ اخبارات مسلمانوں پر کیسے رکیک [illegible] اور لغو الزام لگانے کے عادی ہیں۔ آریہ گزٹ نے اسلام پر ایک یہ الزام عائد کیا ہے کہ اسلام نے رعایا کو مجلسی سیاسی و علمی حیثیت سے تباہ و برباد کیا ہے۔ اسپر اخبار اہلحدیث لکھتا ہے کہ آج یورپ تسلیم کرتا ہے کہ یورپ نے جسقدر علوم میں ترقی کی ہے یہ سب مسلمانوں کے فیض کی رہین ہے کہ جنہوں نے اندلس (ہسپانیہ) میں سکول اور کالج جاری کرکے اہل یورپ کو علوم پڑھائے۔ باوجودیکہ یہ الزام ناقابل توجہ ہے۔ مگر ہم آریوں کو ایک بدیہی بات پر توجہ دلاتے ہیں۔ کہ اگر کسی اچھوت

کا کپڑا اُن سے چھو جائے تو کپڑا دھونے کے قابل ہو جائے۔ ہاتھ لگ جائے تو نہانا پڑے تعلیم سے اُن کو بے نصیب رکھا گیا۔ مجلسی حقوق سے انکو علیحدہ رکھا۔ سیاسی حقوق تو کیا ہی دینگے۔ ہاں آریوں کے گورونے اُن کو یہاں تک ترقی بے شک دی جو فرمایا کہ شودر آریوں کا آٹا گوندھے اور گوندھتے وقت منہ پر کپڑا باندھے تاکہ اسکے منہ کے کیڑے آریہ کے آٹے میں نہ پڑیں۔ (ستیارتھ) پرکاش

یہ ہے اُن سات کروڑ ہندوؤں کی مجلسی سیاسی اور علمی ترقی جو ویدک دھرم کے پیرو اور ویدوں کے قائل ہیں اسکے بعد ذرا اسلامی برتاؤ بھی دیکھئے کہ کسی قوم یا کسی شخص کو اچھوت قرار نہیں دیا۔ ایک بھنگی اور سید کو مجلسی حقوق میں برابر کا حصہ ہے۔ کیا آریہ گزٹ کو ہندوستان کی کائستھ قوم کا حال معلوم نہیں وہ شاہی زمانہ میں جتنا کچھ علمی اعزاز رکھتے تھے ان کو کس نے بڑھایا تھا۔ راجہ ٹوڈرمل۔ راجہ بیربل وغیرہ کو کتنا کچھ اعزاز تھا۔ غازی اورنگ زیب نے بنارس وغیرہ کے مندروں کو لاکھوں کی معافیاں دیں جو آجتک وہ لوگ کھا رہے ہیں۔ اے کاش کہ آریہ گزٹ کے ایڈیٹر صاحب نے اور نہیں تو لالہ لاجپت رائے جی کی تاریخ ہند ہی دیکھی ہوتی تو یہ غلط دعوی نہ کرتے۔

مسلمانوں کا شعار دشمنوں سے کیسا رہا ہے

اخبار مشرق کا ایک نامہ نگار اسلام کی بے تعصبی کا ڈیفنس یوں لکھتا ہے کہ: سوامی شردھانند کی موت نے زمانہ کو بہت کچھ شور مچانے کا موقع دیا ہے۔ اے عبدالرشید! تجھے خدا اور رسول کے احکام کا جاننا ضروری اور لازمی تھا۔ تاکہ آج کسی کو تیری قوم پر بدنما دھبہ لگانے کا موقعہ نہ ملتا۔ آہ ․․․․ تجھے کیا خبر تھی کہ بانی اسلام اور اس کے پیرووں نے اسقدر ضبط و تحمل سے کام لیا ہے کہ ظلم و ستم اور زبردستیوں کی لہروں کا زبردست سیلاب ان کے سروں سے گزرا کرتا تھا اور وہ پرواتک نہ کرتے تھے۔ اب میں اپنے زود رنج نکتہ چین ساتھیوں کو قرآن پاک کی تحریر۔ بانی اسلام کے افعال اور اُن کے پیرووں کی تقلید کی چند مثالوں سے بتلاؤں گا کہ اسلام اور مسلمان اس الزام سے کہاں تک بری ہیں۔

(قرآن شریف) (۱) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (سورہ بقرہ۔ رکوع ۲۳۔ پارہ ۲)
اے مسلمانو! جو لوگ تم سے جنگ کریں تم بھی اللہ کی راہ میں (دین کی حمایت میں) ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرو اللہ (کسی طرح) زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(۲) اور (اے پیغمبر) اگر (غیر مسلم) صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی انکی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ کیونکہ وہی

(سب کی) سنتا اور خوب جانتا ہے۔

(۳) اور (اے پیغمبر) مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو اُسکو پناہ دو یتا کہ وہ اللہ کے کلام کو سُنے پھر اُس کو اسکی امن گاہ میں پہنچا دو۔ اسلئے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) واقف نہیں۔

(محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم)۔ جہاں پرائویٹی کا ہلکا زخم۔ اور اپنی عورت کو ایک تھپڑ برسوں کی جنگ کا باعث ہوا کرتا تھا وہیں کا باشندہ اپنی تکالیف اور اپنے پیرووُں کے ناگفتہ بہ صدمات کو اس طرح خاموشی کے ساتھ برداشت کر گیا جس طرح چٹانیں موجوں اور ہلکے نرم پودے تند و تیز ہواؤں کا مقابلہ کرتے ہیں بنو ہاشم کا بہادر اور ممتاز قبیلہ عرب کے تمام قبیلوں سے اپنی توہین کا بدلہ لے سکتا تھا مگر وہ ہستی جو رحمۃ للعالمین ہو۔ دنیا کو فساد میں کیونکر مبتلا کر سکتی تھی۔

۱۔ مسلمانوں کی پہلی جنگ۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو بہت سے قیدی ہاتھ آئے تھے جس میں وہ لوگ بھی تھے جن کا اسلام کی بربادی کی کوشش میں زبردست ہاتھ تھا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں نے جو سلوک کیا۔ اس کو منصف مزاج مصنف سری پرکاش دیوجی یوں لکھتے ہیں۔ " ادھر مسلمانوں کو یہ تاکید تھی کہ اِن قیدیوں کو قیدی نہ سمجھیں بلکہ اُن کے ساتھ بھائیوں کی طرح سلوک کریں۔ اور عزت و احترام سے رکھیں۔ چنانچہ جب تک یہ قیدی مسلمانوں کے پاس رہے مسلمانوں نے انکی خاطر تواضع کی اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب ان قیدیوں میں سے پہلا قیدی رہائی پاکے مکہ آیا تو اہل اسلام کی نسبت اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ خدا اُنکا بھلا کرے وہ ہم کو سواری دیتے تھے اور خود پیادہ پا چلتے تھے۔ وہ ہم کو گیہوں کی روٹی کھانے کو دیتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر گذارہ کرتے تھے۔

۲۔ جس وقت مکہ فتح ہوا تو مکہ والوں کا خیال تھا کہ گلیاں لاشوں سے بھر دی جائیں گی۔ اور ایک خوفناک خونی منظر آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ مگر اُس چشمۂ رحمت و منبع جود و سخا نے اُنھیں یہ کہکر خبر دی کہ " تم پر کوئی ملامت نہیں وہ خداوند کریم سب سے زیادہ رحم والا ہے۔ جاؤ تم آزاد ہو۔

۳۔ چھ ہزار قیدی جو بنی ہوازن سے تھے تمام مسلمانوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک روز مسجد نبوی میں جہاں آپ مع صحابہ کرام تشریف رکھتے تھے بنی ہوازن کا سردار آتا ہے اور قیدیوں کی رہائی کی التجا کرتا ہے اور وہ سخی کہتا ہے کہ " میں نے اپنے اور تمام مسلمانوں کے قیدی آزاد کئے " اور منٹوں میں تقسیم کئے ہوئے چھ ہزار قیدی آزاد کر دیئے جاتے ہیں۔

پیروانِ اسلام کے نمونے۔ ۱۔ ہرمزان ایران کی فوج کا زبردست سردار، حکومت کسریٰ کا باعث فخر و مید جسکے ہاتھوں مسلمانوں کی بڑی تعداد داعی اجل کو لبیک کہہ چکی تھی گرفتار کر کے مکہ معظمہ لایا جاتا ہے۔ اور خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسکی موت کا حکم صادر ہوتا ہے۔ ہرمزان پانی پینے کے لئے مانگتا ہے۔ پانی دیا جاتا ہے۔ وہ التجا کرتا ہے کہ جب تک میں اس کٹورہ کا پانی نہ پی لوں قتل نہ کیا جاؤں۔ اسکی یہ التجا منظور کی جاتی ہے۔ مگر پانی پینے کی بجائے وہ پیالہ زمین پر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اب اسے نہ پیوں گا۔ تمام حاضرین اس کی اس چالاکی سے حیران رہ جاتے ہیں۔ ہاں وہ اسلام کی خوبیوں پر گرویدہ اور اس سے متأثر ہو کر اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ چہارم میدان جنگ میں اپنے دشمن (او خیو) کو پچھاڑتے ہیں اور سر جدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں کہ وہ روئے مبارک پر تھوک دیتا ہے۔ آپ اُسکے سینہ سے اُتر آتے ہیں اور اپنے مغلوب دشمن کی حیرانی و پریشانی کو یہ کہکر دور کرتے ہیں کہ "میں دین کی حمایت میں تجھ سے لڑا تھا مگر تیرے تھوک دینے سے غصہ معلوم ہوا۔ چونکہ غصہ نفس کا فعل ہے اس لئے نفس کی خاطر تجھے مار کر گنہگار ہونا نہیں چاہتا تیرا زیر کرنا پھر ہوتا رہے گا۔" اجی ضبط کی انتہا ہو گئی کہ اپنے قاتل کو تکلیف و ایذا دینے سے منع فرما گئے۔

۳۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے صوبہ دار کو یہ حکم لکھتے ہیں کہ مجھکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب کوئی فوج لڑائی پر بھیجتے تھے تو انکو حکم دیتے تھے کہ اللہ کا نام لیکر جنگ کرو۔ اللہ کے دین کی حمایت میں اللہ سے کفر کرنے والوں سے لڑو۔ فریب اور دھوکا نہ دو۔ عہد شکنی نہ کرو۔ مقتولوں کے ناک کان نہ کاٹو۔ اور کسی بچے۔ عورت یا ضعیف کو قتل نہ کرو۔ (خلیفہ نے لکھا) اور تم بھی اپنے لشکروں اور فوجی مہم والوں کو یہ ہدایت کر دو۔

یہ مذکورہ بالا مثالیں مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ اگر معترضین اسلام کا مطالعہ کرینگے تو شاید اُن کے خیالات تبدیل ہو جائیں گے۔ اور وہ ایسے لغو اعتراض سے باز رہیں گے۔ ان چند ہی مثالوں پر غور کر کے دیکھیں کہ مسلمانوں کا شعار کیا تھا۔

برٹش عہد میں کروڑوں ہندوستانی کس تلوار کے زور سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے

سو سال پیشتر ہندوستان کے اندر بہت کم مسلمان تھے۔ آج اُنکی تعداد پونے آٹھ کروڑ سے زائد ہے۔ کیا یہ محض تلوار کے زور سے مسلمان ہوئے ہیں؟ یہ تلوار اُسی وقت چل سکتی تھی، جب ہندوستان

پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ لیکن ایک بھی واقعہ اس قسم کا پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہو۔ کہ ان ایام میں بھی غیر مسلموں کو تلوار کے زور سے اسلام میں شامل کیا جاتا تھا۔ اگر اس زمانہ کے متعلق بھی کسی قسم کا شبہ ہو تو پھر ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ "برٹش حکومت کے آغاز سے لیکر اسوقت تک جو کروڑوں غیر مسلم اسلام کے حلقہ بگوش بنے ہیں ان پر کب تلوار چلائی گئی۔ کب ان کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا۔ "تمہارا نانا ہر سنگھ کو نصر اللہ بنانے والی تلوار کہاں ہے"۔ "سوامی شرو ہانند کے بھتیجے کو کس کی تلوار نے مسلمان بنایا"؟ "پنڈت ستیہ دیو کی گردن کسکی تلوار کے آگے جھکی۔ اور وہ کیوں مسلمان ہوئے"؟ "یورپ و امریکہ میں جو بیسیوں یورپین و امریکین مسلمان ہو رہے ہیں انکو کس کی تلوار ڈرا رہی ہے اور یورپ و امریکہ کے آزاد باشندے کس کے خوف سے مسلمان ہوتے جاتے ہیں"۔

مسلم اور ہندو جہاد کا مقابلہ

جہاد پر اغیار بہت اعتراض کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ اسلام میں کیسی اشد ضرورت اور حفاظت مال و جان کے وقت ہی اسکی صرف بطور دفاع ہی اجازت دی گئی ہے۔ "اہلحدیث امرتسر ۶ محرم ۱۳۴۷ھ میں مولوی ثناء اللہ صاحب "مسلم اور ہندو جہاد" کا یوں مقابلہ کرتے ہیں

قرآن مجید میں سب سے پہلی آیت جہاد یہ ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ یعنے "جن مسلمانوں کو مخالفوں کی طرف سے مارا جاتا ہے ان کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی ہاتھ اٹھائیں۔ اللہ انکی مدد کرنے پر قدرت رکھتا ہے"۔

یہ ہے ابتدائی تحریک اور بنیاد جہاد جس پر ساری عمارت بنی ہے۔ اب ذرا ویدک جہاد بھی سنئے۔ پرمیشور حکم دیتا ہے۔ "اے دشمنوں کے مارنے والے اصول جنگ میں ماہر بے خوف و ہراس پرجاہ و جلال عزیزو! اور جوان مردو! پرمیشور کے حکم پر چلو اور بدفرجام دشمن کو شکست دینے کے لئے لڑائی کا سرانجام کرو۔ دشمنوں کو تہ تیغ کرو تاکہ تمہارے زور بازو اور ایشور کے لطف و کرم سے ہماری ہمیشہ فتح ہو" (اتھرو وید ... انوواک ۱۰، ورگ ۹۷، منتر ۳)۔

اس منتر کی تشریح خود یہی منتر ہے۔ کسقدر صفائی سے حکم ہی نہیں بلکہ اظہار غصہ بھی ہے کہ بدفرجام (بدذات) دشمن کے ساتھ ایسا کرو۔

وجوہ ترقی اسلام

اتفاق کی بات ہے کہ جس روز حضرت ابراہیم (فرزند رسول اللہ) کا انتقال ہوا اسی شب کو چاند گرہن شروع ہو گیا۔ عرب کے بعض کمزور اور اوہام پرست لوگوں کے نزدیک یہ

واقعہ سخت المناک تھا۔ وہ فوراً دوڑ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم مسلمان ہونے کے لئے آئے ہیں"۔

آنحضرتؐ۔ "تم کیوں مسلمان ہونا چاہتے ہو۔ اسلام میں تمکو کیا خوبی نظر آئی"؟

لوگ۔ "یارسول اللہ! اب ہم کو یقین ہوگیا ہے کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ آج ہی حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا۔ اور آج ہی چاند گہن میں آگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے فرزند کا ماتم افلاک پر بھی ہوا ہے۔ یہانتک کہ چاند نے بھی ماتمی لباس پہن لیا"۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑھ کر اور کونسا موقع تبلیغ اسلام کا ہو سکتا تھا۔ لوگ آپ کے در پر کھڑے ہیں اور استدعا کر رہے ہیں کہ آپ ہم کو مسلمان کر لیجئے لیکن اُولوالعزم نبی کی راست گفتاری اور حق گوئی ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ابراہیمؑ کی وفات کی وجہ سے چاند گہن میں آگیا اور اس نے ابراہیمؑ کے غم میں ماتمی لباس پہن لیا۔ یاد رکھو۔ آفتاب وماہتاب کو کسی کی موت وزندگی سے کوئی تعلق نہیں"۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اور اللہ جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے۔ اگر ابراہیمؑ کی آج وفات نہ ہوتی تب بھی چاند گہن ہوتا۔ ارضی وسماوی کارخانے علیحدہ ہیں ان کو کسی کی موت وزیست سے کوئی تعلق نہیں"۔

اگر اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ نہیں تو خاموش ہی ہو جاتے اور ان لوگوں کو مسلمان کرکے اپنی قوت میں اضافہ کرتے۔ لیکن نہیں آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی بنیاد مستحکم نہیں ہے۔ ان کی ایک غلط بات نے رہنمائی کی ہے۔ جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام کی دیگر مذاہب سے زبردست رواداری

جناب مولانا ثناء اللہ صاحب مدیر اہل حدیث امرتسر نے موضع کانگڑی متصل ہردوار میں آریوں کی بڑی درسگاہ گوروکل کے سالانہ جلسہ پر مذہبی کانفرنس اپریل ۱۹۳۲ء میں اسلامی رواداری پر یہ مضمون پڑھا تھا۔

صاحبان! اسلام نے دوسرے مذاہب کے ساتھ دو طرح کا نیک برتاؤ کیا۔ ایک تو یہ کہ اس نے سب سے پہلے جملہ بھلے انسانوں کی عزت کرنے کی تعلیم دی۔ اور صاف حکم دیا کہ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ ہر قوم میں

راہ نما گذرے ہیں۔ انکی عزت کیا کرو۔ یہ بھی حکم دیا ہے کہ قرآن سے پہلے بھی خدا نے الہام کئے ہیں۔ ان سب کو صحیح مانو۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام سوائے خدا کے ہر قسم کی مخلوق پرستی پر سخت خفا ہے۔ اس فعل کو لائق عذاب قرار دیتا ہے۔ باوجود اسکے فرماتا ہے کہ غیر قومیں جن لوگوں کی پوجا پرستش کرتی ہیں اُن لوگوں کو نام مسلمان بُرا مت کہا کرو۔ ان کو اس سے تکلیف ہو گی۔

اس کے علاوہ اسلام نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ جو رواداری سکھائی ہے وہ بڑی تعریف کے قابل ہے۔ جسکی پوری تفصیل میں تھوڑے وقت میں نہیں کر سکتا البتہ تھوڑا سا اجمالی ذکر سناتا ہوں۔

اسلام دنیا میں سیاست اور صلح کا پیغام لایا ہے۔ اسلئے اسلام کے احکام دو قسم کے ہیں۔ صلح اور سیاست۔ ظاہر بینوں کی نظر غلطی کر جاتی ہے۔ جہاں وہ سیاسی حکم دیکھتے ہیں جھٹ بول اُٹھتے ہیں کہ اسلام میں غیروں کی رواداری نہیں۔ اسلئے ہم اس غلط فہمی کو آج دور کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام نے اپنے پیروؤں کی دو حیثیتیں رکھی ہیں۔ ایک تو رعایا ہونے کی حیثیت میں خواہ وہ اسلامی حکومت کی رعیت ہوں یا غیر مسلم کی جیسے آج ہم سب ہیں۔ دوسری سیاسی جس وقت مسلمان برسر حکومت ہوں۔ ہم اپنے مضمون کو اسی حیثیت سے لکھتے ہیں جس پوزیشن میں آج ہم سب ہندوستانی ہیں۔ یعنے بحیثیت ایک جگہ رہنے والی رعایا کے ہم کو اسلام نے دوسرے اہل مذاہب سے کیسا برتاؤ کرنا سکھایا ہے۔ بس حاضرین سنیں اور ناظرین پڑھیں۔

قرآن مجید میں عام ہدایت ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ یعنے "اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کیا کرو۔ اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم نیک سلوک کیا کرو۔ اور قریبیوں یتیموں مسکینوں کے ساتھ۔ نزدیکی پڑوسیوں۔ اجنبی کے ہمسایوں مجلس میں یا گاڑی وغیرہ میں ساتھ بیٹھنے والوں۔ مسافروں اور اپنے ماتحتوں وغیرہ سب کے ساتھ (خواہ کسی مذہب یا کسی قوم کے ہوں) نیک سلوک کیا کرو۔ اللہ تعالےٰ متکبروں، مغرور لوگوں سے پیار نہیں کیا کرتا۔"

ان آیات میں جتنے لوگوں سے احسان و مروت کرنے کا حکم ہوا ہے ان میں یہ شرط نہیں کہ یہ لوگ مسلمان

ہوں۔ بلکہ عام ہے جو بھی ہوں، مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں۔ محض انکی غربت، مسکنت اور ہمسائگی کا تقاضا ہے کہ ان سے سلوک اور احسان کرنے کا حکم ہے۔

ایک مقام پر نہایت مختصر لفظوں میں ارشاد ہے اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔ "جیسا خدا تم پر احسان کرے تم لوگوں پر احسان کرو"۔ رواداری کا سب سے بڑا اصل الاصول ایفاء وعدہ ہے۔ قرآن مجید نے ایفاء وعدہ کا بڑی تاکید سے حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ط "اے انسانو! وعدہ پورا کیا کرو۔ بے شک وعدہ سے سوال ہوگا"۔

حدیث شریف میں ایفاء وعدہ کو یہاں تک اہم قرار دیا ہے کہ خلاف وعدہ کرنے والے کو بے دین فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ "جو امانت گذار نہیں وہ ایماندار نہیں۔ جو وعدہ وفا نہیں وہ دیندار نہیں"۔

پبلک جانتی ہے کہ دنیا میں عقل ہی ایک جوہر لطیف ہے جسکی تلاش میں بالغ نابالغ سب کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے عقلمندوں کے نشان ایسے بتائے ہیں کہ نیکدلی اور رواداری سے پر ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ اُولُوا الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ "یعنی عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کا وعدہ پورا کرتے ہیں۔ اور مخلوق سے وعدہ نہیں توڑتے۔ اور جو الٰہی تعلقات کو جوڑتے ہیں۔ اور جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو لوگ خدا کو راضی کرنے کے لئے تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں۔ اور نماز پڑھتے ہیں۔ اور خدا کے دیئے ہیں سے اللہ کی راہ میں پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ اور برائی کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کا خدا کے ہاں انجام بخیر ہے"۔

دیکھا اور سنا گیا ہے کہ بعض لوگ کسی دوسرے شخص کے ساتھ رواداری اور سلوک کرنے سے اسلئے رکتے ہیں کہ ہمارے خاندان یا برادری کا نہیں۔ یہ اصول گو غلط ہے تاہم لوگوں میں پھیلا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے خیال کو عجیب طرز سے غلط فرمایا ہے۔ یعنی یہ امر ذہن نشین کرایا ہے کہ تم سارے انسان ایک ہی باپ اور ماں کے بچے ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى۔ "خدا نے تم انسانوں کو ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں سے پیدا کیا ہے"۔

غرض اس سے یہ ہے کہ تم انسان ایک ہی خاندان ہو پس رواداری اور احسان کرنے میں تم کو نسلی اور خاندانی امتیاز مانع نہیں ہونا چاہیئے۔ غرض اسلام کی تعلیم متعلق رواداری کا خلاصہ مولانا حالی مرحوم نے جو بتایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہُدیٰ کا　　　کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا　　　خلائق سے ہے جسکو رشتہ ولا کا

یہی ہے مروّت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

باقی احکام جو کلام مجید میں متعلق جنگ و جہاد ہیں وہ سیاسی و پولیٹیکل ہیں۔ جنکی بابت ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ حکومت کی شان ہے نہ رعیت کی۔ رعیت ہونے میں اسلام کی تعلیم متعلق رواداری صرف اتنی ہے کہ سے　کرو مہربانی تم اہل زمیں پر　　خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

یہودیوں پر مسلمانوں کا اعتماد

اسکے بعد طارق بڑھا۔ فتح وظفر نے اسکی رکاب کو بوسہ دیا۔ اُسے یہودیوں پر اسقدر اعتماد تھا کہ جب اس نے قرطبہ فتح کیا تو اُسے یہودیوں کی حفاظت میں چھوڑ دیا۔ یہودی عربوں کے نہایت وفادار دوست تھے۔ عربوں نے انکی خدمات کو فراموش نہیں کیا۔ اور ان کی خدمات سے ہزار گنا زیادہ معاوضہ دیا۔ جہاں مسلمانوں کا عَلم لہراتا تھا یہودی بھی جا پہنچے تھے۔ ان دونوں نے ملکر فلسفہ اور علم وفن کو ترویج دی۔ اور ہسپانیہ نے پھر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کر لیا۔

اسلام بزورِ شمشیر کے اتہام کی مسکت تردید

اسلام پر جو بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کا الزام اسکے دشمن اپنی جہالت یا بد نیتی سے دیتے ہیں یہ نہایت ظالمانہ اتہام ہے۔ یہ درست ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت سے ایک سو سال کے اندر مسلمان فاتحین نے معلوم دنیا کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ یعنے سب سے بڑی سلطنت جو اس سے پہلے دنیا دیکھ چکی تھی۔ اور وہ رومن امپائر تھی۔ ایک سو سال کے اندر مسلمانوں نے اس سے بڑی سلطنت قائم کر لی۔ لیکن مسلمانوں کا لشکر کشی کر کے فتح کرنا ہرگز اس بات کا مرادف نہ تھا کہ وہ اپنی رعایا کو اپنا مذہب قبول کرنے پر بھی مجبور کرتے تھے۔ نہیں بلکہ جو قومیں مسلمانوں کی حکومت قبول کر کے انہیں ایک خفیف سی رقم

بطور ٹیکس کے دینی منظور کرتیں کہ جسے مسلمانوں کی اصطلاح میں جزیہ کہا جاتا ہے۔ تو ہرگز اُن کے مذہب میں مداخلت نہ کی جاتی۔ اور انکی ہر طرح سے حفاظت اور حمایت کی جاتی۔ اور انہیں فوجی ملازمت سے بھی بری کر دیا جاتا۔ اور اتنی بڑی خدمت اور ذمہ داری کا معاوضہ یہ خفیف سا ٹیکس ہوتا تھا۔

مثلاً لاکھوں کروڑوں عیسائی اور یہودی اور پارسی اور ہندو جو مسلمان سلاطین کی رعایا بنے تو جہاں جہاں اُنہوں نے جزیہ دینا منظور کیا کسی نے اُن کے مذہب سے تعرض نہ کیا۔ لیکن (۱) سب سے بڑی دلیل اسلام کے بزور شمشیر پھیلانے کے حق میں یہ ہے کہ جن ملکوں کو مسلمانوں نے کبھی فتح نہیں کیا اور ان پر انہیں کبھی سیاسی استیلا حاصل نہیں ہوا۔ (۲) جن اقوام سے مسلمانوں نے شکست کھائی اور اُن کے ہاتھوں تباہ اور برباد ہو گئے پھر انہیں فاتح اقوام نے خود بخود اپنی مفتوح قوم کا مذہب قبول کر لیا۔ جیسے کہ سلجوقی ترکوں نے گیارہویں صدی مسیحی میں اور مغلوں نے چنگیز خان کے ماتحت تیرہویں صدی میں بغداد کو برباد کر دیا تھا اور (۳) نیز جن ممالک پر مسلمان کبھی سیاسی اقتدار لیکر نہیں گئے بلکہ محض بطور سیاحوں یا مسافروں کے گئے جیسے کہ چین اور روس اور جزائر جاوا و سماٹرا کا حال ہے وہاں آج کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ تلوار تو کہیں رہی یہاں تو مسلمانوں کے پاس لاٹھی بھی نہیں تھی بلکہ بطور رعایا وہ وہاں رہتے تھے۔

مسلم مبلغین کی خدمات

آرنولڈ صاحب آگے چلکر لکھتے ہیں کہ اسلام کی ترقی کے جو مختلف اسباب مثل معاشرتی سیاسی اور مذہبی کے ذمہ وار ہیں۔ ان میں نہایت زبردست وجہ مسلم مبلغین کی سرگرمی اور خلوص ہے کہ جنہوں نے تمام اطراف و اکناف عالم میں اپنے دین کی اشاعت کے لئے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ اور اُن سب کے رہنما اور سردار خود پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ مسلمانوں میں اشاعت اسلام کوئی بعد کا پیدا ہوا خیال نہیں ہے۔ بلکہ شروع سے ہی قرآن مجید میں اشاعت دین کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ آرنولڈ صاحب نے قرآن مجید کی مکی سورتوں میں سے چند آیات تبلیغ دین کی تائید میں منتخب کر کے نقل کی ہیں۔ اور اسکے بعد لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں جو سورتیں کتاب مجید کی نازل ہوئی ہیں کہ جس وقت پیغمبر اسلام کے ماتحت مسلمانوں کی ایک زبردست فوج اور ایک طاقتور جمعیت موجود ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی قرآن میں زبردستی سے تلقین دین کی ہدایت نہیں کی گئی۔

دو عیسائیوں کی رائیں ترقی اسلام پر

ایک عیسائی نے اسلام کی غیر معمولی ترقی کی توجیہ کرنے کی یوں کوشش کی ہے۔ اشاعت اسلام میں ایک نامور یورپین

مورخ (ڈالنجر) کی رائے نقل کی گئی ہے جس میں اس نے اس حیرتناک ترقی کی وجہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو اس مذہب نے اس سرعت سے حاصل کی جو آجتک کسی دوسرے مذہب کو اتنی قلیل مدت میں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہ لکھتا ہے:۔

"کیا یہ خالص مذہبی جوش تھا، یا ایک مذہب کی نئی طاقت تھی۔ جو اب پہلی مرتبہ اپنی تمام پاکیزگی کے ساتھ پھیلنے لگا تھا۔ کہ جس نے عربوں کی فوج کو ہر میدان میں کہ جس میں خود وہ ہوئی اُسے فتح و نصرت نصیب کی۔ اور خصوصاً اتنے قلیل زمانہ میں اتنی بڑی سلطنت قائم کر دی جو آجتک دنیا نے نہیں دیکھی تھی لیکن اس بات کی شہادت نہیں ملتی کہ یہی وجہ تھی۔ ان لوگوں کی تعداد نہایت کم تھی کہ جنہوں نے پیغمبر اسلام کی متابعت بطیب خاطر اور دلی اعتقاد سے قبول کی تھی۔ حالانکہ دوسری طرف اُن لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی کہ جو صرف بیرونی دباؤ اور دنیاوی منفعت کی امید سے اسلام میں داخل ہوتے تھے سیف اسلام خالد بن ولید اس دور اور ترغیب کے امتزاج کی بہت عمدہ مثال تھی کہ جس کے ذریعہ سے وہ خود اور بہت سے قریشی اسلام لاسکے۔ جبکہ خود اس نے کہا کہ خدا نے انہیں دلوں اور بالوں سے پکڑ کر پیغمبر صاحب کے پیچھے چلا دیا۔ ایک مقتدر گروہ سیف کے مغرور خیال کا بھی بڑا اثر تھا۔ اور یہ خیال اس زمانہ کے عربوں میں شاید ہر دوسری قوم سے زیادہ تھا کہ صرف جسکی وجہ سے بہت سے عربوں نے اپنے ہموطن پیغمبر اور اسکے مذہب کو ایک اجنبی کے پیغمبروں سے ترجیح دی۔ اس سے بھی زیادہ وہ کوشش تھی جو نئے مذہب کے لیے بکثرت مال غنیمت حاصل کرے۔ اور اپنے وطن کے ویران اور سنگلاخ بیابانوں کے عوض جہاں اُنکو بمشکل قوت لا یموت مل سکتی تھی۔ ایران شام اور مصر کے سرسبز اور سیر حاصل علاقوں سے بدل دینے کی امید تھی۔

یہ اقتباس پیش کر کے ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ صاحب بتلاتے ہیں کہ ان عالیشان فتوحات کے جنہوں نے [illegible] عربوں کی سلطنت کی بنیاد قائم کر دی تھی یقیناً جنگ مقدس [illegible] اسلام کی اشاعت کے لئے لڑی گئی تھی لیکن اتنے وسیع پیمانہ پر لوگوں نے عیسائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا کہ اکثر اوقات یہی نتیجہ اسکی غرض و غایت سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح عیسائی مورخین [illegible] مذہب اسلام کی اشاعت کا ذریعہ سمجھنے لگے۔

اسلامی رواداری

ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی مصنف اپنی مشہور کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے کہ جب [illegible]

عرب پر نظر ڈالیں گے اور انکی کامیابی کے اسباب کو ابھار کر دکھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اشاعت اسلام میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا۔ کیونکہ مسلمان ہمیشہ تمام مفتوح اقوام کو اپنے مذہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اگر اقوام عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کر لیا اور بالآخر انکی زبان کو بھی اختیار کیا تو یہ محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اپنے جدید حاکموں کو ان قدیم حاکموں سے جنکی حکومت میں وہ اس وقت سے قبل تھے بہت زیادہ منصف پایا۔ اور نیز انکے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مذہب تلوار کے زور سے نہیں پھیل سکتا۔

رابرٹسن اپنی کتاب چارلس پنجم میں یوں لکھتا ہے کہ وہ مسلمان ہی تھے جن میں اشاعت اسلام کے جوش کے ساتھ سچی رواداری بھی تھی۔ ایک طرف تو وہ اپنا دین پھیلاتے تھے اور دوسری طرف ان اشخاص کو جو اسے قبول نہ کرتے تھے اپنے اپنے ادیان پر قائم رہنے دیتے تھے۔

موسیو ریان اپنی کتاب سفر مشرق میں لکھتا ہے کہ عیسائیوں کے لئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ مذہبی رواداری میں جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قانون مروج ہے عیسائیوں کو مسلمانوں نے سکھایا۔ یہ بھی ایک بڑا ثواب کا کام ہے کہ انسان دوسرے کے مذہب کی عزت کرے اور کسی کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہ کرے۔

لیبان کی شہادت الزام شمشیر کے خلاف

فرانس کے بلند پایہ مؤرخ گستاولیبان اپنے ایک فاضلانہ مضمون "حضرت محمد اور قرآن" میں رقمطراز ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے دنیا میں سب سے پہلے وحدانیت خالص کی اشاعت کی۔ اسی خالص وحدانیت کی وجہ سے اسلام کی ساری سادگی اور شان ہے۔ اور یہ سادگی ہی اسلام کی قوت اور مضبوطی کا باعث ہوئی۔ اسلام دلوں کے اندر اس قسم کا زندہ اور پرجوش ایمان پیدا کر دیتا ہے۔ کہ پھر اس میں مطلقاً شک اور تذبذب کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمد صاحب کی تبلیغ و ہدایت اور قرآن کی تعلیم علوم طبعی سے موافقت رکھتی ہے۔ اسکا اثر یہ ہے کہ وہ انسان کے اخلاق کو نرم کرتی ہے اور انسان میں نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کا سبب یہ ہے کہ اس میں شہوات نفسانی کی باگ ڈھیلی کر دی گئی ہے اور علاوہ اسکے یہ مذہب بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ ہم نہایت آسانی کے ساتھ یہ ثابت کر سکتے

ہیں کہ یہ الزامات بالکل غلط ہیں۔ ہانگر نے ایک طول طویل فہرست ان اخلاقی احکام کی شائع کی ہے جو مسلمانوں میں بطور ضرب المثل کے رائج ہیں۔ بلا طرفداری اسلام یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مقولوں سے بڑھ کر کوئی دستور العمل انسان کو عملاً نیکی کی طرف راغب کرنے اور بدی سے محترز رکھنے کے لیئے راہنما نہیں ہو سکتا۔

یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مذہب بزور شمشیر نہیں پھیل سکتا جس وقت عیسائیوں نے اندلس کو عربوں سے فتح کر لیا اسوقت اس مفتوح قوم نے جان دینا قبول کیا لیکن مذہب تبدیل کرنا قبول نہ کیا۔ چین میں اگرچہ عربوں نے گز بھر زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا تاہم اسوقت چینی مسلمانوں کی تعداد دو کروڑ ہے۔[۱]

کارلائل کا اعتراف حقیقت

اسی طرح کارلائل نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ اگر اسلام کی اشاعت تلوار سے ہوئی ہے تو وہ کونسی تلوار تھی جس نے خالد ابن ولیدؓ۔ فاروق اعظمؓ اور عمرو بن العاص کو اپنا حلقہ بگوش بنایا۔ یہ تلوار خلق محمدی اور اسلام کی سچی تعلیم کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

شمشیر کا استعمال اصول اسلام کا اصلی جزو نہیں

اسی بارہ میں اور بزور شمشیر اسلام پھیلانے کی تردید میں مسٹر ایس پی سکاٹ جو عربی کے بڑے عالم اور ایک منصف مزاج عیسائی مصنف ہیں تاریخ اندلس کی جلد اول میں لکھتے ہیں:-

"جبر کا اصول جو بعد میں اسلام کے ساتھ ملایا گیا جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے اصول اسلام کا اصلی اور ضروری حصہ نہیں۔ حضرت محمدؐ نے شمشیر کے استعمال کی اسوقت تک ہدایت نہیں کی جب تک کہ تمام امن کے وسائل ختم نہ ہو جائیں۔ اور صرف دوران جنگ میں شمشیر کے استعمال کی اجازت ہے۔"

اسلام نے دنیا کے لیئے کیا کیا؟

ایک منصف کا جواب ایک عیسائی کو۔ کلکتہ کے اخبار اسپار نے اپنی لاعلمی اور تعصب کی وجہ سے ایک دفعہ یوں لکھا تھا کہ "اب جبکہ مسلم لیڈر نصرانی حکومتوں سے رحم کی درخواست کرتے ہیں۔ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے دنیا کے لیئے کیا کچھ کیا"۔ علوم و فنون سے اسلام بالکل بے بہرہ رہا ہے۔ قتل و غارت اور خونریزی اسکے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ لیکن موجودہ دنیا نے اس ناشائستہ کھیل کا کافی نظارہ کر لیا ہے۔ کیا آغا خان یا کوئی اور بہادر مسلم لیڈر ہمیں یہ بتلائیگا کہ اسلام نے دنیا میں بجز اسکے کیا کیا ہے کہ یا تو کشت و خون کرے یا جب حالات زیادہ سخت اور نازک ہو جائیں تو ایک عاجزانہ درخواست عیسائی سلطنتوں کی خدمت میں روانہ کرے"

---

[۱] ایک مصنف نے اپنی کتاب چین میں مسلمانان چین کی تعداد پانچ کروڑ لکھی ہے۔ منہ

ماڈرن ریویو کے فاضل ایڈیٹر مسٹر رامانند چیٹر جی نے اس زہر آلود تحریر کا جواب یوں دیا تھا جو ہر چند کہ نہایت مختصر ہے تاہم حقیقت پر مبنی ہے :-

ہمیں مصنف کی حالت پر رحم آتا ہے۔ اُسے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جیسی معمولی حوالہ کی کتاب کے حسب ذیل مضامین پڑھنے چاہئیں "عرب" "فلسفہ عربی" "اہل عرب" وغیرہ وغیرہ۔ ازمنہ وسطیٰ میں مسلمان تمام یورپ کے اساتذہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ ہمیں ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی انتظامی قابلیت سیاسی تدبر اور علوم و فنون کی ذہانت کا کافی ثبوت مل سکتا ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی تقلید میں سڑکیں بنانا۔ ان کی مالگذاری کا طریقہ وغیرہ اُن سے ترکہ میں حاصل کئے ہیں۔ موجودہ خیال کے مطابق مسلمان ہندوستان کے سب سے بڑے مورخ تھے۔ اگر آپ انکی تہذیب امور زندگی کے علوم و فنون کی تکمیل کے حالات پڑھنا چاہیں تو مسٹر ایم۔جی رانیڈے متوفی کے خطبہ صدارت میں دیکھیں جو انہوں نے ۱۹۰۰ء میں انڈین سوشل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں پڑھا تھا۔ اور جو انکی دیگر تصنیفات کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ خونریزی اور غارتگری کے بارہ میں مغربی عیسائی مصنفین کی کتب سے از روئے علم ریاضی یہ باسانی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس میں یورپ کی مسیحی اقوام سبقت لے گئی ہیں۔

باوجود مسلمانوں کی اس مفروضہ بے رحمی اور سنگدلی کے آرمینیوں جیسی چھوٹی سی قوم بھی نیست و نابود نہیں ہوئی۔ لیکن شمالی اور جنوبی امریکہ۔ آسٹریلیا، ایشیا، اور آفریقہ کی یورپی نو آبادیوں کی تاریخ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسقدر آباد قومیں تھیں جو بالکل تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ اور کسقدر صفحہ ہستی سے معدوم ہو چکی ہیں۔

ارباب رائے کی رائیں اسلام کے متعلق

غیر مسلموں کے ساتھ حکومت اسلامیہ کے برتاؤ کا دستور العمل

سپین کے بنی امیہ خلفا کی حکومت کی ایک مشہور و معروف بات قابل بیان ہے کیونکہ اس سے سپین کے ہمعصر عیسائی اور پچھلے مسلمان بادشاہوں کے مقابلہ میں بلکہ اس انیسویں صدی کے زمانہ تک انکے بادشاہوں کی بڑی عمدگی پائی جاتی ہے۔ یعنی ان کا عام طور سے دوسرے مذہب کو مذہبی معاملات میں آزادی دینا" (چیمبرز انسائیکلو پیڈیا)۔

تعصب کا دعا عجیب زعم اور محض ریاکاری ہے۔ ایک نہایت دانشمند مگر غیر معتقد عالم نے مسلمانوں

کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ وہ کسی شخص کو ایذا نہیں دیتے تھے۔ یہودی۔ عیسائی سب خوش و خورم تھے۔ جن ملکوں کو خلیفہ فتح کرتے تھے وہاں کے باشندے خواہ یونانی ایرانی خواہ ہندو قتل نہیں کئے جاتے تھے۔ ایک مثال بھی اس بات کی نہیں پائی جاتی کہ کوئی شخص اپنا مذہب چھوڑنے کے سبب جلا گیا ہو۔ نہ مجھ کو یہ یقین ہے کہ زمانہ امن میں کوئی شخص صرف اس وجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اس نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب با امن و امان اپنی ملکیت اور اپنے مذہب پر قابض چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ (اگاڈفرے ہگنز)

"حضرت محمد نے اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قائم کیں۔ ان سے خلفاء نے دوسرے مذاہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی"۔ (گبن)

"حضرت محمد نے قومی معاملات میں حق رسانی، فتح کرنے میں رحم اور حکمرانی کرنے میں اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے مذہب کی عدم مزاحمت احکام قرار دیئے ہیں۔ اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی۔ کسی کو ایذا نہیں پہنچائی۔ کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو سزا دینے کے لئے قائم نہیں کی۔ کبھی اسلام نے لوگوں کے مذہب کو بجبر تبدیل کرنے کا قصد نہیں کیا۔ ہاں اس نے اپنے مسائل کا جاری ہونا لازم سمجھا مگر اس کو جبراً جاری نہیں کیا۔ اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو فتحمندوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے تھے۔ اور مفتوح قومیں ان شرائط سے بھی آزاد ہوتی تھیں جو ہر ایک فتحمند نے ابتداء دنیا سے حضرت محمد کے زمانے تک قرار دی ہیں"۔

"اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذہب کو بجبر آزاد رکھنے کے بالکل برخلاف ہے۔ اسلام کی تاریخ کے ہر ایک حصہ میں اور ہر ایک ملک میں جہاں اس کو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نہ کرنا پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک عیسائی شاعر لاطینی نے علانیہ کہا تھا کہ "صرف مسلمان ہی روئے زمین پر ایک قوم ہیں جو دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں" اور ایک انگریز سیاح سلیمان نے مسلمانوں پر یہ طعن کیا ہے کہ "وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں"۔ (البسٹ اینڈ ویسٹ)۔

آریہ سماج کا تاریخی رویہ

جیسا کہ کسی دوسری جگہ لکھا گیا ہے اسلام بھی عیسائیت اور بدھ مذہب کی طرح ایک مشنری مذہب ہے

جو علی الاعلان لوگوں کو اپنی صداقت قبول کرنے کے لئے مشنریوں کے ذریعہ سے بلاتا ہے۔ اور ہندوستان میں جب سے مسلمان وارد ہوئے ہیں۔ بہت سے اکابر صوفیائے کبار اور علمائے کرام یہ کام کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر ٹامس آرنولڈ نے تفصیل سے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ لیکن گذشتہ بیس تیس سال کے اندر بعض آریہ سماجی لیڈروں نے اسلام کی اس اشاعت کی نقل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ پہلے پہل لاہور میں مسٹر رام بھجدت وکیل لاہور اور بعض دیگر آریہ سماجی لیڈروں نے ہندوؤں میں بھی شدھی کی تحریک پھیلانی چاہی۔ اور بعدہٗ سوامی شردہانند (سابق لالہ منشی رام وکیل جالندھر) نے شدھی کا کام زیادہ مستعدی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور ایسے دل آزار پیرایہ میں "رنگیلا رسول" اور "وچتر جیون" جیسی کتابیں پیغمبر اسلام کی توہین میں آریہ سماج کے زیر اثر چھپنے لگیں کہ ایک مسلمان نے دہلی میں سوامی شردہانند کو روز روشن میں مار ڈالا۔ اور اسی طرح دو مسلمانوں نے ایک ایسی ہی تصنیف پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی سے متأثر ہو کر کلکتہ میں دو بنگالیوں کو مار ڈالا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بغیر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم پر دلشکن اعتراض کرنے کے آریہ سماج کا کام نہیں چل سکتا۔ لیکن اگر اسلام پر ایسے اعتراض کرنے ہی ضروری ہیں۔ اسکے سوائے آریہ سماج کا کام ہی نہیں چل سکتا تو معترضین کو چاہیئے کہ تہذیب اور معقولیت کی حدود کے اندر رہ کر اعتراض کریں۔ اور اعتراض و نکتہ چینی سے پہلے اسلام کی کافی واقفیت حاصل کرلیں۔ نہ جیسا کہ سوامی دیانند جی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں اسلام و عیسائیت وغیرہ ادیان پر واہی تباہی اعتراضات کیئے ہیں۔ حالانکہ وہ عربی سے تو کہیں فارسی اور اردو تک سے بھی واقف نہ تھے۔ اسی طرح اسلام کے سوائے وہ بہائیت اور سکھ وغیرہ مذاہب کی کتابیں بھی نہیں جانتے تھے۔ وہ سنسکرت اور ہندو مذہب کے عالم ہوں گے۔ مگر اُن کے اعتراضات سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان مذاہب سے بالکل واقف نہ تھے۔ مگر سنی سنائی باتوں پر اعتراض کر دیئے۔

مسلمانوں کے احسانات ہند پر

بجائے طوائف الملوکی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے شہنشاہی ہندوستان میں مسلمانوں کی ذات سے قائم ہوئی۔ دو شاہنشاہی امن پھیلانے کا سبب ہوئی۔ اور جو شے امن پھیلانے کا سبب ہوئی اور جو شے امن پھیلائے اسے سمجھنا چاہیئے کہ وہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اور جس کی بدولت یہ نعمت حاصل

اسکا احسان سب سے بڑا ہے۔

واضح رہے کہ تمام آرین قومیں ایران اور ترکستان کی طرف سے ہمیشہ پے در پے ہندوستان پر حملے کرتی رہیں۔ انہیں قدیم حملہ آوروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب حملے شروع کیے تو یہ حملے بہ نسبت سابق کے زیادہ تر مہذب صورت میں کیے۔ اسلام قبول کرنے سے ان حملہ آوروں میں زیادہ خوبیاں پیدا ہو گئیں۔ اور ان مسلم حملہ آوروں نے ہمالیہ سے سنگلدیپ تک اور سواحل مشرق سے سواحل مغرب تک ہندوستان میں جو باامن حکومت اور مستقل شاہنشاہی کی بنیاد ڈالی۔ اس نے سرزمین ہند کی گذشتہ خوبیوں میں چار چاند لگا دیئے۔ اس نظر سے تاریخ ہند کو ہر شخص شروع سے آخر تک پڑھے۔ اور انصافانہ نظر سے غور کرے تو خود بخود سمجھ جائیگا کہ مسلمانوں کے احسانات باشندگان ہند پر اس زمانہ میں جبکہ سلطنت اسلامی کو ہندوستان میں عروج تھا کیا کیا تھے۔ اور اسکے ساتھ ہی سلطنت اسلامی کی تباہی کے زمانہ میں جو خرابیاں مسلمانوں کی سلطنت میں تھیں ان کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ گلستان کی سیر فصل بہار میں کیجیئے فصل خزاں میں بیکار ہے۔ مسلمانوں کی تاریخیں اس زمانہ کی پڑھیئے جب مسلمانوں کے حملے ہندوستان پر اور مسلمانوں کی کامل حکمرانی ہندوستان پر تھی۔ اور اسی زمانہ کی تاریخ دیگر ممالک کی پڑھیئے اور مقابلہ کیجیئے کہ دیگر ممالک میں فاتحین ملک غیر کا برتاؤ مفتوحین کے ساتھ کیسا ہوتا تھا۔ یا خود قدیم آرین کے حملہ آوروں نے اس زمانہ میں کیسا برتاؤ رکھا تھا جب وہ اسلام سے بے بہرہ تھے۔ اور پھر مقابلہ کر کے غور کیجیئے تو مسلمانوں کے تمام گذشتہ افسانے جو شکایت کے پیرایہ میں سنائے جاتے ہیں۔ خدا کی نعمت معلوم ہوں گے۔ اور یہ معلوم ہوگا کہ جو احسان مسلمانوں نے ہندوستان پر اپنے عہد حکومت میں کیئے وہ کسی قوم نے غیر قوم پر حکومت حاصل کرنے کے بعد زمانہ قدیم میں نہیں کیئے۔

ہندو حملہ آوروں کا جہاں سوز رویہ

جو سلوک ہندو حملہ آوروں نے ہندوستان کی اصل قوموں گونڈ اور بھیل وغیرہ سے کیا ہے۔ وہ اسی سے ظاہر ہے کہ آجتک یہ قومیں گو زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کوئی پولیٹیکل یا سوشل وقعت نہیں رکھتی۔ ان کو شودروں کی ذیل میں شمار کیا گیا۔ اور مار مار کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بھگا دیا گیا۔ پھر کورو اور پانڈو کی لڑائی جو مہابھارت کے نام سے مشہور ہے کس کو یاد نہیں۔ ایک ہی خاندان اور ایک ہی نسل تھی لیکن ہزاروں

نہیں بلکہ لاکھوں آدمی میدان کوروچھتر میں خاک و خون میں رل گئے۔ غرض جو زبردست راجہ کبھی ہوا ہے۔ اس نے زیر دست کو سر نہیں اٹھانے دیا۔ ہندوؤں کی تاریخ گو ہندوستان میں محفوظ نہیں رہی لیکن کشمیر میں ابھی پانچ چھ ہزار سال کے مسلسل واقعات تاریخ راج ترنگنی میں موجود ہیں۔ ہمارے دوست ان کو پڑھیں اور دیکھیں کہ اس چھوٹے سے ملک میں کسقدر خونریزیاں ہوتی رہی ہیں۔ اور تعصبات نے ملک کی حالت کہاں تک پہنچا دی تھی۔ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شائستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں محمود کے زمانے میں بلکہ اسکے بعد کئی صدیوں تک ایشیا سے بمراتب زیادہ وحشت و خونریزی اور بے رحمی میں مبتلا تھیں۔ اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوع انسان کی دو خصلتیں نہ کبھی بدلی ہیں اور نہ آئندہ بدلنے کی امید ہے۔ ایک طمع اور خود غرضی۔ دوسرے زبردستوں کا زیردستوں کو کچلنا اور پیسنا جس طرح مگرمچھ مچھلیوں اور مینڈکوں کو اور شیر اور چیتا ہرن اور بیل گائے کو نوش جان کرتا ہے اسی طرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔

مسلمانوں نے ہندوستان کو کس طرح فتح کیا؟

محمد شفیق خان صاحب نے مشرق میں لکھا تھا کہ اس سوال کے دو حصے ہونے چاہیئے۔ ایک تو یہ کہ اہل ہند کے قلوب مسلمانوں نے کس طرح فتح کئے اور دوسرا یہ کہ اہل ہند کی زمین مسلمانوں نے کس طرح فتح کی۔ دوسرے حصے کے متعلق ہندوستان کی تاریخ دیکھنا چاہیئے۔ جنکا مختصر جواب مختلف تاریخوں بغور پڑھنے کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح ڈاکو ڈاکہ زنی سے غیر کا مال اور متاع حاصل کرتے ہیں اسی طرح مسلمانوں نے بھی ہندوستان کو فتح کیا۔ مگر یہ ڈاکہ زنی سلف سے چلی آتی ہے مسلمانوں پر اسکا کوئی الزام نہیں ہے۔ ایرین قوم پہلے جس طرح ڈاکوؤں کی صورت میں اہل ہند پر پے در پے حملہ کرتی رہی وہی حملے کی صورت مسلمانوں کے وقت میں بھی قائم رہی۔ فرق اتنا ہوا کہ اسلام نے ان کو مہذب کر دیا تو اب غیر مہذب حملے کی جگہ مہذب حملے ہونے لگے۔ ایرین اسلام کے قبل جب ہندوستان پر حملہ کرتے تھے تو ہندوستان کے باشندوں کو اپنا غلام بنا لیتے تھے۔ اور ہندوستان کی (زمینداریاں) زمین کو غصب کرکے باہم تقسیم کر لیتے تھے۔ باشندوں کا حق مواشی سے کچھ بھی بڑھ کر نہ جانتے تھے۔ مسلمانوں کے جب مہذب حملے شروع ہوئے تو انہوں نے ہندوؤں کے جان و مال کی ذمہ داری اپنے ذمے لی۔ انکی زمین کو اپنے اوپر

حرام تصور کیا۔ وہاں کے باشندوں کو غلام بنانے سے بالکل پرہیز کیا۔ ہاں اسیرانِ جنگ کے متعلق رائیں مختلف تھیں۔ انہیں غلام بناتے تھے۔ اور بعض فاتح غلام بنانا خلافِ احکامِ قرآن سمجھتے تھے۔ اور جو غلام بناتے تھے وہ بھی اس حسنِ سلوک کے ساتھ کہ غلام نہ بنانے سے غلام بنانا بہتر تھا۔ یعنی غلاموں کو اپنا داماد اور اپنا جانشین اور اپنا ولی عہد تک قرار دیتے تھے۔ اور بڑے بڑے آزاد اس غلامی پر رشک کرتے تھے (جس کی مثالیں خاندانِ غلامانِ ہند اور خاندانِ ملوکِ ہند وغیرہ میں ملتی ہیں)۔

یہ تو صورت اس فتح کی ہے جو ڈاکوؤں کے لباس میں ہوئی۔ اب دوسری صورت فتحِ قلوب کی سنئے وہ البتہ قابل سننے کے ہے اور ایسی ہے کہ دنیا میں کوئی قوم دوسری قوم پر آج تک اس طرح فتحیاب نہیں ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ صوفیائے اسلام، علمائے اسلام، تاجرانِ اسلام کے ساتھ ہندوستان کا گشت بذریعہ جہاز رانی وغیرہ کرتے تھے اور ان کے اثرِ صحبت سے دینِ اسلام کی رغبت ہندوؤں کے دلوں میں پیدا ہوتی تھی۔ یہ حال مشرقی اور مغربی کے دلوں میں نورِ ایمان کی جھلک اب تک دیگر اطرافِ ہند کے مسلمانوں سے زیادہ ہے کہ جہاں ملک فتح کرنا مقصود نہ تھا نورِ ایمان کا پھیلانا مقصود تھا۔ وہاں بہتر صورت میں اسلام نمایاں ہوا۔

سب سے کم غلطیاں مسلم فاتحین نے کیں

بعض الزامات بعض بعض مسلمان بادشاہوں یا امراء کی زیادتی یا غیر مذاہب والوں سے بدسلوکی یا مندر کے گرانے یا کسی ہندو سے سختی کرنے کے لگائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے بعض صحیح ہوں۔ کیونکہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ اور شخصی مظالم یا زیادتیوں سے انکار گویا اپنی جہالت اور ضد کا ثبوت دینا ہوتا ہے۔ لیکن ایسی قابلِ اعتراض مثالیں کم و بیش سب اقوام میں پائی جاتی ہیں۔ اور اگر میزانِ تنقید و انصاف میں اچھی طرح تولا جائے تو یقیناً مسلمان ہی وہ قوم نکلے گی کہ جس سے سب سے کم ایسی بداخلاقیاں سرزد ہوئی ہوں۔ کیونکہ مذہب اور [illegible] کے قیود نے مسلمانوں کو سختی سے ایسی باتوں سے محترز رہنے کی تاکید کی ہے۔

انفرادی واقعات کی مثال بے معنی ہے

ہر چند کہ مذہبِ اسلام میں جبراً دین پھیلانے کی کوئی ہدایت یا حکم نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف بعض مسلمان بادشاہ یا امراء [illegible] غیر مذہب والوں کو مسلمان کرنے کی شکایت ہندوؤں میں جاری ہو چکی [illegible] نہیں کہ [illegible] مبالغہ آمیز ہیں تاہم ایک منصف مزاج مسلمان کبھی اطمینان نہیں [illegible] ان سب شکایات کو بالکل بے بنیاد [illegible] اصل میں قرار دے سکتا ہے [illegible]

معلوم ہوتا ہے کہ ضرور بعض اوقات میں بعض حاکموں یا سرگرم قاضیوں اور ملاؤں نے کچھ نہ کچھ زبردستی یا سہل انگاری کی ہوگی۔ تاہم نہ یہ الزام سب مسلمان سلاطین پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ یہ عام میلان حکومت کا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً پنجاب میں حکومت رائے کا قتل۔ یا بعض دیگر معدودے چند بے انصافی کے واقعات۔ یا اورنگ زیب عالمگیرؒ کا سوا من جنیؤ توڑ وا کر کھانا کھاتا۔ یہ ہرگز میزان عقل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آٹھ سو سال کی اسلامی حکومت کے اندر اور کروڑوں غیر مسلم رعایا میں سے صرف بعض کے ساتھ کوئی بے اعتنائیاں ظہور میں آئی ہوں تو ان سے یہ نہیں نتیجہ نکالا جا سکتا کہ سبھی مسلمان بادشاہ ظالم اور متعصب تھے۔ کیا آج باغیوں یا حکومت کے خلاف ارتکاب جرائم کرنے والوں کو حکومت سزائیں نہیں دیتی؟ یہ بھی مد نظر رکھنا چاہیئے کہ اگر آج انیسویں صدی مسیحی میں یورپ کی تہذیب کا اور رنگ ہے تو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ چند صدیاں پہلے ہندوستان میں اسلامی حکومت میں جو انصاف اور تہذیب تھی اسوقت کے یورپ کو وہ بھی نصیب نہ تھا۔

اسلامی کامیابی کا راز

ابتدائے اسلام میں دنیا میں ایرانی اور رومی دو زبردست قومیں عربوں کی ہوئی ہیں کیا یہ ممکن تھا کہ مسلمان تلوار کے زور سے ان قوموں پر غالب آجاتے۔ حالانکہ انکی تعداد اسوقت چند ہزار سے زیادہ نہ تھی؟ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ دنیا میں سب سے بڑا جنگجو اور بہادر شخص اٹیلا تھا۔ باوجودیکہ اُسکے ساتھ قوم ہون کے لاکھوں آدمی تھے۔ مگر وہ ان ملکوں پر جو رومن امپائر کی سرحد سے ملے ہوئے تھے قبضہ نہ کر سکا۔ نہایت محنت اور تکلیف کے بعد وہ صرف اسی بات پر قادر ہوا کہ اپنی جرار فوجوں کے ساتھ اُن ملکوں سے عبور کر گیا۔ مگر انکے باشندوں کو کسی تدبیر سے مطیع اور حلقہ بگوش نہ کر سکا۔ مسلمان جب رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں آئے تو انکے پاس نہ اسقدر فوج تھی جو شمار میں اٹیلا کی فوج سے برابری کرتی۔ نہ اسقدر سامان جنگ تھا جو رومیوں اور ایرانیوں کے سامان جنگ کے سامنے کچھ حقیقت رکھتا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انکی حالت ایسی کمزور تھی کہ ان عظیم الشان قوموں کے مقابلہ میں انکا کوئی نام بھی نہ لیتا تھا۔ باوجود ان کمزوریوں کے اسلام پچاس برس سے بھی کم عرصہ میں ان ملکوں پر غالب آگیا جنپر یہ نامور قومیں اپنی عظمت و جلال کے پھریرے اُڑا رہی تھیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر فتح کی وجہ قوم کی کثرت اور سامان جنگ کی افراط نہ تھی تو پھر آخر اسکا کیا سبب تھا کہ مسلمانوں نے اسقدر جلد ان عظیم الشان قوموں کو پاش پاش کر دیا اور انکے ملکوں پر قابض ہو گئے؟

جواب یہ ہے کہ وہ چیز جس نے مسلمانوں کے ہاتھ میں ان ملکوں کی حکمرانی کی باگ سونپ دی نہ وہ خونخوار فوجوں کی کثرت تھی نہ آبدار تلواروں کی جھنکار تھی۔ بلکہ وہ مذہبی آزادی تھی جو مسلمان حکمران اپنی عملداری میں غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کو عطا کرتے تھے۔ یہ پاکیزہ اور اعلیٰ اصول جسکے بغیر انسانی ترقی نہیں ہو سکتی ایام جاہلیت میں نہ تھا۔ اور اسلام سے پیشتر دنیا کی تاریخوں میں بھی اسکا نام و نشان نہ پایا جاتا تھا جب اسلام نے یہ شائستہ اور عمدہ اصول جاری کئے تو علاوہ اسکے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیبیہ کی صلح میں جس معاہدہ پر دستخط کئے تھے وہ سب سے پہلا انٹرنیشنل معاہدہ تھا۔ جب مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو عیسائیوں نے یہ خیال کیا کہ مذہبی آزادی اور انصاف کا جو وعدہ مسلمانوں نے کیا ہے وہ غالباً دھوکے اور فریب پر مبنی ہو گا۔ پس انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے خلیفہ کے سوا اور کسی کو یہ شہر سپرد نہ کرینگے۔ اگر تمہارے خلیفہ یہاں آکر معاہدہ پر بذات خود دستخط کر دیں تو ہم بے تکلف تمہاری اطاعت منظور کر لیں گے۔ انکے اصرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ بہ نفس نفیس بیت المقدس کو تشریف لے گئے۔ اور اپنے ہاتھ سے اس مشہور معاہدہ پر دستخط کئے جسکے باعث بیت المقدس مسلمانوں کے دائرہ حکومت میں شامل ہو گیا۔ اسوقت عیسائیوں نے مسلمانوں کا نہایت خوشی سے استقبال کیا اور انکی اطاعت دل سے قبول کی۔ اسلام نے ذلت اور غلامی کا وہ طوق انکے گلے سے نکال ڈالا جو رومی گورنمنٹ نے مدت دراز سے ڈال رکھا تھا۔ بہت سے یہودی اور عیسائی مسلمانوں کا یہ عمدہ اور فیاضانہ سلوک دیکھکر مسلمان ہو گئے اور جو مسلمان نہ ہوئے انہوں نے اسلامی حکومت کے زیر سایہ صدیوں امن و امان اور آرام و اطمینان سے زندگی بسر کی۔ یہ آزادی اور یہ آسائش جو مسلمانوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کو دی رومیوں کی حکومت میں کبھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ یہی سبب تھا کہ رومیوں کی سلطنت پر زوال آنے لگا۔ اور یہی وہ چیز تھی جس نے غیر قوموں کے دلوں کو مسخر کیا۔ اور جس سے شہر کے شہر بغیر جنگ و پیکار کے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے۔ ہرقل جو اس زمانہ میں رومی سلطنت کا قیصر اور جو بہادری اور دلیری میں مشہور تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ ایک دفعہ سے زیادہ مقابلہ نہیں کیا۔ اور باوجود اسکے کہ اسکی فوجیں مسلمانوں کی فوجوں سے بہت زیادہ تھیں مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس نے میدان جنگ سے بھاگنے کے وقت بلند آواز سے کہا کہ اے پیارے ملک شام! میں اب تجھ سے رخصت ہوتا ہوں اور تجھ پر ہمیشہ حکومت کرنے کی حسرت جو دل میں ہے اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں"۔ ہرقل کو اچھی طرح یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور سے فتح حاصل نہیں کی بلکہ ان کی فتوحات

کا بڑا اعتبار یہ ہے کہ انکی حکمرانی کے اصول نہایت شائستہ ہیں اور وہ معاہدہ کے سخت پابند ہیں۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں نے انہیں پاکیزہ اور عمدہ اصولوں کی برکت سے افریقہ اور ایشیا کے بڑے حصہ کو فتح کیا اور ان ملکوں کے باشندے یا تو اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے یا ذمی ہو کر انکی حکومت کے سایہ میں آزادی اور آسائش سے رہنے لگے۔

۷۱۱ء میں اسپین کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں بلایا تاکہ وہ اس ملک کو فتح کر کے قوم گاتھ کے ظلم و ستم سے انکو آزاد کریں۔ ۷۱۱ء فتح میں بھی انہوں نے اسپین کے باشندوں پر کوئی جبر نہیں کیا بلکہ انکو پوری مذہبی آزادی عطا کی۔

برخلاف اسکے جب دسویں صدی ہجری میں عیسائی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انکے جنرل نے اس شہر کے باشندوں کے ساتھ نہایت ظالمانہ برتاؤ کیا۔ اور یہ اس برتاؤ کے بالکل مخالف تھا جو حضرت عمرؓ نے تین صدی پہلے انکے ساتھ کیا تھا۔

جب صلیبی معرکوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تعصب اور عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ تو سلطان صلاح الدین نے ایک منٹ کے لئے بھی ان قوانین سے غفلت نہ کی جو اسلام قوموں کے درمیان تعلقات قائم رکھنے کے لئے بنایا تھا اور اسکے ساتھ ایسی بے تکلفی کا برتاؤ کرتا تھا کہ جو شخص انکو دیکھتا تھا یہ یقین نہ کر سکتا تھا کہ ان میں کوئی عداوت ہے۔ یا دونوں نے کسی وقت ایک دوسرے کے قتل کے لئے تلوار اٹھائی ہے۔ اسی طرح جب دونوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتا تھا تو مشکل سے یقین آسکتا تھا کہ یہ دونوں ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھا چکے ہیں۔ وہ خاص حکم جسکے باعث اسلام بہ نسبت دیگر مذہبوں کے ممتاز ہے یہ ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں۔ ذمیوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کے جو احکام اسلام نے نافذ کئے ہیں وہ بھی ایسے عمدہ ہیں کہ جب غیر قوم کے آدمی کے بطور ذمی کے مسلمانوں کے دائرہ حکومت میں شامل ہو جاتے ہیں تو ان میں اور مسلمانوں میں کوئی ظاہری امتیاز باقی نہیں رہتا۔

یہی وہ مہتم بالشان اصول ہیں جنکی وجہ سے اسلام آسانی سے دنیا میں پھیل گیا۔ اور جس سہولت اور سرعت کے ساتھ [illegible] کو فتح کیا اسی آسانی اور تیزی کے ساتھ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان [illegible] اور ترکوں نے روم اور اسپارٹہ کے ملکوں کو فتح کیا۔ دولت

عثمانیہ کی بنیاد رکھنے والے اپنے آبائی اور اصلی ملک پہ قانع تھے اور شریعت اسلام کے قوانین پر پورا عمل کرتے تھے اور انکی شجاعت اور رواداری مشہور تھی۔ نیکیا، نیکومیدیا اور صوبہ بی تھینیا کے دیگر شہروں کے باشندوں نے انکو اپنے شہروں میں بلایا اور انکی اطاعت جان ومال سے قبول کر کے انکو اپنے شہروں پر قابض کر دیا۔ جن اشخاص نے عثمان اول کی تاریخ کو مطالعہ کیا ہوگا وہ جانتے ہوں گے کہ اس سلطان نے صوبہ مذکور کو جبر وستم اور تلوار کے زور سے فتح نہیں کیا۔ بلکہ خود اس صوبہ کے باشندوں نے چاہا تھا کہ رومیوں کے ظلم وستم سے آزاد ہو کر سلطان کے سایہ حکومت میں آجائیں جس میں انکو انصاف اور بہبودی کی زیادہ توقع تھی۔ اسی نمونہ کو پیش نظر رکھکر بروسہ کے باشندوں نے اطاعت قبول کی اور اپنا شہر ترکوں کے سپرد کر دیا۔ اس زمانہ سے پیشتر دنیا کے کسی ملک میں باقاعدہ اور تنخواہ دار فوج نہ تھی۔ سلطان اورخان نے ینی چری فوج بھرتی کرکے سلاطین یورپ کے لئے ایک نہایت عمدہ مثال قائم کی جسکو دیکھ کر انہوں نے بھی باضابطہ تنخواہ دار فوج رکھنی شروع کی۔

صوبہ تھریسیا کے حاکموں نے بھی جو رومی گورنمنٹ کی طرف سے حکمرانی کرتے تھے ترکوں کو اپنے صوبہ پر قابض کر دیا۔ اس واقعہ پر کوئی شخص تعجب نہیں کر سکتا کیونکہ مسلمان اسپین میں بھی اسی طرح داخل ہوئے تھے اور کونٹ جولین نے اپنے بادشاہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر انکی فوج کو اپنے ملک کے ساحل پر اترنے کی اجازت دے دی تھی۔

جب ایشیائے کوچک اور تھریسیا پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور خونریزی کی ضرورت نہ رہی تو عیسائی یورپ کو یہ امر نہایت ناگوار ہوا۔ انہوں نے ترکوں کے برخلاف صلیبی لڑائیاں برپا کرنی شروع کر دیں۔ گو یہ مقصد نہ تھا کہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑائیں بلکہ قسطنطنیہ کے میدانوں کو ترکوں کے خون سے رنگین کرنا منظور تھا تاکہ ان کو اس شہر پر حکومت نہ کرنے دیں۔ ان لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود عیسائیوں کا [illegible] میدانوں میں بیشمار خون بہایا گیا۔ تاہم ترکوں نے اسیران جنگ کے ساتھ نہایت مروت [illegible] کیا اور جب وہ اپنے ملکوں کو واپس گئے تو ان سے نہ فدیہ لیا نہ انکو کوئی نقصان پہنچایا۔ انہوں نے رومیوں اسپارٹہ میں داخل ہونے کے وقت عیسائیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ انکو کامل مذہبی آزادی عطا کی اور نہایت فیاضی اور رحم کا برتاؤ کیا۔

تمام فتوحات میں مسلمانوں کا یہی وطیرہ رہا۔ انہوں نے دیگر فاتحوں کی طرح کبھی اس اصول پر عمل نہیں کیا کہ جو قوم مغلوب ہو اسکو بالکل کچل ڈالو۔ تاریخ سے کافی ثبوت ملتا ہے کہ مسلمان فاتح ہمیشہ مفتوح قوموں

ساتھ مروّت اور انسانیت سے پیش آئے۔

سلطان سلیم اول کے عہدِ حکومت میں جب ترکوں نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تو دنیا کے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ سلاطین ترک سے بہتر کوئی حکمران ایسا نہیں ملسکتا جو حرمین کی کامل حفاظت کر سکے۔ اس بنا پر خاندان عباسیہ کے سب سے اخیر بادشاہ نے جو اسوقت مصر میں موجود تھا سلطان کو امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین تسلیم کر کے اُسکے ہاتھ پر بیعت کی۔ فی الحقیقت اس زمانہ میں کوئی مسلمان بادشاہ اس قابل نہ تھا کہ مسلمانوں اور غیر قوموں میں عمدگی اور خوبی سے تعلق قائم رکھ سکے اور شریعت کے احکام کو قوّت کے ساتھ نافذ کر سکے۔

سلطان سلیمان اعظم کے زمانہ میں ترکوں کی سلطنت معراج کمال پر پہنچ گئی تھی۔ یورپ کے تمام سلاطین تسلیم کرتے تھے کہ ترکوں کی برّی اور بحری فوجیں تمام یورپ میں بے نظیر ہیں۔ واٹنا (دار الخلافہ آسٹریا) کا محاصرہ نہایت مشہور اور عظیم الشان واقعہ ہے جس سے ترکوں کی برّی فوج کی عظمت اور قوّت ثابت ہوتی ہے۔ انکی بحری فوج کے کمانڈروں خیر الدین باربروصہ کے نام سے بھی غالباً ہر شخص واقف ہوگا جس نے "میڈیٹرے نین سی" (بحیرۂ روم) میں ایک تہلکہ برپا کر رکھا تھا۔ اور جسکے حملوں کے خوف سے غیر قوموں کے جہاز ہمیشہ لرزتے تھے۔ ابن خلدون نے سلطنت اور حکومت کو انسان کے جسم سے تشبیہ دی ہے جو رفتہ رفتہ نشو و نما کر کے جوانی تک پہنچتا ہے۔ پھر بیماریاں اسپر طاری ہوتی ہیں۔ اور طبیبوں سے معالجہ کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

بعض یورپ کے سیاح اور آثار قدیمہ کے جویا جو علمی تحقیقات کی غرض سے ممالک عثمانیہ میں آتے ہیں۔ اور اُن مورتوں اور کتبوں کی نسبت اپنی معلومات کو وسیع کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے ممالک یورپ کے بڑے بڑے عجائب خانوں میں دیکھے ہیں اور جو اس ملک سے منتقل ہو کر گئے ہیں۔ مگر وہ جب اُن عمارتوں کو دیکھتے ہیں جو اب سے دو یا تین ہزار برس پہلے گزشتہ فرمانرواؤں نے تعمیر کی تھیں اور جنکی رونق اور آب و تاب اب باقی نہیں تو وہ قرآن مجید کے احکام سے ناواقف ہونے کے سبب اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اسوقت جو کھنڈر ممالک عثمانیہ میں نظر آتے ہیں وہ مسلمانوں کا مذہبی تعصب ظاہر کر رہے ہیں اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو مسلمان اپنے مذاق یا اپنے عقیدے کے برخلاف جانتے تھے انکے برباد کرنے میں ذرا تامل نہ کرتے تھے۔ انکا یہ خیال کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے ساتھ تعصب کا اظہار کیا ہے۔ غالباً اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ہسپانیہ کے عیسائیوں نے اپنے مخالفوں کی مذہبی تحقیقات کرنے اور

انکو سخت ترین سزائیں دینے کے لئے ایک محکمہ ایجاد کیا تھا جسے انکوئی زیشن کہتے تھے اور جس نے بیشمار آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ علاوہ اسکے وہ ہولناک واقعہ بھی ان کی نظر کے سامنے ہے جبکہ سینٹ بار تھالومیو کے عرس کے دن رومن کیتھولک عیسائیوں نے پروٹسٹنٹ مذہب کے عیسائیوں کو کچل ڈالا تھا اسکے سوا ہم کوئی وجہ نہیں جانتے کہ وہ مسلمانوں کو ایسا ہی ظالم اور متعصب کیوں خیال کرتے ہیں اور فولنی۔ شالو بریان۔ رینان۔ گلیڈسٹون کی وریدہ دہنی اور بدزبانی کی تقلید کر کے انکو اور انکے مذہب کو کیوں برا بھلا کہتے ہیں۔ قدیم یادگاروں کا برباد کرنا اسلام کا کوئی حکم نہیں۔ اور اگر کسی نادان مسلمان نے ایسا کیا بھی ہو تو یہ الزام خاص اسکی ذات پر آتا ہے مسلمانوں کی قوم اور ان کے مذہب پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی۔ اسلام نے غیر قوموں اور غیر مذہب والوں ہی کے ساتھ تحمل کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ یہ بات بھی سکھائی کہ نہ کسی شخص کو جبر کے ساتھ مسلمان کیا جائے نہ مذہب کی اشاعت میں فریب آمیز طریقوں کا استعمال ہو جبر اور مذہب والے کاربند ہیں۔ اسلام نے چودہ صدیوں تک جو دنیا کی بہت سی قوموں اور شائستہ ملکوں پر حکمرانی کی ہے اسکی وجہ اسکے سوا کوئی نہیں کہ اسکے تمام طریقے انصاف اور تحمل پر مبنی ہیں۔

جنگ کا اصول قرآن مجید میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ تم پر ظلم و زیادتی سے حملہ کریں تم بھی اُن پر حملہ کرو۔ مگر انتقام کی حد سے تجاوز نہ کرو"۔ اس حکم سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے کسی قوم پر ابتداءً حملہ نہیں کیا۔ اور نہ وہ آئندہ کر سکتا۔ بلکہ اسکی لڑائیوں کی بنیاد ہمیشہ مدافعت پر رہی ہے۔ غالب یا مغلوب ہونا تقدیری امر ہے جو کسی قوم کے قبضۂ اقتدار میں نہیں ہیں۔

اسلام مسلم مشنریوں اور صوفیوں نے پھیلایا

اشاعت اسلام صرف صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے کی تھی	ہندوؤں کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا سبب سلطنت اسلامیہ کی کوشش

نہ تھی بلکہ بابا فرید شکر گنج رح۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء۔ حضرت خواجہ برہان الدین۔ حضرت خواجہ ظہیر الدین لودھی۔ حضرت سید یوسف عرف سید راجو قتال حسینی۔ حضرت شیخ صدر الدین قریشی۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی۔ حضرت مولانا ظہیر الدین بھکری۔ حضرت مولانا فخر الدین ہانسوی سید تاج الدین بدایونی۔ شیخ وحید الدین عثمانی۔ مولانا مسلم الدین۔ حضرت شمس الدین شیرازی بھکری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم

جو سب کے سب درویش اور فاقہ مست عالم تھے۔ تبلیغ اسلام میں مصروف اور ہندوؤں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر رہے تھے۔ ساتھ ہی یہ تصور بھی قائم رہنا چاہیئے کہ سلاطین اسلام جنہوں نے ہندوستان میں حکومت کی۔ ان عالموں اور درویشوں کو اکثر مخالفت کی نظر سے بھی دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء جو صرف صوفی ہی نہیں بلکہ عالم متبحر بھی تھے اور دہلی میں معروف درس و تلقین تھے۔ ان کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کے تعلقات کشیدہ تھے۔ ان کے مرید مولانا شمس الدین یحییٰ کو بھی کشمیر جانے کے لئے کہنا اسلئے نہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق کو ملک کشمیر میں اشاعت اسلام کا اہتمام مدنظر تھا۔ بلکہ وہ مولٰنا ممدوح سے ناراض اور ان کو دارالسلطنت دہلی سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس نے دراصل ان کو جلاوطنی کا حکم ان الفاظ میں دیا تھا۔ اور وہ مولانا موصوف کی تبلیغی اور اشاعتی سرگرمیوں سے ناخوش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو سلطان تغلق سے شکایت ہو سکتی ہے کہ اس نے جس طرح ملک کے سرسبز و آباد کرنے۔ زراعت پیشہ لوگوں کو (جو سب ہندو تھے) خوشحال و فارغ البال بنانے ملک میں امن وامان قائم کرنے۔ بیرونی حملوں سے ملک کو محفوظ رکھنے۔ عدل و انصاف کے لئے بہترین قوانین نافذ کرنے اور بغاوتوں کا سلسلہ مٹانے میں جس ہمت و مستعدی اور قابل تعریف طرز عمل کا اظہار کیا۔ اسی قسم کی سرگرمی تبلیغ اسلام اور ہندوؤں کو مسلمان بنانے میں کیوں ظاہر نہیں کی۔ اور اکثر مبلغین اسلام کی جانب سے کیوں سرگراں ہوا۔ لیکن کسی ہندو کو تو اس سے شکایت ہی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے موجودہ بائیس کروڑ ہندوؤں میں بائیس ہندو بھی ایسے نہیں بتائے جا سکتے جو اس بات کا دعویٰ کریں کہ ان کے بزرگ سلطان تغلق یا علاءالدین خلجی کے دائرہ حکومت اور سلطنت سے باہر تھے یا مسلمانوں کے محکوم و مغلوب نہ تھے۔ یہ بائیس کروڑ ہندو درحقیقت بائیس کروڑ دلائل اس بات کے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں اپنی سلطنت و سطوت و شوکت کو تبلیغ اسلام کے لئے قطعاً استعمال نہیں کیا۔ اور لوگوں کو مذہب کے معاملے میں مختار رہنے دیا اور اسلام کی تعلیم ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ط

جنوب مشرقی یورپ کے مسلمان

اس زمانہ میں اگر کوئی شخص پرانی وضع کے ترکوں کو دیکھنا چاہے تو جائے اور بلقان کی سیر کرے۔ بس صرف جزیرہ نمائے بلقان میں رسچک کی تنگ و تار گلیوں میں۔ جزیرہ آدا قلعہ کے سرسبز و شاداب باغات میں

سیراجیوو کی مساجد کے صحن ہیں۔ اور علاقہ ودبروجہ کے کسانوں میں آپ کو پرانے فیشن کے ترک کی صورت دکھائی دے سکتی ہے۔ استنبول تو "چڑیا خانہ" بن گیا ہے جہاں بھانت بھانت کے جانور بولیاں بولتے ہیں۔ یہاں کے باشندے "ہال ٹیٹی باپ کلانگ نیچے ہوئے رنگ برنگ" کے مصداق ہو گئے ہیں۔ حقیقی انہیں کی ایسی تو "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا" کی مثل ترکان استنبول پر صادق آتی ہے۔ رہا انقرہ تو اب وہ بھی مغربی تہذیب کی بالٹی میں غوطہ کھا چکا ہے۔ عورتوں نے چہروں سے نقاب اتار پھینکے ہیں اور "ووٹ ووٹ ووٹ" کہہ کے چیخ پکار مچا رہی ہیں۔ سینما، ناچ گھر اور دیگر پبلک مقامات میں تمام ترک مرد یورپین لباس پہنے ہیٹ لگائے۔ اچھے خاصے "ٹامی" بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب دور دراز خیال ہے کہ اس طرف تمام پرانی ترکی ہے۔ لہذا اگر آپ کو پرانی ترکی کا جلوہ دیکھنا منظور ہے تو یورپ جا کر دیکھئے۔

مسلمانان بلقان۔ بوڈاپسٹ اور ویانا میں بزمانہ کرسمس بیوی بچوں کو مختلف کانونٹ سکولوں میں بھیجا اور پہونچانے کے بعد ہم کو رومانیہ، بلغاریہ اور یوگوسلافیہ کی بھی سیر و سیاحت کرنے کا موقع ملا۔ یورپ کے ان تمام اگر ان ممالک کے مسلمانوں کو دیکھا جائے تو ان کی تعداد بہت قلیل ہے مگر ہے اس قابل کہ جس قدر توجہ ابتک انکی طرف کی گئی ہے وہ اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔

خوبصورت اور دلفریب شہر سیراجیوو کی سیر کیجئے تو وہاں چالیس مسجدیں دکھائی دیں گی۔ اور بہت سے تکئے (فقراء و صوفیاء کی خانقاہیں) نظر پڑیں گے۔ یہاں کے اسکول بچوں اور قاریوں کی آواز سے چہچہاتے ہیں۔ یہاں کی پرانی پرانی دوکانیں کتب فروشوں کی۔ دقیانوسی وضع کے چھاپہ خانے۔ نقاب پوش عورتیں عربی ٹوپیاں پہنے ہوئے۔ جوان مرد یہ سب مناظر دیکھ کر دل میں فوراً خیال پیدا ہوتا ہے کہ ابھی یہاں سے اسلام کا جنازہ نہیں اٹھا۔ یا ابھی یہاں کے مسلمان اس حالت کو نہیں پہنچے جو سمجھتے ہیں جذب ہو جائیں۔ اور یہی حالت کے عجیب و غریب شہر بازارچق اور سلیسترہ یا بیرین وادی نہر ڈینیوب کے دیہات کی ہے۔ بوماق کسان اور بشناقہ پردہ نشین قبائل جنکے بچے صوفیہ اور فلپوپولس کے قریب کتب خانوں میں قرآن پڑھتے دیکھے گئے۔ یہ تمام باتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ جنوب مشرقی یورپ میں بھی پرانی قسم کے اسلام کی گرفت ان لوگوں کے دلوں پر ابھی تک موجود ہے۔ اگرچہ اصلاحات و ترقی کی بعض بعض علامتیں نظر آتی ہیں لیکن خیال یہ ہے کہ زیادہ تر یہ قلیل التعداد لوگ بحالت جمود ہیں اور یورپین زندگی کے بحر ناپیدا کنار میں مثل چھوٹے چھوٹے ایشیائی جزیروں کے نظر آتے ہیں۔

عربی زبان کا اثر۔ اس روز سے جب ہم شہر وارسا کے ایک کوچہ میں ایک مکان کے اندر جہاں مسلمان لوگ نماز پڑھتے ہیں گئے تھے۔ اُسوقت تک جب ہم نے سیراجیو میں اسکول کے لڑکوں کو کالے تختہ پر چند جملے عربی اور ترکی میں لکھکر پیش کئے تھے۔ ہم نے ہر جگہ یہی دیکھا کہ اگرچہ پیروان اسلام کی زبانیں مختلف ہیں مگر سب جگہ دین اسلام کی کلید ایک ہی ہے۔ یعنی زبان عربی۔ یہ سچ ہے کہ ہم تمام اہم مراکز کی سیر نہیں کر سکے نہ ہم کسی جگہ زیادہ ٹھہر سکے۔ مگر جہاں جہاں بھی ہم پہنچے وہاں ممتاز و سربرآوردہ مسلمانوں اور مسیحی کارکنان سے بذریعہ سوالات خوب چھان بین کر کے ہم نے اس حصہ دنیا کے اسلام کے متعلق کافی واقعات اور اعداد و شمار حاصل کر لئے کم از کم اتنے تو ضرور حاصل کر لئے جن سے ہمارا دل مطمئن ہو گیا۔ جنوب مشرقی یوروپ کے مسلمان محض ہمسایہ نہیں ہیں بلکہ ان کے آپس میں تعلقات رشتہ داری بھی ہیں۔ یعنی وہ سب تقریبًا ایک نسل کے ہیں کسی زمانہ میں وہ سب ایک ہی دادا کی اولاد تھے۔ ان لوگوں کے قدیم بزرگ مسیحی شہدا گذرے ہیں۔ جن کے مزاروں پر جاکر اب تک یہ مسلمان دعائیں مانگتے ہیں۔ اسلئے ان ممالک کے کلیسا کو ہدایت ہے کہ ان لوگوں کو عیسائی نہ بنائے بلکہ انکو پھر حلقہ مسیحیت میں داخل کرے۔ کیونکہ وہ لوگ پہلے عیسائی تھے یعنی یہ لوگ عیسائیوں سے نو مسلم ہوئے تھے لہٰذا انکی "مسیحی شدھی" کر لی جائے۔

یورپ میں اسلام کیونکر داخل ہوا؟ اب ذرا اُن واقعات کو دیکھئے کہ یوروپ میں اسلام کیونکر داخل ہوا۔ جنگ تور کے بعد مغربی ممالک میں تو اسلامی فتوحات کا سلسلہ بند ہو گیا تھا مگر جنوب مشرقی یوروپ کا حملہ بھی جلد شروع ہو گیا تھا۔ ۶۴۸ء میں مسلمانوں نے جزیرہ قبرص اور ۸۲۳ء میں جزائر رہوڈس اور قریطش (کریٹ) فتح کر لئے تھے۔ اور جنوبی اطالیہ سے ۱۰۵۰ء تک مسلمان لوگ پوری طرح نکالے نہیں جا سکے تھے۔ تیرہویں صدی کے آخر میں مسلمانوں نے ترکان عثمانی کی ماتحتی میں پھر یوروپ کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ ایڈریانوپل فتح کر لیا گیا۔ تھریس۔ بلغاریہ۔ ویلاخیہ اور سربیہ کو اسلامی ترکتازوں نے پوری طرح روند ڈالا تھا۔ اور صدی کے اخیر میں ملک یونان بھی ترکوں کا ایک صوبہ بنگیا تھا۔ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح ہو گیا۔ اور اس طرح رومیوں کی مشرقی سلطنت کی قسمت پر مہر لگ گئی۔ مگر اسکے ۲۳۰ سال بعد محاصرہ ویانا کی ناکامیابی سے جنوب مشرقی یوروپ میں فتوحات اسلامی کا سیلاب رُک گیا۔ ۱۴۵۹ء میں اہل سربیہ کو ترکوں نے شکست فاش دی اور انکو بھی اپنا غلام بنا لیا۔ الغرض تمام ملک باستثنا جبال اسود (مانٹی نیگرو) کے جہاں ابتک جوش حریت و آزادی سینوں میں موجزن تھا۔ ترکوں کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ اسکے بعد ۱۸۰۴ء سے ۱۸۱۳ء تک

اس ملک میں جہاد حریت شروع ہوا۔ اور بعد ازاں بیسیوں برس تک ملک سربیہ سلافی قوم کا ترکوں کے خلاف مرکز شورش و بغاوت بنا رہا۔

اہل ہنگری نے بھی علمبردار مسیحیت بنکر جنرل ہونیادی کی زیر قیادت مسلم حملوں کی مزاحمت و مدافعت کی۔ سنہ ۱۴۴۲ء میں انہوں نے صوفیہ کے قریب ترکوں کی ایک طاقتور سپاہ کو شکست دی اور ہووا میں داخل ہو گئے۔ سنہ ۱۴۵۶ء میں ایک اور زبردست جنگ ہوئی جسکی رو سے شہر بلغراد کی جان بچ گئی۔ مگر تابکے؟ کیونکہ سنہ ۱۵۲۱ء میں سلیمان اعظم کی سپاہ جرار نے شہر فتح کر لیا۔ اور سنہ ۱۵۲۶ء میں سلیمان اعظم کا شہر بوڈاپسٹ میں بہ تزک و احتشام داخلہ ہوا۔ اسکے بعد سنہ ۱۶۸۳ء تک ان بلاد پر ترکوں کا قبضہ رہا۔ حتیٰ کہ سوبیسکی نے شہر وائنا کی جان بچائی۔

سنہ ۱۶۸۳ء لغایت سنہ ۱۶۹۹ء یعنی ۱۶ برس تک سخت جنگ ہوتی رہی۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام ملک ہنگری ترکی غلامی کے جوئے سے آزاد ہو گیا۔ مگر اسلام کی اشاعت بلقان میں دیگر ذرائع سے صدیوں تک جاری رہی اور اسکا اثر پولینڈ تک پہونچ گیا۔

مگر ملک البانیہ میں اسلام کا داخلہ سنہ ۱۲۶۲ء میں حضرت سری سقطیؒ ولی کے دم سے ہوا جو مقدونیہ کے رہنے والے ایک اللہ والے لوگ تھے۔ اہل البانیہ ان کو ولی سمجھتے ہیں اور اُن کے مزار کی ابتک زیارت ہوتی ہے۔ اسی طرح بلا زور شمشیر ترقی و اشاعت اسلام کی اور بھی چند مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وعظ و تلقین کے ذریعہ سے بہت سے عیسائیوں کو دین اسلام میں داخل کیا گیا۔ مگر ظلم و ستم اور دباؤ سے زیادہ کام لیا گیا۔

مجلہ "اکانومک اینڈ فنانشل ریویو" (بلغراد سنہ ۱۹۲۶ء) میں ایک مضمون نگار آجکل کے مسلم قلیل التعداد جماعتوں کی حالت کا ذکر کرتا ہوا تمام حال مختصراً اس طرح بیان کرتا ہے کہ:۔

ترکی حکومت نے چار صدیوں تک فطرت انسانی کی تمام کمزوریوں سے کام لیکر اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔ مسلمانوں کی قلیل التعداد جماعت کو ہر قسم کی فوقیت حاصل تھی۔ اور چونکہ وہ جماعت سب سے زیادہ طاقتور جماعت تھی اسلئے شہروں میں تمام تجارت اور صنعت و حرفت اُسی کے ہاتھ میں تھی۔ علاوہ ازیں یہ جماعت حکومت کی منظور نظر تھی اور اس سے مدد حاصل کرتی تھی۔ مسیحی عنصر اس جماعت سے کم درجہ پر تھا۔ زرعی مزدوروں کی حیثیت سے عیسائیوں کو مالک کی مرضی کا غلام بننا پڑتا تھا۔ بلکہ بعض حالتوں میں تو اس کے حقوق پہلے زمانہ کے غلاموں سے بھی کم تھے۔ اور جب کوئی عیسائی شہر کا باشندہ ہوتا تھا تو اُسکو دو

درجہ کا شہری شمار کیا جاتا تھا۔

حکومت عثمانیہ کا صرف ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ جس طرح بھی ہو سکے عیسائی اکثریت کے مقابلہ میں مسلم جماعت کو زیادہ قوی اور زیادہ با اثر بنایا جائے۔ اقتصادی نظر سے تو یہ اصول ترقی کے لئے نہایت مضر تھا اور اسکا نتیجہ یہ ہونا لازمی تھا کہ مذہبی تعصب اور نسلی عناد میں اضافہ ہو۔ علاوہ ازیں ترکوں کی پرانی ناقص حکومت نے جس میں نہ صرف فقدان اخلاقیات پایا جاتا تھا۔ بلکہ کام کرنے والی جماعتوں کو آزادی دینے کا بھی مطلق خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ ہر قسم کی اقتصادی سرگرمیوں پر پانی ڈال دیا۔ زراعت گرتے گرتے درجہ ادنیٰ تک پہونچ گئی۔ اور کاشتکاری صرف اسقدر اجناس تک محدود ہو گئی جو عمدگی زمین، موافقت آب و ہوا اور ارزان محنت کے ذریعہ سے ایسی عمدہ فصل پیدا کر دیتی تھیں جو بیرونجات کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۲۳ء میں سلطنت عثمانیہ کے اندر ایسے بھی اقطاع موجود تھے جہاں ضروریات زندگی کی چیزیں بھی پیدا نہیں ہو سکتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں جب یورپ میں سلطنت عثمانیہ کو زوال ہو گیا تو اسوقت عیسائیوں اور مسلمانوں کی حیثیت اقتصادی کا موازنہ حسب ذیل تھا۔

نہایت زرخیز اور قابل زراعت اراضی کا زیادہ حصہ مسلمانوں کی ملکیت تھا۔ اور تمام عیسائی کسانوں اور کاشتکاروں پر انکی حکومت تھی۔ شہروں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اور جسکی وجہ سے تمام شہر مشرقی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس طرح عثمانی حکومت کے خاتمہ تک مسلم اقلیت مسیحی اکثریت پر سخت حکومت رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ خلاف قانون اور ظلم و ستم کے درجہ تک پہنچ جاتی تھی۔ اور اسی وجہ سے مذہبی تعصبات کی خلیج زیادہ وسیع ہو گئی تھی۔

جنوب مشرقی یورپ کی مسلم آبادی۔ مندرجہ ذیل نقشہ سے واضح ہو گا کہ جنوب مشرقی یورپ میں اسلام کا مسئلہ کسقدر زبردست مسئلہ ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز اور تعجب خیز امر ہے کہ اسوقت بلقان میں جو لندن سے صرف ۵۰ گھنٹہ کی مسافت پر ہے ۳۵ لاکھ سے زیادہ مسلمان موجود ہیں اور یہ میدان ابھی مسیحیت کے قبضہ سے خارج ہے

نمبر شمار	نام مالک	کل آبادی	تعداد مسلمان	نمبر شمار	نام مالک	کل آبادی	تعداد مسلمان
۱	رومانیہ	۱۷۱۵۳۹۳۲	۲۵۰۰۰۰	۵	یونان و قبرص	۷۰۰۰۰۰۰	۲۴۴۴۲۲
۲	بلغاریہ	۵۴۸۳۱۷۵	۶۹۰۷۳۴	۶	یوگوسلافیہ	۱۲۰۱۷۳۲۳	۱۳۳۷۹۸۷
۳	ترکی در یورپ	۱۲۷۰۱۰۰	۷۷۰۱۰۰		میزان کل تعداد مسلمانان ۴۸۵۰۲۹۱		
۴	البانیہ	۸۱۷۴۱۰	۵۶۰۳۴۸				

ترکوں کو چھوڑ کر ان میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہیں جو اُن آبا و اجداد کی نسل ہیں جنہوں نے یورپ کے اس حصہ میں بزمانۂ اقبال و سطوت اسلام دین مسیحی ترک کر دیا تھا۔ ان لوگوں کی زبان بھی وہی ہے جو ان کے ہمسایوں کی ہے۔ یہ ہمسائے مشرقی کلیسا کے پیرو ہیں۔ اب یہ لوگ آزاد و خود مختار حکومتوں کے ماتحت رہتے ہیں اور پوری طرح اپنی ہی نسل کے مسیحی باشندوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ بعض صورتوں میں ان لوگوں کا حال درج کرتے ہوئے اس خیال سے کہ مسلمان ہر جگہ مسلمان ہوتا ہے انکو حیثیت عمومی دی جا سکتی ہے۔ مگر بلقان میں تاریخ جنگ و جدال۔ اختلافات زبان و نسل اور موجودہ مصنوعی سیاسی حدود کسی دوسرے خیال کا القاء کرتے ہیں۔

رومانیہ۔ چونکہ جنگ عظیم کے بعد ملکوں کی جدید حد بندی ہوئی ہے اسلئے اب سلطنت رومانیہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑی ہو گئی ہے۔ اب اس میں بیسارابیہ بوکووینا۔ ٹرانسلوینیا اور بانات کا کچھ حصہ شامل ہیں۔ صوبہ بیسارابیہ میں بمشکل کوئی شخص مسلمان ہوگا۔ ایک قوم پائی جاتی ہے جسکا نام گجاؤز ہے۔ یہ لوگ اگرچہ ترکی زبان بولتے ہیں مگر ان کا مذہب مسیحی ہے۔ نسلاً یہ لوگ تاتاری ہیں۔ ان کے آبا و اجداد ۱۸۲۹ء میں ترک وطن کر کے معاہدہ ایڈریانوپل کے بعد روسی فوجوں کے ساتھ پہلے آئے تھے اور بیسارابیا میں آباد ہو گئے تھے۔ مگر رومانیہ میں مسلمانوں کی آبادی وادی دریائے ڈینیوب میں آباد ہے دریائے ڈینیوب کے ادھر اُدھر مغرب میں اور سووا اور مشرق میں کانسٹنزا واقع ساحل بحیرہ اسود کے درمیان جس قدر دیہات واقع ہیں ان میں مسلمان لوگ آباد ہیں۔ خصوصاً بخارسٹ کے مشرق میں علاقہ دوبرجہ کے اندر مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ خاص بخارسٹ میں بہت کم مسلمان ہیں اگرچہ وہاں کی پبلک پارک میں بھی ایک مسجد ہے جو اکثر عید کے تہوار کے دن کام میں لائی جاتی ہے۔ جمعہ کی نماز بھی اسی میں پڑھی جاتی ہے۔

ہند میں نور اسلام کس طرح پھیلا

(از علامہ ٹامس آرنلڈ مرحوم)

عیسائیوں کے نزدیک تبلیغ کے ذرائع

موجودہ زمانہ میں دنیا سے عیسائیت کے نزدیک تبلیغی

کاروبار کے لئے مشنری سوسائٹیاں۔ تنخواہ دار مبلغین۔ چندے۔ رپورٹیں۔ اخبارات اور اسی قسم کی دوسری جدوجہد اجزاء لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں اور انکے نزدیک مستقل اور باضابطہ نظام تبلیغ کے بغیر اشاعت مذہب کا لفظ بے معنے ہے۔ مسیحی گرجا کے مذہبی نظام نے ابتدائے عہد سے لامذہبیوں میں تبلیغ مسیحیت کو جائز قرار دیا ہے اسکے مبلغین عموماً باقاعدہ اور سند یافتہ پادری اور راہب تھے۔ اور گرجاؤں و مشنری سوسائٹیوں کی طرف مخصوص توجہ تبلیغ مسیحیت کے لئے صرف ہوتی آئی ہے۔ اور اس امر کو اہم ترین فرائض سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن اسلام میں راہب اور پادری کی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اور اسلئے اس کی تبلیغ کے لئے جو کچھ بھی کیا گیا ہے اسکو عیسائیوں کی منظم تبلیغ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہاں کوئی مشنری سوسائٹی نہیں ملتی۔ کوئی باقاعدہ طور پر تربیت یافتہ مبلغین نہیں ہیں اور کوشش کا تسلسل تو بالکل ناپید ہے۔ اس کلیہ سے وہ چند مذاہب مستثنے ہیں جن کی ترتیب و تنظیم میں عیسائیت کی خانقاہیت موجود ہے۔ لیکن ان میں بھی ایک عام مسلمان اور مبلغ مذہب کے مابین کوئی امتیاز اور تفریق نہیں پائی گئی اور نہ ہی وہاں مذہبی اعمال و مراسم کے لئے کوئی مخصوص جماعت یا قوم مخصوص کی گئی ہے۔ اور اور یہی تفریقات ہیں جنکی بنا پر اسلام اور عیسائیت کے تبلیغی نظام میں امتیاز کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کی ذمہ داری کا احساس اس قسم کی مذہبی جماعت کے نہ ہونے سے جو مذہب کی تبلیغ کے لئے خاص طور پر قایم کی گئی ہو جو نقصانات واقع ہو سکتے ہیں اسکی تلافی عام مسلمانوں کے احساس ذمہ داری سے پوری ہو گئی۔ خدا اور مسلمانوں کے مابین کوئی درمیانی واسطہ نہیں ہے۔ اور اس واسطہ کی عدم موجودگی کے باعث ہر مسلمان کی شخصی نجات اور فلاح کی ذمہ داری خود اسپر عاید ہوتی ہے۔ لہذا لازماً وہ زیادہ پابند مذہب اور مذہبی مراسم کی اوائیگی میں زیادہ محتاط اور باقاعدہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مذہب کے اصول اور عبادات کی تعلیم میں زیادہ محنت کرتا ہے۔ اور چونکہ انکی اہمیت اس کے دل پر زیادہ نقش ہوتی ہے اسلئے غیر مسلموں کے مقابلہ میں اپنے مذہب کی اشاعت کا جذبہ اسکے دل میں زیادہ موجزن رہتا ہے۔

جو مسلمان دوسرے شخص کو مسلمان کرنا چاہتا ہے اُس کو اس امر کی ضرورت نہیں کہ وہ نو مسلم کو کسی مستند مذہبی معلم کے سامنے پیش کرے جو باقاعدہ طور پر اس کو گرجا کی بادشاہت میں قبول کر لے۔ اور نہ ہی اسے کسی قسم کی غلطی کے ارتکاب پر گرجا کی طرف سے سرزنش کا خطرہ ہے۔ لہذا یہ قول کہ ہر مسلمان ایک مبلغ ہے

کتنا ہی مبالغہ آمیز ہو۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہر مسلمان مبلغ ہو سکتا ہے۔ اور بہت کم متقی مسلمان ایسے ہونگے جو غیر مسلمان کے ساتھ روزمرہ کے تعلقات رکھتے ہوں اور وہ اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی تعمیل نہ کریں کہ اُن لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ بلا۔ (قرآن مجید)۔

الغرض باقاعدہ مبلغین اسلام کے دوش بدوش جنکا مقصد زندگی ہی یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ اسلام کے اصولوں کی تبلیغ کرنے والوں میں سوسائٹی کے ہر طبقہ کے مرد و عورت پائے جاتے ہیں۔ بادشاہ سے لے کر کسان تک اور ہر پیشہ اور حرفہ کے ذریعہ کسب معاش کرنے والے اسلام کے اصولوں کی تبلیغ کرنے والوں میں سوسائٹی کے ہر طبقہ کے مرد و عورت پائے جاتے ہیں۔ بادشاہ سے لیکر کسان تک اور ہر پیشہ اور حرفہ کے ذریعہ کسب معاش کرنے والے اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔ مسلمان تاجر اپنے ہم پیشہ عیسائی کے برعکس خصوصیت کے ساتھ اس شغل مقدس میں مصروف رہا ہے۔ ہندوستان میں تبلیغ اسلام کرنے والوں کی فہرست لاہور کے ایک رسالہ میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ہم کو اسکول ماسٹر، گورنمنٹ کے کلرک، محکمہ نہر وافیم کے ملازم، اخبار نویس، جلد ساز اور مطبع کے مزدور کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی فرصت کا وقت جو دن بھر کے کاروبار سے بچ رہتا ہے۔ بازاروں اور گلیوں میں عیسائیوں اور ہندوؤں کو جنکے مذاہب پر وہ اعتراضات کرتے ہیں اسلام کی دعوت دینے میں گزارتے ہیں۔

خواتین اسلام کی تبلیغی کوششیں

یہ تسلیم کرنا بیحد دلچسپ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کا فرض تنہا مردوں ہی نے نہیں ادا کیا۔ بلکہ مسلمان عورتوں نے بھی اس مقدس کام میں حصہ لیا ہے۔ بہت سے مغل شاہزادے اور بادشاہ اپنی ایک مسلمان ملکہ کی بدولت(?) اسلام لائے۔ اور یہی حال بہت سے کافر ترکوں کا ہوا، جو حملہ کرتے ہوئے [illegible] مبلغین نے جو چاڈ جھیل کے شمال میں قوم ٹوبو میں اسلام پھیلانے آئے لڑکیوں کے لئے مدارس قائم کئے [illegible] میں عورتوں کے غیر معمولی اثر سے فائدہ اٹھا کر وہ ان قبائل کو اسلام میں داخل کر لیتے ہیں [illegible]۔ جرمنی مشرقی افریقہ میں غیر مسلم قبائل اپنے گھروں سے نکل کر کچھ مدت کے لئے [illegible] کھیتوں میں کام کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں اُن لوگوں کو وہ مسلمان عورتیں [illegible] اسلام [illegible] وہ عارضی طور پر نکاح کر لیتے ہیں۔ یہ عورتیں کسی بد عقیدہ [illegible] سے تعلق رکھتے [illegible] ہوتا ہے کہ [illegible] مسلمان ہو کر اسلامی سوسائٹی کے [illegible]

گزشتہ صدی کے ابتدائی نصف میں اسلام کی اشاعت کا فخر زیادہ تر عورتوں کی تبلیغی کوششوں کو حاصل کرتا ہے۔ بالخصوص عیسائی بادشاہوں کی ان بیویوں کو جنھوں نے اپنے بچوں کو اسلام کے اصولوں پر پرورش کیا۔ اور اس مذہب کی اشاعت کے لئے ہر امکانی کوشش کی۔ حبشہ کی مغربی سرحد پر ایک اور لامذہب قبیلہ ہے جسے برانز کہتے ہیں۔ اس قبیلہ کے کچھ لوگ حبشیوں کی ایک رجمنٹ میں بھرتی ہو گئے۔ جو سوڈان کی انگریزی مصری حکومت سے متعلق تھی۔ جب یہ بٹالین خرطوم واپس جا رہی تھی تو کالے سپاہیوں کی بیویوں نے ان لوگوں کو مسلمان کر لیا۔ قازان کی تاتاری عورتیں خصوصیت کے ساتھ اسلامی تبلیغ کا زبردست جذبہ رکھتی ہیں۔ مومن عورت محض عورت ہونے کے باعث اسلام کی تبلیغ کی سعادت سے محروم نہیں کی جاتی۔

حضرت نفیسہؓ کی کرامت

ایک روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی اولاد میں سے چند خدا رسیدہ خواتین کربلا سے ہوا میں اڑ کر لاہور میں پہنچ گئی تھیں۔ وہاں انہوں نے اپنی پاک بازی زندگی اور صوم و صلوٰۃ کے زور سے ہندوؤں کو سب سے پہلی مرتبہ مسلمان بنایا۔ اگر اس قسم کی بزرگ عورتوں کے تبلیغی اثر کا استدلال ایک فسانہ ہو تو یہ روایت عالم وجود میں نہ آتی۔ قاہرہ میں ایک مقدس مقبرہ نفیسہ خاتون کا ہے جو حضرت حسنؓ کی پڑپوتی ہوتی تھیں۔ ان کے علمی اور اسلامی تبحر کو دیکھ کر امام شافعیؒ تک معترف ہو گئے تھے۔ اور آپ کے تقدس اور تقویٰ کے باعث وہ ولیہ سمجھی جاتی تھیں۔ ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ مصر میں آ کر قیام پذیر ہوئیں تو ان کے پڑوس میں یہودیوں کا ایک خاندان آباد تھا جس کی لڑکی اس قدر بیمار تھی کہ وہ اپنے دست و پا کو ہلا بھی نہیں سکتی تھی اور ہمیشہ بستر پر دراز رہتی تھی۔ ایک روز سبت کو وہ والدین بازار گئے اور حضرت کو لڑکی کی نگہداشت کے لئے چھوڑ گئے۔ حضرت نفیسہؓ نے خدا کی رضا اور انسانوں کی ہمدردی کے لئے اس خدمت کو اختیار کیا۔ جب لڑکی کے والدین چلے گئے تو انہوں نے خدا کی طرف ہاتھ اٹھائے اور اس بیمار لڑکی کے لئے صحت کی دعا کی۔ ابھی ان کی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ لڑکی کے اعضا و جوارح حرکت کرنے لگے۔ اور وہ اٹھ کر اپنے ماں باپ کی واپسی پر ان کے استقبال کے لئے دروازہ تک گئی۔ اس کرامت کو دیکھ کر اور اس احسان کے لئے شکر گزار ہو کر وہ تمام خاندان مسلمان ہو گیا۔

اسلام ہندوستان میں کس طرح پھیلا؟

ساتویں صدی میں جب اسلام کا جھنڈا بلند ہوا اور عرب کی سب قومیں ایک جھنڈے کے سایہ میں جمع ہو گئیں تو تحریک کو

بہت زور پہنچا جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے شروع ہو گئی تھی۔ عرب چاروں طرف تیزی کے ساتھ پھیلنے لگے۔ ان کی فوجیں جنگلوں، میدانوں اور پہاڑوں کو عبور کرتی ہوئی شام، ایران، افغانستان اور بلوچستان کو طے کر کے ہندوستان کی سرحد پر پہنچیں۔ مسلم بیڑوں نے ایرانیوں کے بیڑوں کو سمندر کی عمیق گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سونپ دیا اور بحر ہند پر اپنا قبضہ کر لیا۔ ان بیڑوں کے ساتھ ساتھ عرب کے سوداگر بحر ہند کی ساری تجارت کے ٹھیکہ دار ہو گئے۔

کوئلم میں مینگو نام کے قبرستان میں علی عثمان کی قبر پر ۱۶۶ھ و ۷۸۲ء کا کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی میں مالابار کے ساحل پر مسلمان آباد ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کا اثر بہت جلد بڑھ گیا۔ ہندو راجاؤں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ ان کی تجارت کے لئے آسانیاں بہم پہنچائیں۔ ان کو زمین خریدنے اور مسجدیں بنانے کی اجازت دی۔ مالابار میں آزاد ہوتے ہی ان سوداگروں نے اپنے مذہب کے پھیلانے کی کوشش شروع کر دی۔ مسلمانوں میں پروہت اور پادری نہیں ہوتے لیکن ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مذہب کی اشاعت کرے۔ تبلیغ کے کام میں نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں تک نے بڑا حصہ لیا۔ حضرت حسنؓ کی پڑپوتی سیدہ نفیسہ نے مصر میں بہتوں کو مسلمان بنایا۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ وہ جس گھر میں رہتی تھیں اس کے پڑوس میں یہودی گھر تھا۔ اس کی لڑکی ایسی بیماری میں رہتی تھی کہ جان بچنے کی امید نہ تھی۔ وہ رات دن پیٹ کے بل چارپائی پر پڑی کراہا کرتی۔ ایک دن اس لڑکی کے ماں باپ کو بازار جانا پڑا۔ صاحبزادی نے لڑکی کے پاس رہنا منظور کر لیا۔ جب ماں باپ چلے گئے تو صاحبزادی نے خدا سے دعا کی کہ اس لڑکی کا دکھ درد دور کر۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی اچھی ہو گئی۔ ماں باپ اور سارا کنبہ صاحبزادی کا گرویدہ ہو گیا۔ اور انہوں نے اظہار شکریہ میں اسلام قبول کیا۔

مسلمان مرد اور عورتیں ہی نہیں بلکہ قیدی تک اشاعت مذہب کے لئے تیار رہتے تھے۔ ایک مسلمان قیدی نے سب سے پہلے یورپ میں اسلام پھیلایا۔

مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ احمد مجددؒ کو جہانگیر نے قید خانے میں بھجوا دیا تھا۔ انہوں نے دو برس میں سینکڑوں ہندو قیدیوں کو مسلمان کر لیا۔

آٹھویں صدی میں مسلمانوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے کئی اسباب تھے۔ دکن کے لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی دولت اور بڑھتی ہوئی طاقت کا ان کے دلوں پر سکہ جم گیا تھا لیکن سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے خیالات، ان کے رواجوں، ان کے اطوار اور چال چلن کا اثر پڑا۔ مسلمانوں کا مذہب سیدھا

سادہ آسان اور اچھا تھا۔ ان کی پرستش خدا کے طریقے دلوں میں گھر کرنے والے تھے۔ اور رات دن خدا کی یاد دلانے والے تھے۔

چنانچہ ایک فرانسیسی عالم نے قبول کیا ہے کہ میں جب کبھی مسجد میں جاتا ہوں تو میرا دل ایک ناقابل بیان کیفیت سے اُمنڈ آتا ہے۔ اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں مسلمان کیوں نہ ہوا۔

جب رینان ایسے کٹر اور سائنسدان کے دل پر اسلامی عبادت کا ایسا اثر ہوتا تھا تو اوروں کا کیا ذکر ہے ایک اور بات جو بھولنی نہیں چاہیئے یہ ہے۔ کہ پہلی صدیوں کا اسلام ایک بڑا عملی مذہب تھا۔ اسلام کے ماننے والے اپنے عقیدوں کو محض زبان سے نہیں دُہراتے تھے۔ بلکہ اپنی زندگی اور چال چلن میں پابند ہو کر رہتے تھے۔ ان کی نماز کی صف بندی روزوں کی پابندی مجلسی برابری اور مساوات کا برتاؤ مذہب کے لئے ایسے زبردست حصے تھے کہ ان کے دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

اس کے خلاف آٹھویں صدی میں دکن میں ہندوستان بھر میں سخت اختلاف جاری تھا۔ بدھ اور ویدک دھرم کے ماننے والے ایک دوسرے کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ برہمنوں کی کوشش سے بدھ اور جین دھرم ختم ہو چلے تھے۔ اور شِو اور وِشنو کا مذہب پھیل رہا تھا۔ ان کے آنے کا قدرتی طور پر بڑا اثر ہوا۔ نویں صدی کے اوائل میں مالابار کے خاندان کے آخری راجہ نے جسکی راج دہانی کوڈنگلور تھی۔ اپنے دھرم کو چھوڑ دیا اور اسلام قبول کیا۔

کو چین کے راجہ کے (جسے زامورن کہتے ہیں) عرب سوداگروں پر بڑی مہربانی کی نظر تھی۔ اسکی اجازت سے اسکے راج میں بہت سے سوداگر آباد ہوئے۔ ان کی تجارت سے راج کو بہت فائدہ پہنچا۔ اور ان کے بازوؤں کی طاقت سے راج کی قوت بڑھی۔

زامورن نے آس پاس کے راجاؤں کو شکست دے کر ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ جہاں جہاں راجہ کا تسلط ہوا مسلمان سوداگروں نے ... قائم ... اس طرح کالی کٹ کی بندرگاہ کی بنیاد قائم ہوئی۔

ہندو راجہ مسلمانوں کی اتنی عزت کرتے تھے کہ انہوں نے خود اپنی رعایا کو مسلمان ہونے کے لئے جوش دلایا۔ انہیں اپنے بیڑوں کے لئے ملاحوں کی ضرورت تھی۔ اسلئے انہوں نے اجازت دی کہ ان کی قوم کے ہر گھر میں ایک یا دو آدمی اسلام قبول کریں۔ نویں صدی کے بعد اسلام کا اثر دن بدن بڑھتا گیا۔ نہ مفتوحین کو غلام بنایا۔ نہ انہیں ان کی اراضی سے محروم کیا | قرآن میں ارشاد ہے کہ "ملک خدا کا ہے

وہ ہمیشہ بندگان صالح کو حکومت کے لئے منتخب کرتا ہے" مسلمانوں کی کیا خصوصیت ہے۔ ہر فاتح نے زمانہ قدیم سے آجتک مفتوحین کے ساتھ احسانات کئے ہیں۔ لیکن اس احسان کے بدلے میں مفتوحین کو غلام بنانے اور انکی زمین چھین لینے اور باہم سرداران فاتح میں تقسیم کر لینے کا التزام قدیم فاتحوں نے ملحوظ رکھا تھا۔ مگر مسلمان فاتحین ہمیشہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ اپنے تمام ممالک مفتوحہ میں اس عیب سے پاک رہے۔ نہ مفتوحین کو غلام بنایا اور نہ ان کی اراضی سے انہیں محروم کیا۔ جب یہ دو باتیں شعار اسلام میں خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ ملحوظ رہیں۔ تو ہندوستان پر کیا موقوف ہے۔ مسلمان فاتح جہاں گئے ہمیشہ کیلئے ان کے حقوق احسان تاریخ کے صفحوں میں یادگار رہے اور رہیں گے۔

بارھویں صدی ہجری کے بعض مسلم راجے

۱۲۹۳ھ میں ایک کتاب بنام نزہۃ الجلیس مصر کے مطبع وہبیہ میں دو جلدوں میں چھپی۔ جو عباس بن علی بن نور الدین المکی الموسوی کی ادبی تالیف ہے۔ اور جس میں مؤلف نے اپنا سفر نامہ ایران۔ گجرات اور یمن بتفصیل وار لکھا ہے۔ مؤلف نے جہاز کے ذریعہ ۲۵ ربیع الاول ۱۱۳۳ھ کو پہلا قدم ہندوستان کے بندر سورت میں رکھا اور گجرات۔ کاٹھیاواڑ اور بڑودہ۔ برہان پور وغیرہ کی سیر کر کے یکم جمادی الآخر ۱۱۳۹ھ کو اسی سورت کے بندر سے اسلام نامی جہاز پر سوار ہوا۔ اور اسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو عدن واپس جا پہنچا۔

سیاحت گجرات میں عباس بن علی نے اپنے نہایت دلچسپ حالات بیان کئے ہیں۔ مؤلف لکھتا ہے :۔

ذیقعدہ ۱۱۳۳ھ کی پہلی تاریخ کو ہم ویوگڈھ چاندہ میں پہنچے۔ یہاں کا بادشاہ جس کا نام اب سلطان بخت بلند ہے۔ اور بعض راجہ بخت بلند بھی کہتے ہیں۔ ہندو تھا۔ سید بدر الدین بن سید غالب موسوی رفاعی نجمی کو راجہ کی قربت و حضوری حاصل تھی۔ راجہ میں آثار رشد و ہدایت دیکھکر اس سے اسلام کے محاسن بیان کئے۔ اور رفتہ رفتہ راجہ پر تعلیم اسلام کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ کفر و شرک کو ترک کر کے بندۂ توحید بنگیا۔ عباس بن علی لکھتے ہیں راجہ بخت بلند نہایت نجیب و کریم تھا۔ اس نے ہماری پوری خاطرداری کی۔ اور چونکہ سید بدر الدین بن سید غالب موسوی میرے قادریہ اور رفاعیہ طریقہ کے پیر و مرشد تھے۔ اس لئے وہ سلطان سے کہکر مجھے اپنے گھر میں لے آئے۔ سلطان سید صاحب کی بہت عزت کرتا ہے۔ ان کو ایک جاگیر دے رکھی ہے۔ جس میں بہت سے گاؤں اور قصبے ہیں۔

۱۲- محرم الحرام ۱۳۳۴ھ کو اپنے شیخ طریقت سید بدرالدین بن سید غالب رفاعی مرحوم کی معیت میں دیوگڈھ چاندہ سے باگڈھ ملک کی طرف روانہ ہوئے۔ باگڈھ بکاف فارسی شیروں کے مقام کو کہتے ہیں۔ اس علاقہ میں شیر بہت ہوتے ہیں۔ ہمارے اردگرد شیر دہاڑیں مارتے تھے۔ اور کلیجے ہل جاتے تھے۔ مگر ہم خدا کے فضل سے بالکل محفوظ رہے۔

جب باگڈھ اور ہمارے مابین نصف میل کا فاصلہ رہ گیا تو ہماری پیشوائی کے لئے وہاں کا بادشاہ جو دیوگڈھ چاندہ کے راجہ کا بیٹا تھا اور اپنے باپ کی طرح سید بدرالدین صاحب کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر کے ان سے بیعت بھی ہوا تھا ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ہمارے استقبال کو نکلا۔ یعنی اپنے سواروں پیادوں اور جھنڈوں سمیت۔ اور اسی روز اس نے ایک عام دعوت کی۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس راجہ کا نام علی شاہ رکھا گیا تھا۔

اس کے دیوان (وزیر) کا نام امیر شیر خان تھا۔ مجھے اسکے دولت خانہ پر اتار گیا۔ اور راجہ نے ہماری جماعت کے لئے معقول روزینہ مقرر کر دیا۔ سورت سے عالی جہان شہر جو سر بفلک پہاڑوں اور بلند درختوں سے گھرا ہوا ہے پندرہ دن کے فاصلہ پر ہے۔ ہم شعبان کے اخیر میں وہاں پہنچے۔ ہم نے مور یہاں ہر گلی کوچہ میں آزادانہ اور بکثرت پھرتے دیکھے۔ یہاں کے راجہ کا نام دولی سنگھ ہے جو ظاہر میں کافر اور باطن میں مسلمان ہے۔ اس کے اہل و عیال سب کے سب کافر و بت پرست ہیں اسلئے وہ علانیہ اسلام قبول کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ میں اس سے خلوت میں ملا۔ اور اس کو سورۂ یٰسین اور سورۂ رحمٰن پڑھائی۔ اور اس کو دعائے حزب سیفی اور اسمائے حسنیٰ کی اجازت دی۔

راجہ دولی سنگھ ایک فقیر مسمی شاہ غریب سے بڑی عقیدت و ارادت رکھتا تھا۔ اور اسکی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ اس نے راجہ کو قرآن شریف پڑھایا تھا۔ راجہ بھی اس سے بڑی عزت سے پیش آتا تھا۔ ایک دفعہ فقیر صاحب نے وطن جانے کی اجازت مانگی۔ راجہ نے انکار کیا۔ لیکن آخر شاہ غریب کے اصرار پر بدقت اجازت دی گئی جب وہ روانہ ہو گیا تو راجہ نے فرط عقیدت سے اسکے عقب میں آدمی بھیجے کہ وہ اسے کسی طرح واپس لے آئیں۔ چنانچہ راجہ کے آدمیوں نے واپسی کا تقاضا کیا۔ بات بڑھتی گئی۔ آخر شاہ غریب شہید ہو گئے۔ راجہ کو خبر ہوئی۔ اس نے بہت افسوس کیا۔ ایک عالی شان مزار بنوایا۔ جو اس علاقہ کی اب بہت بڑی زیارت ہے۔ راجہ کی طرف سے اس مزار کے ساتھ معافیات کا سلسلہ ہے۔ اور قندیل۔ لنگر اور خندقوں میں بہت روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔

کیوں ہندو مسلمانوں سے اجنبی ہو گئے

سنت نہال سنگھ نے اپنی کتاب انڈیاز کا بیلرز (جنگجویانِ ہند) میں لکھا ہے :- یہ قابلِ لحاظ ہے کہ (مسلمان حملہ آوروں کے داخلہ ہند کے بعد) جو لوگ ہندو رہے انہوں نے مسلمان فاتحین کے ساتھ میل جول سے قطعاً پرہیز کیا۔ یہاں تک کہ ادنےٰ درجہ کے لوگ بھی کہ جنہیں برہمنوں نے نہایت ذلیل حالت میں ڈالا ہوا تھا۔ کہ اعلیٰ ذاتوں کے لوگ ان کا سایہ پڑ جانے سے بھی ناپاک ہو جاتے تھے انہوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ شادی بیاہ کرنے سے انکار کیا۔ عملاً اس قاعدہ میں صرف اسی قدر استثنا ہوا کہ چند راجپوت راجاؤں کے خاندانوں نے اپنی لڑکیاں مغل شہنشاہوں سے بیاہ دینا منظور کیا۔ اکبر سے (۱۵۵۶ء۔ ۱۶۰۵ء) اور جہانگیر سے (۱۶۰۵ء۔ ۱۶۲۷ء) میں۔

کیسی فضول وجہ ہندوؤں کے مسلمانوں سے الگ رہنے کی بیان کی ہے۔ جبکہ کئی ایک مسلمان بادشاہوں سے ہندوستان کی سب سے اونچی اور سب سے مغرور قوم راجپوت کے مہاراجاؤں نے اپنی بیٹیاں بیاہ دینی منظور کر لی تھیں تو پھر کیوں ان سے گھٹیا قومیں اور عام لوگ مسلمانوں سے یہ تعلق پیدا نہ کر لیتے اگر مسلمان خواہاں ہوتے۔ تو ہندوستان کی ذلیل اور گھٹیا قومیں مسلمانوں سے کیوں ایسے تعلقات قائم نہ کر لیتیں اگر واقعی مسلمان چاہتے تو جبر یا آشتی سے جس طرح بھی بن پڑتا ہندوؤں سے شادی بیاہ کا تعلق قائم کر لیتے۔ یہ چند دنوں یا برسوں کا معاملہ نہ تھا بلکہ سات آٹھ صدیوں کا معاملہ تھا مسلمان ہندوستان میں اسقدر عالیشان جلالی و جبروت کے مالک تھے کہ انکے ارادہ اور خواہش کو کوئی چیز روک نہیں سکتی تھی۔ اور ہندوستان کے اندر یا باہر جو بیباکی اور چینیاں ہمارے زمانہ میں موجود ہے اسوقت اسکا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ کہ اسی کا ان کو ڈر ہوتا۔ یہ تو ہندوؤں سے مسلمان رہ کر تعلق پیدا کرنے کا معاملہ تھا۔ لیکن اگر مسلمان سلاطین یا ان میں سے بعض اولوالعزم بادشاہ ہندوؤں کو مسلمان کرنے پر کمربستہ ہو جاتے تو آج موجودہ ہندوؤں کا ہندوستان نہ ہوتا۔ اگر وہ جبر نہ بھی کرتے تو اسلام پھیلانے والے مشن قائم کر دیتے۔ اور خزانہ شاہی سے انہیں مدد دیتے۔ لیکن ایسے مشن قائم کرنے کا بھی کوئی ثبوت تاریخ سے نہیں ملتا۔ سنت نہال سنگھ صاحب کا سنت پن تو اسی سے ظاہر ہے کہ صرف اکبر اور جہانگیر کا پتہ دیا ہے بجالیکہ بہت سے بادشاہوں نے یہ تعلق قائم کیا تھا جسکی اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ تفصیل نظر آئے گی۔

سنت نہال سنگھ نے نہایت طفلانہ طریقہ اور خفیف الحرکاتی سے لکھ دیا ہے کہ ادنیٰ ذات کے ہندوؤں نے بھی باوجود اسقدر حقیر و ذلیل ہونے کے مسلمان فاتحین سے شادی بیاہ کا تعلق نہیں پیدا کیا۔ سنت نہال سنگھ جی کو معلوم ہوگا کہ سکھوں کی چند روزہ حکومت کے دوران میں پنجاب کے بھنگی (یعنے چوہڑے) بھی کیس یا لمبے بال رکھکر مذہبی سکھ بنگئے تھے تو مسلمانوں کی ایسی پُر صولت اور عظیم الشان سلطنت میں جو صدیاں تمام ہندوستان پر پھیلی رہی اچھوت ہندو مسلمان نہیں بن سکتے تھے۔ یا مسلمانوں سے رشتہ ناطہ نہیں کرسکتے تھے۔ انگریزوں کو ابھی سو ڈیڑھ سو سال سے زیادہ ہندوستان میں آئے نہیں ہوا۔ تو ویسی عیسائیوں یا اینگلو انڈینوں کی آبادی کتنی بڑھ گئی ہے۔ پورتگالوں ولندیزوں۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں وغیرہ نے ہندوستان میں آکر لاکھوں ہندوستانی عورتوں سے شادیاں کرکے اولادیں پیدا کیں۔ جسکا نتیجہ ایک لمبی چوڑی اینگلو انڈین کمیونٹی پیدا ہوگئی ہے۔ سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں (۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) یوریشین یا اینگلو انڈین ہی موجود تھے۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں (اس سے زیادہ) اور سنہ ۱۹۳۱ء میں (تقریباً پورے دو لاکھ ہوگئے)

سنت نہال سنگھ نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۴۰ میں لکھا ہے :- اس عرصہ میں اس نے مذہب اسلام کا ایک واعظ پیدا ہوا جس نے موجودہ افغانستان میں کام کرکے یہاں کے پٹھان باشندوں کو مسلمان بنالیا۔

جب بقول ان کے ایک واعظ تمام افغانستان کو مسلمان کرسکتا ہے تو پھر مسلمانوں کو ہندوستان یا دیگر ممالک میں کیوں اسلام بزور شمشیر پھیلانا پڑا۔ اور وہاں واعظوں کی مدد سے اشاعت دین نہ کی حقیقت یہی ہے کہ واعظوں اور صوفی مشرب بزرگوں نے ہی ہندوستان میں دین اسلام پھیلایا۔ جیسا کہ سر ڈبلیو آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب میں بتفصیل و تاکید لکھا ہے۔

ہندوستان میں اسلام کس طرح پھیلا

(از منشی پریم چند بی۔ اے)

یہ بات ہمارے اندر پیوست کردی گئی ہے۔ کہ ہندو اور مسلمان حریف فرقوں میں منقسم ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا کہنا حقیقت کا گلا گھونٹنا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ تلوار کے زور سے کوئی مذہب نہیں پھیلتا۔ اور اگر کچھ دنوں کے لئے پھیل بھی جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہندستان میں اسلام کی اشاعت کا سبب اونچی ذات کے ہندوؤں کا نیچی ذات پر ظلم تھا۔ بودھوں نے نیچ اور اونچ کا فرق مٹا کر نیچوں کی

نجات کی کوشش کی۔ اور اس میں انہیں بخوبی کامیابی حاصل ہوئی لیکن جب ہندو مذہب نے پھر زور پکڑا۔ تو نیچی ذاتوں پر پھر تشدد شروع ہوگیا۔ بلکہ اور شدت کے ساتھ اونچوں نے نیچوں سے ان کی مخالفت کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ نیچوں نے بودھوں کے زمانہ میں اپنے مساوی حق کو حاصل کر لیا تھا۔ وہ اونچے فرقہ کے ہندوؤں سے برابری کا دعویٰ کرنے لگے تھے۔ اس پر برابری کا مزہ چکھنے کے بعد اب انہیں اپنے کو نیچ سمجھنا ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔ یہ کشمکش ہو رہی تھی کہ اسلام نے نئے نئے اصولوں کے ساتھ ظہور کیا۔ جہاں اونچ اور نیچ کا اختلاف نہ تھا۔ چھوٹے بڑے اور اعلیٰ و ادنیٰ کی قید نہ تھی۔ اسلام کی تعلیم قبول کرتے ہی تمام ناپاکیاں اور خرابیاں یک لخت دور ہو جاتی تھیں۔ وہ مسجد میں امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا تھا۔ بڑے بڑے سیدزادوں کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نگاہوں میں بھی اسکا مرتبہ بڑھ جاتا تھا۔ ہندو اچھوت سے ہاتھ نہیں ملا سکتا تھا۔ لیکن مسلمانوں میں ملنے جلنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا۔ وہاں کوئی نہیں کہ فلاں شخص کیسا ہے۔ کس ذات کا ہے مسلمان ہے۔ وہاں تو سب ہی مسلمان ہیں۔ اسلئے نیچوں نے اس نئے دین کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کیا اور گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے۔ جہاں اونچی ذات کے ہندوؤں کا ظلم جتنا زیادہ تھا۔ وہاں یہ آتش خلاف بھی زیادہ تیز تھی۔ اور وہیں اسلام کی تبلیغ بھی زیادہ ہوئی۔ کشمیر۔ آسام۔ مشرقی بنگال وغیرہ۔ اسکی مثالیں ہیں۔ آج بھی نیچی قوموں میں غازی میاں۔ اور شہید کی پوجا بڑی عقیدت سے کی جاتی ہے۔ انکی نظر میں اسلام فاتح نہیں بلکہ نجات دہندہ تھا۔

یہ اسلام کی اشاعت کی تاریخ ہے۔ اور آج بھی خاندانی ہندو اپنے طرز عمل کو نہیں بدل سکتے ہیں۔ اور آج بھی چھوت چھات اور اختلاف و امتیاز کی وہی حالت ہے۔ خاندانی ہندوؤں میں جو ایک ہلکی سی بیداری نظر آتی ہے اسکا سہرا مسٹر گاندھی کے سر ہے۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں۔ بلکہ اپنے اصولوں کی وسعت و فراخی کے سبب [illegible] پھیلا کہ وہاں تمام بنی نوع کے یکساں حقوق ہیں۔

غلط تاریخ کو دل سے نکالو

ضرورت یہ ہے کہ ہم غلط تاریخ کو دل سے نکال ڈالیں۔ اور ملک و زمانہ پر بخوبی غور کر کے اپنی ذہنیت کو قائم کریں۔ تب ہم دیکھیں گے کہ جنہیں ہم اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ انہوں نے حقیقت میں اچھوتوں کو نجات دلائی ہے۔ ہماری ذات پات کی سخت بندشوں کو ڈھیلا کیا ہے۔ اور ہماری تہذیب کی ترقی میں معین ہوئے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹی اور معمولی بات نہیں ہے۔

کے غدر میں ہندو اور مسلمانوں نے جس کو اپنا قائد بنایا تھا وہ دہلی کا بے قوت بادشاہ تھا۔ ہندو مسلمان بادشاہوں میں پہلے بھی لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن وہ لڑائیاں مذہبی اختلافات کے باعث نہیں ہوئیں۔ ملک کے لئے ہوئی تھیں۔ اسی طرح جس طرح ہندو راجا آپس میں لڑا کرتے تھے۔ ان ہندو مسلم لڑائیوں میں ہندو سپاہی مسلمانوں کی طرف سے ہوتے تھے۔ اور مسلمان سپاہی ہندوؤں کی جانب سے۔

پروفیسر محمد حبیب آکسن نے عہد وسطیٰ میں ایک عالمانہ مضمون ہندو مسلم تعلقات کے عنوان سے اس بحث پر لکھا ہے جسکا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کو گھوڑوں پر سوار ہونے۔ تیر چلانے۔ جلوس نکالنے اور پوجا پاٹ کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ مگر یہ کہانیاں فطری حالات کے غلط مطالعے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس زمانہ کا ہندو مذہب منظم اور طاقتور تھا۔ اسکے ساتھ مسلمان بادشاہ اسلئے رواداری برتتے تھے کہ اس کے سوا دوسری راہ نہ تھی۔ ان کے مذہبی تصادم کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ زمانہ وسطی میں سیاسی یا تاریخی لٹریچر میں ہندو مسلم قضیہ کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی مثال بھی نہیں ملتی۔ لیکن اسکا سبب یہ ہے کہ ہندو اس کے لئے تیار نہ تھے نہیں وہ تو اپنی معرکہ پسندی کے لئے بدنام تھے لیکن اس عہد کی کسی جنگ میں بھی ہم فوجوں کو مذہبی اسباب پر لڑتے نہیں پاتے۔ افغانی سپاہیوں کا ایک دستہ ترین کی جنگ میں رائے پتھورا کے ماتحت لڑا تھا۔ مسلمانوں کی پیادہ سپاہ نے پانی پت کی جنگ میں مرہٹوں کی مدد کی تھی۔ اسلئے ہندو مسلم جنگ تو واقعی ہوئی ہی نہیں۔"

ہندوستان میں اسلام کا داخلہ

سواحل ملیبار میں ابن بطوطہ کا سفر

مراکش کا مشہور سیاح ابن بطوطہ محمد شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان آتا ہے اور اسکی طرف سے سفیر بنکر چین روانہ ہوتا ہے۔ یہ آٹھویں صدی کا وسط ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب ابھی تک مدراس کے علاقہ پر مسلمانوں نے حملہ نہیں کیا ہے۔ مگر اسکے چند ہی سالوں کے بعد بیجانگر اور کرناٹک کے راجاؤں سے لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ابن بطوطہ دہلی سے کھمبایت اور وہاں سے گندہار اور گندہار سے گوگہ نام شہر میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی خاصی آبادی ملتی ہے۔ یہاں ایک مسجد حضرت خضر کے نام سے تاجروں کی بنوائی ہوئی ملتی ہے۔ اور وہاں حیدری درویشوں کی ایک جماعت

اپنے شیخ کے ساتھ سکونت پذیر نظر آتی ہے۔ یہاں سے وہ سنداپور جاتا ہے۔ یہاں راجہ ہریب کی ماتحتی میں سلطان جمال الدین ہنوری کی ایک ریاست قائم تھی۔ اس کا دارالسلطنت مسلمانوں کا آباد کردہ تھا۔ اس کی جامع مسجد کی عمارت بغداد کی مسجدوں کا مقابلہ کرتی تھی۔ یہ حسن ناخدا کی بنوائی ہوئی تھی۔ جو اس سلطان جمال الدین کا باپ تھا۔ جو جہازرانی سے ملک رانی تک جا پہنچا تھا۔ اسی جزیرہ میں ایک بت خانے کے اندر جوگیوں کے بھیس میں نومسلم اس کو نظر آتا ہے۔

ہندو راجاؤں پر مسلمانوں کے احسانات

سنداپور سے وہ ملیبار میں قدم رکھتا ہے اور اس ملک میں اس کو چھوٹے بڑے بارہ ہندو راجہ حکومت کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ ملک بہت آباد ہے اور مسلمانوں کی بڑی عزت ہے تاہم وہ مسلمانوں کے ساتھ کھاتے نہیں اور نہ ان کو اپنے گھروں کے اندر آنے دیتے ہیں۔ راستوں میں ملتے ہیں تو ہٹ جاتے ہیں۔ مسلمان تاجروں اور جہازرانوں کی جابجا بنوائی ہوئی سرائیں ہیں۔ مسلمانوں کی ہر طرف آبادیاں ہیں۔ ملیبار کے جس شہر میں وہ سب سے پہلے داخل ہوتا ہے اس کا نام ابی سرور (؟) ہے جو سمندر کے ساحل پر چھوٹا سا شہر ہے۔ یہاں کا مسلمان چودھری شیخ جمعہ ہے جو نہایت فیاض اور مخیر ہے۔ یہاں سے پاکنور پہنچ کر وہ داخل ہوتا ہے۔ یہاں بھی مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اور ان کے چودھری کا نام حسین سلاط ہے جس کی بنوائی ہوئی ایک مسجد ہے۔ خطیب اور امام بھی ہیں۔ راجہ کا نام باسدیو ہے جو تیس جنگی جہازوں کا مالک ہے۔ لیکن کپتان اس کا مسلمان ہے۔ اس کے بعد وہ منگلور پہنچتا ہے۔ جہاں فارس اور یمن کے مسلمان سوداگر اس کو ملتے ہیں۔ یہاں کے راجہ کا نام رام دیو ہے۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد چار ہزار ہے۔ گو عام رعایا ان سے خوش نہیں۔ مگر راجہ تجارت اور بیوپار کی خاطر ان سے میل رکھتا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کا قاضی بدرالدین معبری (کرناٹکی) ہے۔ اور وہ یہاں درس بھی دیتے ہیں۔

برہمنوں کا تعصب مسلمانوں سے

منگلور سے وہ ہیلی میں داخل ہوتا ہے۔ حسن بنوائی (؟) یہاں کا چودھری ہے۔ یہاں ایک عالیشان مسجد ہے۔ جس کی وجہ سے یہ شہر ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ جہاز والے اس مسجد کی نذر مانا کرتے ہیں۔ اس مسجد کے اندر ایک مدرسہ بھی ہے۔ طالب علم بھی ہیں۔ طلبہ کو مسجد کے خزانہ سے وظیفہ اور غریبوں اور مسافروں کو کھانا ملتا ہے۔ مقدشو کا فرقہ کا ایک درویش یہاں مقیم ہے۔ یہاں

نکل کر وہ گریٹن پہنچا۔ جہاں بغداد کے ایک عالم سے ملاقات ہوئی۔ یہاں کے راجہ کا نام کوئل ہے۔ یہاں سے فارس۔ عمان۔ جہازات جاتے ہیں۔ یہاں سے نکلکر وہ پٹن گیا۔ یہاں بھی راجہ کوئل کی عملداری ہے۔ اور راجہ کوئل کے باپ کی بنوائی ہوئی جامع مسجد اور تالاب ہے۔ اس راجہ کے بزرگوں میں ایک شخص مسلمان ہو گیا تھا۔ اس مسجد میں ایک درخت تھا۔ ہر موسم خزاں میں اس میں سے ایک پتہ ایسا گرتا تھا جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوتا تھا پتہ جب گرتا تھا تو آدھا مسلمان اور آدھا ہندو لے لیتے تھے۔ اسکی کرامت کو دیکھکر راجہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اور مسجد اور تالاب بنوایا تھا۔ یہاں سے یہ بدپٹن پہنچا جو سمندر کا کنارہ ہے۔

شہر سے باہر یہاں مسجد ہے جس میں مسلمان مسافر ٹھیرتے ہیں۔ یہاں برہمن آباد ہیں۔ جن کو مسلمانوں سے سخت نفرت ہے۔ اسی لیئے یہاں کوئی مسلمان آباد نہیں۔ یہ مسجد بھی اسلیئے دست درازی سے بچگئی کہ ایک برہمن نے اسکی چھت اکھاڑدی تو اسکے گھر میں آگ لگ گئی۔ اسوقت سے اس مسجد کو وہ متبرک سمجھنے لگے یہاں سے وہ فندریا گیا جہاں اسکو مسلمانوں کے تین آباد محلے ملے۔ ہر محلہ میں ایک مسجد ہے۔ ساحل پر جامع مسجد ہے۔ جس میں قاضی وخطیب اہل عمان کا ایک عرب ہے۔ چین کے جہاز یہیں جاڑے کا موسم بسر کرتے ہیں۔

مسلمان جہازران سمندر کے بادشاہ تھے

یہاں سے وہ نکل کر کالی کٹ آتا ہے۔ جہاں کا ہندو راجہ سامری ہے۔ یہ دنیا کے بڑے بندرگاہوں میں سے ہے چین، جاوا، سیلون، مالدیپ، یمن۔ فارس کے جہازات یہاں آتے ہیں اور تمام دنیا کے تاجر اور سوداگر باہم ملتے ہیں۔ یہاں کا ایک ملک التجار بحرین کا ایک مسلمان عرب تاجر ابراہیم شاہ ہے۔ قاضی کا نام فخرالدین عثمان ہے۔ اور خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ شہاب الدین گازرونی (ایرانی) ہیں۔ جن کو ہند و چین سے فتوحات اور نذرانے ملتے ہیں۔ یہاں کا ناخدا انتقال نامی ایک مسلمان ہے جو نہایت دولتمند اور بہت سے جہازوں کا مالک ہے۔ اسکے جہازات ہندوستان۔ چین یمن اور فارس کے بیوپار اور سامان تجارت کو لاتے اور لے جاتے ہیں۔ اور یہاں بڑے بڑے مسلمان تاجر ہیں۔ یہ اس سیاح کا اس ملک کے متعلق آخری بیان ہے۔ اور اسکے بعد بہمنی سلطنت اور بیجانگر کی ہندو ریاست پیدا ہوتی ہے۔ اور باہم زور آزمائی شروع ہو جاتی ہے۔ جو تقریباً ڈیڑھ سو برس تک برابر قائم رہتی ہے۔

بہرحال ہم نے آپکے سامنے مملکت مدراس میں اسلام کی پرامن رفتار ترقی کا وہ دور دکھایا ہے جبکہ

دکنی سرزمین پر مسلمان سپاہی کا بھی گذر نہیں ہوا تھا۔ تاہم تمام علاقہ میں اسلامی نوآبادیاں قائم ہو رہی تھیں۔ یہاں کے مسلمان جہازران سمندر کے بادشاہ تھے۔ بندرگاہوں کے مالک تھے۔ اور مغرب و مشرق کے درمیان بیوپار اور تجارت کی کڑی تھے۔ اور ان کے حسن معاملہ اور اسلام کی سچائی کے اثر سے نہ صرف عوام ہندو بلکہ راجہ تک اسلام کو قبول کرتے تھے۔ واقعات خود اسلام کی سچائی اور تبلیغ اسلام کے صحیح وسائل کو آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

ساحل ہند پر اسلام کا پہلا مبارک قدم

مدراس گو نیا شہر ہے اور اس ملک کا یہ نیا نام ہے تاہم اسلام کا نقش اس سرزمین سے بہت پرانا ہے۔ عرب تاجر اور سیاح اس ملک سے بہت پرانی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کی زبان میں آپ کے ساحلی ملک کا نام ملیبار اور اندرونی سرزمین کا نام معبر ہے۔ جس کے لغوی معنے سمندر کو عبور کرنے کی جگہ ہے چونکہ سمندر کو طے کر کے اہل عرب وہاں تک پہنچتے تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے اس کا نام معبر رکھا اور ہندوستان کے تمام صوبوں میں مدراس کو اپنے اسلامی تعلقات کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔

اسلام کو ہندوستان کے ساحلی مقامات سے جو سندھ سے لیکر گجرات اور کاٹھیاواڑ تک ہیں یکساں تعلق رہا ہے اور یہ تمام سواحل مسلمان تاجروں کی گذرگاہ رہے ہیں۔ مگر ان تمام سواحل پر ساتھ ساتھ اسلامی بحری فوجوں کا بھی کبھی کبھی گذر رہا۔ چنانچہ تھانہ (بمبئی) اور بھڑوچ میں خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں ایک دفعہ اسلام کا تھانہ داخل ہو چکا تھا۔ اور سندھ میں پہلی صدی کے خاتمہ پر خود امیہ کی بحری اور بری فوجوں نے مختلف اسبابوں سے حملہ کیا۔ اور ایک مدت تک وہاں اسلام کی حکومت کو قائم رکھا مگر سمندر کا یہ کنارہ جس کو اب مدراس کہتے ہیں اور جس سے عربوں کی واقفیت بہت قدیم تھی آشتی اور امن و امان کے تعلقات سے وابستہ رہا۔ اور ساڑھے سات سو برس تک اس کی سرزمین پر ایک مسلمان سپاہی کا بھی گذر نہیں ہوا۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ ان ساڑھے سات صدیوں میں مسلمان تجار و سیاحوں اور علماء اور صوفیوں کے ذریعہ سے اس ملک کے ساحل اور اس کے جزائر میں اسلام بڑی سرعت کے ساتھ ترقی پذیر رہا۔ اور نہایت پر امن طریقے سے یہاں پھیلتا اور بڑھتا رہا۔

جہاں تک مجھے واقفیت ہے اس ملک پر سب سے پہلے سلطان محمد تغلق کی نگاہ پڑی۔ مگر

موسم اور آب وہوا کی ناموافقت کے سبب اسکی فوجوں نے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی۔ آٹھویں صدی کے بیچ میں جب دکن میں بہمنیہ سلطنت قائم ہوئی۔ اسوقت سے یہاں مسلمان سپاہیوں کی آمدورفت شروع ہوئی۔ سب سے پہلے بہمنی سلطنت کے سپہ سالار اور رکن رکین ملک سیف الدین غوری نے ان علاقوں میں فاتحانہ پیشقدمی کی۔ ۷۴۸ھ میں علاؤالدین حسن گنگو پہلا بہمنی سلطان تخت نشین ہوا۔ اور ۷۵۹ھ میں اس نے وفات پائی۔ اور اس لحاظ سے ملک سیف الدین غوری کا ان علاقوں پر حملہ ۷۵۰ھ کے آس پاس قیاس کیا جاتا ہے۔ اس پر ساڑھے سات سو برس تک اس ملک سے اسلام کا تعلق پُرامن اور دوستانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام فاتحانہ اقدام کا نتیجہ نہ تھا

اس پائدار امن اور دوستی کا اصلی سبب یہ تھا کہ اس ملک اور اس کے جزائر کی تجارت کے اصلی بیوپاری عرب تھے جو یہاں سے صندل، لونگ، الائچی اور خوشبودار مسالے کی دوسری چیزیں عہد قدیم سے لے کر اس وقت تک کشتیوں پر بار کر کے لیجاتے تھے۔ اور ان کو عرب وشام وروم کے بیوپاریوں تک پہنچاتے تھے۔ اور وہاں سے اُدھر کے مصنوعات اس ملک میں لیکر آتے تھے۔

اس بیوپار سے ان علاقوں کے راجہ اور عرب نفع کثیر اُٹھاتے تھے اسلئے دونوں دل سے امن وامان کے خواہاں تھے۔ عرب وملیبار (مدراس کے ساحلی علاقے) کا یہ تعلق توراۃ کے عہد سے لیکر سترہویں صدی عیسوی تک رہا۔ یعنے اس وقت تک رہا۔ جب تک پرتگالیوں نے آکر ان عرب کے تاجروں کے جہازوں کو برباد اور اس تجارت کا بزور خاتمہ نہ کر دیا۔ ہمارے موپلہ اور نوائیت بھائی بھی عرب ومدراس کے صدیوں کے تعلقات کی اصلی یادگار ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ان علاقوں میں اسلام کی ساڑھے سات سو سال کی پرامن رفتار ترقی پر ایک نظر ڈالی جائے۔ تاکہ اُن کور باطنوں کو مسکت جواب مل سکے جو دین اسلام کو صرف فاتحانہ اقدام کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس ملک کی کوئی پرانی تاریخ موجود نہیں۔ لے دے کر صرف ایک تحفہ ہے جو گیارہویں صدی ہجری کے آغاز کی تصنیف ہے۔ مگر الحمد للہ کہ تلاش وجستجو سے عرب سیاحوں کے سفرناموں میں کچھ حالات بہم پہنچے ہیں جو تحفۃ المجاہدین کی روایتوں کی تائید کرتے ہیں۔

معجزۂ شق القمر اور ملیبار کے راجہ کا قبول اسلام

جیسا کہ اہل عرب مدراس کے ساحلی مقامات کو ملیبار اور اندرونی حصہ کو معبر کہتے ہیں اور ان کے آس پاس کے جزائر کو وہ دیبات (دیب کی عربی جمع ہے) کہتے ہیں۔ کیونکہ دیب سنسکرت میں جزیرہ کو کہتے ہیں

جسکی بنا پر ان جزیروں کو مالدیپ اور سنگلدیپ وغیرہ کہتے ہیں۔ متعدد روایت سے یہ ثابت ہے کہ یہاں اسلام کا قدم تجارت کے ذریعہ پہنچا۔ ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہے کہ مذہب کی سچائی کے ثبوت میں شق القمر کے معجزہ نے دلیل کا کام کیا۔ لیکن اختلاف تین باتوں میں ہے۔

اوّل یہ کہ معجزہ خود یہاں دیکھا گیا۔ یا مسلمان مبلغوں نے اس معجزہ کو یہاں اپنے پیغمبر کے ثبوت میں پیش کیا۔ اور راجہ کے کتب خانہ میں ہیئت و نجوم کی تفسیرات کو قلمبند رکھنے والی کتاب سے اسکی تائید کی۔

دوسری یہ کہ اس دلیل نے ملیبار کے راجہ کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ یا مالدیپ کے راجہ کو اور ان دونوں میں سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا۔

تیسری بات یہ کہ یہ راجہ تحقیق حال کے لئے خود عرب گیا اور [illegible] بہرحال یہ واقعہ ہے اور اسکی تاریخ پہلی صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہے۔

نقش قدم آدم اشاعت اسلام کا محرک بنا

مسلمان تاجروں اور سوداگروں کے قدم [illegible] اور درویشوں کے دلوں کو جس کشش نے ادھر کھینچا وہ یہ مشہور روایت تھی کہ حضرت آدم جب زمین پر آئے تو انکا سب سے پہلا قدم سنگلدیپ یا سراندیپ (لنکا) میں پڑا۔ ان کے قدم کا نشان وہاں کے ایک پہاڑ پر موجود ہے۔ اسی ایک نقش قدم پر سینکڑوں اور ہزاروں زائرین نے ادھر آمد و رفت شروع کی۔ اور اسکا بالواسطہ نتیجہ ان اطراف میں اسلام کی اشاعت کی صورت میں [illegible] سب سے پہلا عالم و درویش جسکا اس سلسلہ میں نام آتا ہے وہ مالک ابن حبیب ہے۔ اور انکے رفقا بھی اسی زیارت کی غرض سے ادھر آنکلے تھے اور انہی کی تبلیغ نے اس ملک میں اسلام کا سب سے پہلا درخت نصب کیا۔ اور انہی کی کوشش سے اس ملک میں اسلام کی سب سے پہلی مسجد (کدنگلور و کرانگانور) میں تعمیر پائی۔

عرب تاجروں کا اخلاق اور کنار کا قبول اسلام

عرب تاجروں کے جہاز عراق اور عرب [illegible] مال و اسباب لیکر یہاں آتے [illegible] کنارے سے جزیروں میں ٹھہرتے ہوئے چین کو جاتے تھے اور پھر اسی راستہ سے [illegible] اور عراق و عرب کو چلے جاتے تھے۔ اسی بنا پر یہ عرب تاجروں سیاحوں اور درویشوں کا ایک پامال راستہ تھا اور [illegible] جاری تھی۔ بہت سے عرب عراقی عربی تاجروں نے یہاں بود و باش اختیار کرلی۔ یہاں شادی بیاہ کرنے لگے۔ یہاں کے راجاؤں کے دربار میں اپنا اثر اور رسوخ پیدا کرلیا۔ اور یہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی نوآبادیاں

قائم ہوگئیں اور ان کے اثر سے ولیسی باشندوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا۔

دین میں زبردستی کا نام بھی نہیں ہو

مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے دنیا کو یہ بتایا ہے کہ مذہب یقین کا نام ہے نہ کہ زبردستی کا۔ قرآن کریم باآواز بلند اعلان کرتا ہے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ "دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے"۔

(پارہ ۳۔ رکوع ۱)

لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔ "تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے"۔ (پارہ عم۔ رکوع ۲۸ سورہ کافرون)۔

فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ۔ "اے پیغمبر تم پر تو صرف تبلیغ ہی فرض ہے بس اس سے زیادہ کچھ نہیں" (نہ کہ جبر و زبردستی سے اسلام پھیلاؤ)

لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ۔ "اے پیغمبر آپ ان کافروں پر حاکم بنا کر نہیں بھیجے گئے"۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ "اے پیغمبر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ اہل ایمان ہو جائیں" (یہ آپ کا منصب نہیں ہے) صرف یہی نہیں ہے بلکہ اسلام اور اسکی الہامی کتاب نے مسلمانوں کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ تبلیغ مذہب کیونکر اور کس نرمی اور طریقے سے کی جائے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ "اے مسلمانو! تم لوگوں کو خدا کی راہ کی طرف دانائی اور نیک نصیحت سے بلاؤ۔ اور ان سے بہترین طریق سے مناظرہ کرو"۔ اسلام کی تبلیغ کا طریقہ تو بس یہی ایک ہے۔ اور دین میں زبردستی نہیں ہے۔ کیونکہ مذہب تو یقین ہی کا دوسرا نام ہے۔ کیا ایسے واضح احکام کی موجودگی میں کوئی مسلمان کبھی کسی دوسرے (غیر مسلم) کو جبراً مسلمان بنانیکا خیال دل میں لا سکتا ہے۔

مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ۔ یعنی دنیا میں مذہبی آزادی ہونی چاہیئے۔ خواہ کوئی شخص کافر ہو یا مسلمان۔ مذہب اسلام اس میں دخل نہیں دیتا۔ پھر فرمایا وَلَوْ كُنَّا كَارِهِیْنَ۔ یعنے ضمیر کے خلاف کسی کو کسی عقیدہ پر مجبور نہ کرنا چاہیئے۔ پھر فرمایا۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ۔ یعنے ہر قوم کے نبیوں کو خدا کی طرف سے دنیا کے رہنما اور ہادی یقین کرو"۔ یہ وہ اصول ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے تمام لڑائیاں یکدم بند ہو سکتی ہیں۔ اور مذہب اسلام میں ملکی اور قومی ترقی میں کوئی روک نہیں۔ کفر و ایمان اگرچہ اہم مسئلہ ہے اور اسی پر نجات انسانی کا دارومدار ہے۔ مگر مذہب کے بارہ میں ہر شخص آزاد ہے جسے چاہے اختیار کرے۔ ہاں بنی نوع انسان کی ہمدردی اور بہبودی کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اسے ہلاکت سے بچانے کی غرض سے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھنے کا حکم دیا اور بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ

پہلے اپنی زبانی کوششوں کو تکمیل تک پہنچاؤ۔ سمجھاؤ اور اسکے سامنے دلائل پیش کرو۔ اسکے دلائل سنو اور انکو رد کرو۔ اگر بحث و تمحیص کے بعد کوئی شخص دوسرا مذہب اختیار کرنا چاہے تو کرنے دو خدا کے حضور تم بری الذمہ ہو جاؤ گے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ "ہم نے تمہیں تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے" یعنی تمام دنیا کے لئے۔ جس میں ہندو، نصاریٰ، یہود، مجوس و ملحد سب شامل ہیں۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (قرآن) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ "میری نماز میری قربانیاں میری زندگی میری موت اس خدا کے لئے ہے جو تمام جہان کی پرورش کرتا ہے۔" یہی سب مسلمانوں کا عمل ہے۔ تو کیا ایسا شخص جو سب کچھ خدا کے لئے کرتا ہے خدا کے بندوں سے لڑ کر اور ان کو مار کر کبھی خدا کو خوش کرنے کا خیال کر سکتا ہے؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَعَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ "جو لوگ محض دین کی وجہ سے تم سے نہیں لڑے۔ نہ انہوں نے تم کو تمہارے وطن سے نکالا۔ ان کے نکالنے میں مدد کی خدا انکے ساتھ نیک سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے تم کو منع نہیں کرتا۔"

ہر قوم میں ہادی آئے ہیں

گو قرآن مجید میں صرف پچیس انبیاء کے نام مذکور ہیں لیکن عموماً مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں آئے ہیں۔ اسلئے ممکن ہے کہ ہندوستان میں بھی ان میں سے کئی آئے ہوں۔ جنکے ہمکو نام و پتے بھی معلوم نہیں۔ اگر جناب رامچندر جی اور کرشن جی اور مہاتما بدھ وغیرہ کو کوئی خدا کا بھیجا ہوا کہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے تو اس سے انکار کرنا تعلیم اسلام کے مطابق ضروری نہیں۔ کسی مسلمان سے ممکن نہیں کہ ہندوؤں کے خداؤں یا اوتاروں کو گالی دے۔ اور انکی توہین کرے۔ جو صریح حکم الٰہی اور شان اسلام کے خلاف ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۱۳:۹) "ہر ایک قوم کے لئے ہادی ہوتا ہے۔"

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۳۵:۲۴) "اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ہادی پیدا نہ ہوا ہو ڈرانے والا نہ آ چکا ہے۔"

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۱۶:۳۶) "اور ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا اس امر کی ہدایت کے لئے کہ خدا کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔"

اسلام سب مذاہب کے بزرگوں کو قبول کرتا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ

مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (۴۰ : ۷۸) "اور ہم نے تم سے پہلے بہت پیغمبر بھیجے۔ ان میں کچھ تو ایسے ہیں جنکے حالات تم سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے۔"

اسلام میں سب انبیاء کو محترم سمجھنے کی تعلیم۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۳ : ۸۴) "ہم ان نبیوں میں سے کسی میں بحیثیت نبی امتیاز نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔"

اسلام میں دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی تعلیم۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (۲۲ : ۴۰) "اور اگر اللہ ان لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کے صومعے اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں۔"

اسلام میں دوسروں کے معبودوں کو برا نہ کہنے کی تعلیم۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (۶ : ۱۰۸) "اور جن معبودوں مثلاً بتوں وغیرہ کو یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں انکو برا نہ کہو۔"

شاہ ولی اللہ صاحب نے صاف طور پر اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کل مذاہب کی باتیں اپنے سامنے رکھیں اور اصول پر غور فرما کر سب سے عمدہ باتوں کو چن کر اختیار کر لیا۔ چنانچہ جزیہ اور خراج لینے کا قاعدہ بھی اسلام نے اختیار کیا جسکے قواعد نوشیرواں کے باپ کیقباد نے بنائے تھے۔ مذہبی تعصب کی بیخ کنی اس سے صاف ثابت ہے کہ مذہبی قیل وقال کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ قربان اس اسلام کے جس نے تعصب کا نام ونشان تک باقی نہ چھوڑا۔

شریعت اسلام کا مصداق ہے قول رسول خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ۔ بس اس ایک بات کے دیکھنے سے اسلام کا بے تعصب ہونا کس خوبی کے ساتھ ثابت ہے۔ علاوہ بریں اسلام کی جانب سے اپنے ہمسایوں سلطنت اسلام کی رعایا کو مذہبی آزادی کا دیا جانا۔ مذہبی ارکان کے ادا کرنے کی بھی روک ٹوک نہ ہونا بلکہ اجازت دیا جانا کہ ہر شخص بخوف وخطر مذہبی ادا کرے یہ بے تعصبی اسلام کی کافی دلیل ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی خدمت میں عیسائیوں کا جانا اور مدینہ منورہ میں حضرتؐ کا اپنی مسجد میں عیسائیوں کو نماز کی اجازت دینا۔ ابوریحان بیرونی کا ہندوستان میں چودہ برس تک سنسکرت پڑھنا۔ اسلام کا عرب معاہدہ ذمی ہنود کے ساتھ بجد اخلاص سے پیش آنا۔ اور دیگر اہل اسلام کے برابر ان کے ساتھ برتاؤ کرنا۔ انکی عزت کرنا۔ اور ایسی عزت کرنا کہ انکی امت نے بھی نہیں کی۔ اسلام کی بے تعصبی کی کافی دلیل ہے [illegible] کسی مذہب میں نہیں ہوئی۔

کافروں کے قتل سے بہشت کا دروازہ کھلنا اسلام پر افترا ہے

کیا ہمارے ہندو دوست اتنا بھی غور نہیں کر سکتے کہ اگر اسلام کی یہ تعلیم ہوتی۔ تو جہاں جہاں مسلمان حکومتیں قائم ہوئی تھیں۔ وہاں غیر مسلموں کا وجود کس طرح قائم رہ سکتا تھا۔ حالانکہ کوئی اسلامی ملک نہ پاؤ گے۔ جہاں باوجود مسلمانوں کی صدیوں کی حکومت کے دوسرے مذاہب کے لوگ موجود نہ ہوں۔ خود ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی کو لو جس کے اردگرد اس وقت بھی آٹھ حصہ ہندو آبادی ہے۔ اور ایک حصہ مسلمان۔ اگر تعلیم اسلام وہی ہوتی جو پرکاش یا دیگر آریہ اخبار لکھتے ہیں۔ تو یہ کس طرح ممکن تھا۔ کہ اس قدر کثیر حصہ آبادی کا عین پایۂ تخت کے نواح میں ہندو رہتا۔ میں اپنے ہندو دوستوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں۔ کہ یہ محض جھوٹ ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے۔ کہ غیر مسلم کے قتل سے مسلمان بہشت پا سکتا ہے۔ نہیں بلکہ اسلام نے جس طرح مسلم کا خون ناحق گرانے سے روکا ہے اسی طرح غیر مسلم کا خون ناحق گرانے سے روکا ہے۔ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔ میں قتل مسلم کا ذکر نہیں بلکہ قتل انسان کا ذکر ہے یعنی کسی انسان کا بھی قتل کرنا گویا ایسا ہے۔ کہ سب لوگوں کو قتل کر دیا۔ کاش کوئی آیت قرآنی پیش کی جاتی یا کوئی صحیح حدیث پیش کی جاتی کہ کافر کے قتل سے بہشت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ بلا سند ایسی بات کہہ دینا جس سے اشتعال پیدا ہو۔ ملک کے امن میں رخنہ اندازی کرنا ہے۔ جب مسلمان بلند آواز سے کہہ رہے ہیں۔ کہ اس شخص کا قتل بھی ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔ جو مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کا کام کر رہا تھا۔ جو دین اسلام کی تعلیم کو مٹانا چاہتا تھا۔ تو پھر بھی یہی راگ گائے جانا کہ اسلام ہر غیر مسلم کے قتل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے موجب ثواب ٹھہراتا ہے۔ ملک اور قوم کے ساتھ دشمنی کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ مقام تعجب ہے۔ کہ اس مذہب پر جبر کا الزام دیا جاتا ہے۔ جس نے دنیا میں سب سے پہلے اور سب سے آخر یہ اصول قائم کیا کہ مذہب میں کوئی جبر نہیں۔ قرآن شریف با آواز بلند کہتا ہے لا اکراہ فی الدین۔ دین میں کوئی جبر نہیں اور صاف فرماتا ہے من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ جو چاہتا ہے ایمان لائے جو چاہتا ہے انکار کرے۔ اس قدر صراحت کے بعد یہ کہنا کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ غیر مسلم کے قتل سے بہشت کا دروازہ کھل جاتا ہے سچائی کا خون کرنا ہے۔

اسلام نے جنگ کی اجازت کب دی

رہا یہ کہ قرآن شریف میں جنگ کے احکام پائے جاتے ہیں۔ تو یہ درست ہے۔ مگر لڑائی کی ابتدا مسلمانوں نے نہیں کی۔ اور اس پر قرآن شریف اور تاریخ اسلام دونوں کھلے گواہ ہیں۔ حالات یہ

تھے کہ مسلمانوں کو مکہ میں طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں۔ اسے جان سے مارا جاتا تھا۔ پہلے کچھ لوگ بھاگ کر حبشہ میں چلے گئے۔ پھر کچھ مدت بعد جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے۔ وہ اذیتوں کو ناقابل برداشت پاکر مدینہ میں چلے گئے۔ مگر ان کے دشمنوں نے ان پر چڑھائی کی۔ تب مسلمان مقابلہ میں نکلے۔ چنانچہ سب سے پہلا حکم قرآن شریف میں جو لڑائی کے متعلق پایا جاتا ہے۔ وہ ان الفاظ میں ہے اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق ان لوگوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو مدد دینے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ پس مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس وقت دی گئی جب دشمنوں نے پہلے ان کو گھروں سے نکالا۔ اور ان پر طرح طرح کے ظلم کئے۔ پھر اس پر بھی نہ چھوڑا بلکہ ان پر چڑھائی کی اور جنگ کر کے ان کے وجود کو مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تب مسلمانوں کو اجازت ہوئی کہ اپنی حفاظت کے لئے جنگ کرو۔ اور قرآن شریف نے جنگ کے حکم کو بھی صاف الفاظ میں محدود کر دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔ اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور اس حد سے آگے نہ بڑھو۔ اور تاریخ کی کھلی کھلی شہادت موجود ہے۔ کہ پہلی تینوں لڑائیاں جو مسلمانوں کو کرنی پڑیں۔ وہ تینوں مدینہ پر تھیں یعنی دشمن پونے تین سو میل سے چڑھ کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تب مسلمان اپنی حفاظت کے لئے باہر نکلے۔ اور قرآن شریف میں کافروں کے قتل کرنے کا کوئی حکم نہیں۔ ہاں دین ملک اور اقوام کی حفاظت کا حکم ہے۔ کہ جب دوسرے تمہیں تباہ کرنا چاہیں۔ اور اس غرض کے لئے تلوار لے کر نکلیں۔ تو تم بھی تلوار لے کر ان کا مقابلہ کرو۔ بلاشبہ ایک وقت آتا ہے کہ تلوار چلانا ہر ایک انسان کا فرض ہو جاتا ہے لیکن وہ وہی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی حفاظت اس کے سوا نہ کر سکتا ہو۔ یہی صورت اسلام کے لئے پیدا ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں نے بلاشبہ تلوار کو بڑے زور سے چلایا۔ اور کبھی بزدلی نہیں دکھائی نہ جان دیتے وقت کانپے۔ مگر صرف ان دشمنوں کے مقابل جو تلوار سے انہیں تباہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے سے دگنے تگنے دس گنے تک زبردست دشمن کا مقابلہ کرتے تھے مگر چونکہ دشمن ناحق پر لڑتے تھے اور یہ حق پر لڑتے تھے۔ اس لئے ہمیشہ فتحیاب ہوتے تھے۔ کیونکہ حق کی طاقت خدا کی نصرت کے رنگ میں ان کے ساتھ تھی۔ اگر اس وقت مسلمان نہ لڑتے تو ان کا وجود دنیا سے مٹا دیا جاتا۔ اور وہ اسی قابل ہوتے کہ مٹا دئے جاتے اگر وہ اپنی جانوں کو مذہب اور قوم اور ملک کی حفاظت کے لئے قربان نہ کرتے۔ اور یہ

یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن شریف میں کسی کافر کو قتل کرنے کی اجازت یا حکم نہیں صرف لڑائی کی حالت میں اور لڑائی بھی وہ جس کی ابتدا دشمن کی طرف سے ہو۔ خون گرانے کی اجازت ہے۔ مگر اس کے ساتھ پھر حکم ہے کہ دشمن اگر صلح کرنے پر آمادگی ظاہر کرے تو صلح کر لو۔

اگر تلوار دین اسلام کو پھیلانے کے لئے ہوتی۔ تو کافروں اور مشرکوں سے صلح کا حکم کیوں ہوتا افسوس ہے۔ کہ اسلام پر نکتہ چینی کرنے والے ایک لمحہ کے لئے بھی تدبر سے کام نہیں لیتے اور واقعات کو پس پشت پھینک کر محض اسلام کو بدنام کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

اسلام تمام قوموں میں محبت کی بنیاد رکھتا ہے

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی شخص ایک بھی واقعہ پیش نہیں کر سکتا۔ کہ کسی شخص کو بجبر مسلمان کیا گیا ہو۔ اور ہو کس طرح سکتا تھا جب صاف اعلان کیا جا چکا تھا۔ کہ مذہب میں جبر کوئی نہ ہوگا۔ اور اسلام کی تو تعلیم ہی ایسی ہے جو دنیا میں صلح اور محبت کو پھیلاتی ہے۔ اور تمام مذاہب کو محبت سے ساتھ رہنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس سے بڑھ کر صلح کی بنیاد کیا رکھی جا سکتی تھی۔ کہ قرآن شریف نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا۔ کہ مسلمان وہ ہے جو دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل قبلک وہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر اتارا گیا۔ تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ اور پھر فرمایا ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں نبی نہیں آئے لکل قوم ھاد ہر قوم میں ہادی گذرا ہے۔ لکل امۃ رسول ہر امت میں ایک رسول ہوا ہے ولکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا ہر قوم کو ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقہ دیا گیا اس سے بہتر کوئی اصول دنیا میں آشتی اور محبت کا پیدا کرنے والا ہو سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو تو چارہ نہیں کہ وہ مانے کہ جس طرح عرب میں اور شام میں نبی ہوئے۔ اسی طرح ایران، ہندوستان، چین میں اور [illegible] نبی ہوئے۔ کیونکہ ان کی الہامی کتاب بتاتی ہے۔ کہ کوئی قوم نہیں جس میں نبی نہ آیا ہو۔ کاش ہمارے ہندو دوست اسی پیغام قرآنی پر قدم آگے بڑھاتے۔ اور جب انہیں یہ محبت کا پیغام دیا گیا تھا۔ کہ ہم تمہاری قوموں میں بھی نبیوں کا آنا مانتے ہیں۔ اور تمہارے بزرگوں سے اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کے قائل ہیں تو وہ بھی محبت کا ہاتھ یہ کہہ کر آگے بڑھاتے کہ جو شخص ہمارے بزرگوں کی یوں عزت کرتا ہے ہم بھی اسی طرح اس کے بزرگوں کی عزت کرتے ہیں۔ اور اس انسان کو جو نسل انسانی پر اتنا بڑا احسان کرتا ہے۔ کہ سب میں محبت اور صلح کی بنیاد رکھتا ہے۔ خدا کا پیغمبر ماننے میں ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

سید الانبیا کی تمام تر کوششیں اس بارہ میں تھیں کہ جس طرح ان کی ذات افضل المرسلین ہے اُن کی اُمت بھی افضل الامم بنے۔ رات دن اس اُمت مرحومہ کی فلاح وبہبودی کا خیال آنحضرت صلعم کو رہتا تھا۔ وہ وہ تدبیریں مسلمانوں کی ترقی کی سوچیں کہ جن سے بالاتر کوئی ہمدرد قوم سوچ نہیں سکتا۔ اُن کی دلی آرزو تھی کہ مسلمانوں کے لئے ایسا منشور تیار کر جاؤں کہ یہ بعد میرے عزیز سے ذلیل شریف سے رذیل اور تونگر سے گداگر نہ ہوں۔ اور ان کی جماعت کا شیرازہ سب کو آپس میں ملائے رکھے۔ اس سے زیادہ اور کیا شفقت وہمدردی کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ جناب باری عزاسمہٗ نے اس باب خاص میں حریص کے لقب سے یاد فرمایا۔ بیشک آنحضرت کو دنیا میں اگر کسی چیز کی حرص تھی تو وہ یہی کہ امت ٹھکانے سر لگ جائے۔

مسلمانوں کی معاشرت، تمدن، عبادت، سیاست وغیرہ کے وہ قابلقدر طرق وآئین قرار دئے کہ اگر اہل اسلام اُن پر عمل کئے جاتے اور راہ سے بے راہ نہ ہوتے تو تا قیام قیامت کبھی ادبار وافلاس کا مُنہ نہ دیکھتے۔ آج جو ذلت مسلمانوں کو نصیب ہو رہی ہے اُس کی اصلی جڑ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے ہادی ومرشد کی ہدایتوں سے منہ موڑ لیا ہے۔ اس کی تعلیم پر جس طرح عمل کرنا چھوڑا تھا غور کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اگر ان مسائل کو جو شریعت اسلام کے ساتھ مخصوص ہیں عبرت بیں اور سبق آموز نگاہوں سے دیکھتے تو ہرگز ہرگز اس روز بد کی صورت نہ دیکھتے۔ اکثر روشن خیال حضرات جو قوانین شریعت پر معترض ہوتے رہتے ہیں۔ اُس کی وجہ صرف یہی ہے کہ غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ ورنہ کبھی ہرگز کوئی وسوسہ ان کے دل میں پیدا نہ ہو۔ میں جیسا کہ باب دوم میں لکھ آیا ہوں ہماری شریعت کے جملہ مسائل بالکل عقل وحکمت کے مطابق ہیں۔ کوئی بات ایسی نہیں جس میں بنی نوع انسان کے لئے کوئی فائدہ متصور نہ ہو۔ لغو باتیں کرنا مہمل ولایعنی امور کا رواج دینا تو دیوانوں اور بیوقوفوں کا کام ہے نہ کہ محمد مصطفیٰ صلعم جیسے حکیم کامل اور عقل کل کا۔ انہوں نے ہر امر کو پہلے عقل وحکمت کی میزان میں تول لیا ہے جب اپنی اُمت کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

میں اس چھوٹے سے رسالے میں وہ دانش وحکمت کے تمام خزانے تو کہاں کھول سکتا ہوں جو شریعت اسلام اپنے دامن میں لئے چلی آتی ہے۔ ہاں صرف چند باتیں بطور مشتے نمونہ از خروارے اور خوشہ از خرمنے بیان کئے دیتا ہوں اُمید ہے کہ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائیگا تو ضرور شکوک کا ایک بہت بڑا حصہ ان لوگوں کے دماغ سے مٹ جائیگا جو آئے دن اسلام پر معترض ہوا کرتے ہیں۔

اِمتناعِ رُہبانیّت

رُہبانیت کے معنے دُنیا سے تعلقات قطع کر کے پہاڑوں اور جنگلوں میں زندگی بسر کرنے کے ہیں عیسائیوں اور یہودیوں کا یہ شعار تھا کہ وہ معاشرت اور تمدن کے بکھیڑوں سے آزاد ہو کر پہاڑوں کی کھوؤں اور صحراؤں کے دامنوں میں زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ نہ خود کسی سے ملتے تھے نہ اپنے پاس کسی کو آنے دیتے تھے۔ رات دن یاد خُدا کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

دنیا والے چونکہ حد سے زیادہ اُن کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ اس لئے یہ خیال روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی تھی جس کا ایک معمولی اثر یہ تھا کہ آبادیوں میں ویرانی اور ویرانوں میں آبادی نظر آنے لگی۔

ایک بڑی زبردست تعداد اُن ناکتخدا لڑکیوں کی کوہستانی سلسلہ میں دکھائی دیتی تھی جو خدا کی تمام نعمتوں سے اس امید پر دست کش ہوگئی تھیں کہ ایک وقت معہود میں حضرت عیسیٰؑ سے شادی کریں گی۔ اس زمانہ کے رہبانوں کا حال ایسا ہی سمجھ لو جیسے آج کل ہندوستان میں سادھو اور سنیاسی لنگوٹیا باندھے اطراف عالم میں چکر لگا رہے ہیں۔

خاتم الانبیاء نے اپنی امت سے اس قسم کی عبادت کو بالکل ہٹا دیا اور صاف طور پر یہ فرما دیا لا رھبانیۃ فی الاسلام (اسلام میں رہبانیت نہیں) جو فلسفہ اس امتناعی پردہ کے اندر ہے ذرا سے غور و تامل کے بعد آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

رہبانیت اختیار کر کے عبادت بیشک جیسی چاہئے ویسی ہو سکتی ہے۔ مگر اُس سے تمدن میں جو جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اگر اُن کا لحاظ کیا جائے۔ تو اس طریقہ کی عبادت سے بدتر کوئی طریقہ دُنیا میں نظر نہیں آتا۔ ذیل کے واقعات پڑھ کر معلوم ہوگا کہ یہ ایک نیکی کس قدر نیکیوں کے دروازے بند کرنے والی ہے۔

۱۔ اگر درحقیقت رہبانیت ایک پسندیدہ شے ہے۔ تو ہر فرد انسان کا یہ فرض ہے کہ تارک الدنیا بن جائے اور تمام تعلقات سے یک لخت منہ موڑ لے لیکن قابل غور یہ امر ہے۔ کہ ایسی حالت میں رہبانوں کی معیشت کا کفیل کون ہوگا؟ اور حوائج جسمانی کا اقتضا کس تدبیر سے پورا کیا جائے گا؟

۲۔ رہبان جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے خدا کی لاکھوں نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ان کو دیکھتا، سونگھتا، چکھتا، سنتا یا چھوتا تو کس قدر صانع کی معرفت میں اضافہ ہوتا؟

خدا کو کسی شخص نے آنکھ سے تو دیکھا ہی نہیں مخلوقات ہی سے پہچانا ہے پس جو مخلوقات سے زیادہ واسطہ رکھے گا جو ہر شے کی کمیت و کیفیت کو عبرت بین نگاہوں سے جانچے گا۔ اس کی معرفت و یقین کا پایہ بھی بلند ہوگا اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کے [illegible] کی سیر کرو بسیر و سیاحت سے بڑی غرض یہی ہے کہ تجربات زیادہ ہوں واقفیت کا دائرہ وسیع ہو صنعت الٰہی کے عجیب و غریب نمونے آنکھوں کے سامنے آئیں مخلوقات کی مختلف کیفیتوں سے آگاہی ہو۔ رہبان غریب کسی پہاڑ کی کھوہ میں پڑا ہوا کیا جان سکتا ہے کہ اس کی پس پشت کیا ہو رہا ہے پس بظاہر تو یہ خدا پرستی ہے لیکن بباطن مصنوعات الٰہی کی بے قدری جس سے عین خالق کی تحقیر لازم آتی ہے۔

۳۔ رہبانیت اختیار کر لینے پر انسان اپنے بنی نوع کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اُس کا وجود اُس کی بنی نوع کے لئے بالکل ناکارہ اور بے مصرف ہے اگر وہ بنی نوع کے درمیان زندگی بسر کرتا ہوتا تو نہ معلوم کتنے خدا کے بندے اُس کی ذات سے فائدہ حاصل کرتے

بہت سے مواقع اُس کو ایسے پیش آتے کرناداروں کا افلاس دور کرتا ننگوں کو کپڑا پہناتا بھوکوں کو کھانا دیتا بیماروں کی تیمارداری کرتا۔ ضعیفوں اور اپاہجوں کی خبر لیتا یتیموں پر شفقت کرتا مظلوموں کی فریاد سنتا۔ دبے ہوؤں کو بچاتا جلتوں کو نکالتا سخت دلوں کو مواعظ سے رحمدل بناتا متکبروں کا سر نیچا کرتا خود عبادت کرتا اور دوسروں کو رغبت دلاتا بنی نوع انسان میں محبت پیدا کرنے کی کوشش کرتا اصلاح تمدن کی تدبیریں سوچتا معاشرت میں آسانیاں دکھاتا غرضکہ ہزاروں فائدے اس کی ایک ذات سے وابستہ تھے جن کو اس نے اپنی خود غرضی سے ملحوظ نہ رکھا۔ اس کی اس ایک طریقہ عبادت نے ہزاروں نیکیوں سے محروم کر دیا اس کی ذات دوستوں عزیزوں اور بالخصوص اس کے گھر والوں کے لئے اسی طرح بیکار ثابت ہوئی جس طرح غیروں کے لئے۔ اولاد کی پرورش زوجہ کی خبرگیری جو اس کا ذاتی فرض تھا دوسروں کے سر پڑ گیا۔

۴۔ رہبانیت سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ توالد و تناسل کا سلسلہ جس سے تمدن کی رونق اور ذکر خدا کی گرم بازاری ہے قطعاً بند ہو جاتا ہے اور وہ قوت شہوانیہ جس کو بڑی حکمت سے خلاق عالم نے جسم انسان میں ودیعت فرمایا ہے بالکل بے مصرف و ناکارہ ہو جاتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کفران نعمت ہو سکتا ہے کہ خدا تو اپنے فضل و کرم سے ایک ایسی نعمت عطا فرمائے جس کی لذت تمام لذات سے مافوق و بالاتر ہو۔ مگر انسان اُس کو مہمل سمجھ کر نظرانداز کر دے اور اُس کے حقیقی فائدہ سے محروم رہے۔

خیال کرو اس سے نظم عالم کو کس قدر عظیم الشان نقصان پہنچتا ہے نہ معلوم ایک شخص کی نسل میں کتنے لوگ پیدا ہوتے؟ اور کیسے کیسے خداشناس اور معرفت مند ہوتے؟ اور نہ معلوم کیا کیا فوائد بنی نوع کو اُن سے پہنچتے؟ ایک شخص کی محض بے عقلی اور سفاہت نے اُن سب کا کھوج مار دیا۔

ہمارے نبی صلعم نے اس فعل کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور اپنی اُمت کو تاکید کی کہ تجردانہ زندگی بسر نہ کریں حدیث شرار موتاکم العزاب (بدترین مردوں میں وہ مرد ہے جو بن بیاہا مر گیا) سے واضح ہوتا ہے کہ بدوں تزویج و مناکحت مسلمان اپنے نبی کو خوش نہیں کر سکتے۔ مقصود بالذات حضرت کا اس سے یہ نہیں کہ دنیا میں مزے اڑاؤ بلکہ زیادہ نسل انسانی کا راز اس میں مخفی ہے۔

۵۔ رہبانیت سے خداوند عالم کی ایک بہت بڑی غرض فوت ہوتی ہے یعنی اُس نے جو انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے تو نہ اس وجہ سے کہ وہ نہ مستقیم القامتہ ہے اچھی صورت رکھتا ہے۔ عمدہ عمدہ لباس پہنتا ہے اونچے اونچے مکانات میں رہتا ہے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہے۔ اعلےٰ سے اعلےٰ غذائیں کھاتا ہے۔ رات کو سوتا ہے دن کو گشت لگاتا ہے۔ بلکہ وہ چیز جس نے اس مرتبہ عظمیٰ و موہبت کبریٰ پر فائز کیا یہ ہے کہ وہ باوجود ہزارہا وساوس شیطانی میں مبتلا ہونے اور صدہا تمدنی مخمصوں میں گرفتار رہنے کے پھر بھی اپنے معبود کو یاد کرتا رہتا ہے۔ ملائکہ جن کو قدرت نے صرف نفس ملکوتی عنایت فرمایا ہے اگر شب و روز عبادت الٰہی میں بسر کرتے ہیں تو کون محل تعجب ہے کیونکہ اُن کے لئے اس کام سے مانع ہی کیا ہے؟ وہ اگر عبادت نہ کریں تو اور کیا کریں؟ نہ اُن میں قوت غضبی ہے۔ کہ ایک دوسرے

سے لڑیں۔ نہ قوتِ شہوانی ہے کہ کسی چیز کے حاصل کرنے کی خواہش کریں۔ اور جسمانی راحت میں حصہ لیں۔ مگر انسان بیچارہ جس کو ایک طرف سے قوتِ غضبی کھینچ رہی ہے۔ دوسری جانب سے قوتِ شہوانی نوچ رہی ہے۔ ایک طرف بیاں ابلیس چپت جما رہے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی کسی وقت اپنے معبود کی یاد سے غافل نہیں ہوتا اور باوجود ان ہزاروں بکھیڑوں کے وہ خضوع و خشوع سے عبادت کرتا ہے۔ وہ سچی معرفت کا دم بھرتا ہے۔ کہ ملائکہ عش عش کر جاتے ہیں۔ اگر خدا کو بنی آدم سے ایسی ہی عبادت کرانی مقصود ہوتی جیسی ملائکہ کرتے ہیں تو اس کو ایک جدید نوع کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ کام تو بوجہ اتم ملائکہ پورا کر رہے تھے اور اگر یہ امر بابِ آفرینش میں بہلانے کے قابل تھا ہی تو پھر قوت غضبی اور شہوانی کی بیڑی کیوں پیر میں ڈالی یہ تو سراسر ظلم ہے کہ اقتدار کم اور کام زیادہ۔ قوت تھوڑی اور بار بہت یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ ایک پالتو ٹٹو اُسی قدر تیز رفتار ہو جتنا ایک پاکستادہ نہیں بلکہ انسان کو پیدا کر کے خُدا کو اپنی کافر مخلوقات پر اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کہ میں ایسا شایانِ عبادت ہوں۔ کہ بنی آدم اگرچہ تمدن کی پابندیوں میں رات دن پھنسے رہتے ہیں۔ مگر پھر بھی وقت پر میرا نام لے ہی لیتے ہیں۔ اب فرمایئے رہبانیت میں یہ بات کہاں ہے؟۔

۷ ۔۔ رہبانیت اختیار کرنا حد درجہ بزدلی اور نامردی ہے یہ صورت وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو مصیبتوں پر صبر نزول بلا پر استقلال نہیں رکھ سکتے اور قضا و قدر الٰہی کو بھول جاتے ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو مصائب کا نزول ایک معیار ہے جس سے انسان کی معرفت اور حق شناسی کو جانچا جاتا ہے جو مصیبت پر صبر کرنا نہیں جانتا اور درد اور دُکھ میں شکر نہیں کرتا وہ خدا کی معرفت سے کوسوں دُور ہے ایک سنار اُس وقت تک سونے کے خالص ہونے کا یقین نہیں کرتا جب تک اس کو تپا کر نہ دیکھ لے گو کہ خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ امتحان لے کر ہی کسی کا حال جانے اُس پر تو ذرہ ذرہ کی حالت منکشف ہے۔ مگر وہ اس لئے ایسا کرتا ہے کہ بندوں کو دکھا دے کہ وہ اپنے دعوے میں صادق ہیں یا کاذب۔ انسان میں تجربہ کاری اور پختگی اُسی وقت آتی ہے جب وہ مختلف قسم کے مصائب کا شکار ہو چکا ہو بہت سے عنوان مصیبتوں کی آنکھوں سے دیکھ چکا ہو۔ زمانہ کی رفتار کا اندازہ مختلف واقعات سے کر چکا ہو۔ اور یہ باتیں حاصل ہوتی مگر اس وقت جبکہ بنی نوع کے درمیان رہ کر زندگی بسر کرے جہاں اس کو رات دن ایسے معاملات سے واسطہ پڑا رہتا ہے سچی جوانمردی اسی میں ہے کہ جو پڑے اُس کو خوشی سے جھیلے۔ جو سر پر آئے اُسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو استقلال کی باگ ہاتھ سے نہ دے نہ اس میں کہ دنیا سے منہ موڑ کر تعلقات کا رشتہ توڑ کر آبادی کو سلام کر کے دوستوں سے منہ چھپا کر پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے۔ لے۔ دنیا دار بندہ اپنے خالق سے ہر ہر موقع پر اُس کی نعمتیں اس طرح ہٹ کر کے مانگتا ہے جس طرح بیٹا باپ سے یا غلام آقا سے۔ اس کی نگاہ میں مصنوعات الٰہی کی توقیر ہے وہ ان کا ادب لحاظ اور ضروری سمجھ کر اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس قدر عزیز جانتا ہے۔ کہ جب کوئی نعمت اُس سے سلب کر لی جاتی ہے تو بے چین

ہوجاتا ہے اور رو رو کر گڑگڑا کر اس کے پھر دوبارہ ملنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے یہ تمام باتیں بندگی کی ایک خاص شان کو ظاہر کرتی ہیں عقل یہ بتاتی ہے کہ خدا کو ضرور ایسے لوگوں سے خوش ہونا چاہیئے کیونکہ وہ اس کی مخلوقات کے قدرداں ہیں جس سے عین اس کی قدر دانی لازم آتی ہے۔ بخلاف اس کے راہب میں ایک متکبرانہ ادا اور بے نیازی کی سی شان دکھائی دیتی ہے کیونکہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر دیتا ہے اس لئے اس کو کسی شے کے طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ باز از عالم کی ہر جنس کو غیر ضروری خیال کر کے کبھی خدا سے کچھ نہیں مانگتا۔ وہ عبادت ضرور کرتا ہے مگر یہ بات کہاں؟

۷ قطع نظر اس کے کہ رہبانوں سے بنی آدم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا خود انہیں کی پرورش کا بار اُن کی قوموں کے سر پر پڑ جاتا ہے کیونکہ جنگل میں جا بیٹھنے سے مائدہ تو نازل ہونے ہی نہیں لگتا۔ اور بھوک تو مرہی نہیں سکتی۔ پس ضرور ہے کہ کہیں نہ کہیں سے اس نادان مخلوق کا پیٹ پالا جائے اس کام کیلئے بجز دنیا داروں کے اور کون ہو سکتا ہے؟ یار لوگ تو لنگوٹا باندھ بیٹھ گئے بوجھ پڑا تو اس غریب مخلوق پر جس کے اوپر طاقت سے کہیں زیادہ بار لدا ہوا ہے۔ سچ ہے

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند

آریوں نے ایک مرتبہ اس بات کی تحقیق کی تھی کہ ہندوستان کے سادھوؤں کی خوراک میں قومی روپیہ اس قدر صرف ہوتا ہے معلوم ہوا کہ صرف ایک لاکھ روپیہ کی چھوٹی سی رقم روزانہ ان لنگوٹ بندوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ یہ تو صرف ہندوستان کے ہندو تارک الدنیا لوگوں کا لقمہ تھا۔ اگر اور فرقوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ اور ممالک عالم کے ہر ایک حصہ سے کل تعداد معلوم کر کے حساب جوڑا جائے تو کروڑوں روپیہ اہل دنیا کا اس ناعاقبت اندیش فرقہ کے پیٹ میں جاتا دکھائی دیگا۔ کاش یہ رقم اپاہجوں اندھوں اور بوڑھوں کی دستگیری میں کام آتی ہے۔

وہ مسلمان سخت غلطی پر ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ نے دنیا کو دین سے علیحدہ کر دیا ہے آنحضرتؐ نے کبھی ہرگز ترک دنیا کا حکم نہیں دیا اور نہ کبھی خود دنیا کو ترک کیا۔ بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ دنیا کو ایسے عنوان سے حاصل نہ کرو جس میں خلق اللہ کی دل آزاری اور خدا کی ناخوشی ہو نعمات الٰہی کو ضرور استعمال کرو مگر حلال و حرام میں تمیز کر کے بنی نوع کے حقوق کا لحاظ رکھ کے جو کھاؤ محنت کر کے کھاؤ ضرورت سے زیادہ گھر میں بھر کے حاجتمندوں کا حق نہ مارو۔ لذات میں پھنس کر خدا کو نہ بھولو۔ مال ضرور حاصل کرو مگر ممدوح طریقوں سے۔ بدن کو راحت پہنچاؤ مگر اسی حد تک کہ نظام عالم میں ابتری نہ ہو۔ اچھا کھاؤ اچھا پہنو۔ مگر ننگوں بھوکوں کی خبر لیکر اگر رسول اللہ کی تعمیل کے موافق انسان چلے تو دنیا عین دین نظر آتی ہے یہ مزرعہ آخرت ہے یہاں مختلف طریقوں سے نیکیاں حاصل کی جاتی ہیں حصول خیر اسی پر موقوف نہیں کہ گوشہ میں رات دن بیٹھے اللہ ہی اللہ کئے جائیں بلکہ دین کی ترویج جاہلوں کی ہدایت اولاد کی پرورش معیشت کا کسب غریبوں کی خبرگیری معاملات میں انصاف بنی آدم کی مواسات وغیرہ ایسی زبردست نیکیاں ہیں کہ اگر بصدق دل کی جائیں تو ان سے بہتر کوئی نیکی ہو نہیں سکتی بجو دین دنیا کو رہبانیت سے بچاتا ہو وہ قتل انسان کی اجازت کیونکر دے سکتا ہے وہ لوگ کسقدر بے انصاف ہیں جو اسے تلوار کا مذہب قرار دیتے ہیں

بخت نصر نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا کیا؟ بابل کی نشیب و مرطوب زمین سے جا کر دریافت کرو۔
بحر قلزم کے شمالی گوشہ اور دریائے نیل میں غرق ہونے والے نے بنی اسرائیل پر غلبہ پاکر انکے ساتھ
کیا کیا؟ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے فرماتا ہے وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ
سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ۔ فراعنہ نے
ملک شام کے ساتھ کیا کیا؟ تاریخوں میں پڑھو اور حسرت و حیرت کی انگلیاں غم و غصہ کے دانتوں سے کاٹو۔
مغلوں نے چین کے ساتھ کیا کیا۔ فصیل چین کو کچھ سنا ہوا اور کچھ دیکھا ہوا ضرور یاد ہوگا۔ اس سے
جا کر دریافت کرو۔
ترکستان نے ایران پر غلبہ پاکر کیا کیا تھا؟ کہیں اس سرزمین کی خاک سے وراثت ہوا ہیں اڑ [illegible]
جاتی ہیں تو اونکو سونگھو۔
ایران کو جب موقع ملا تو اس نے ترکستان کے ساتھ کیا کیا؟ کیخسرو کے آخری جنگ کا افسانہ پڑھو۔ جہاں
افراسیاب کو قتل کرنے کے بعد ترکستان کے قتل عام کا تذکرہ موجود ہے۔
ساسانیوں نے یونانیوں اور رومیوں سے سکندر کی زیادتی کا بدلہ کس طرح لیا۔ اسکی روداد بھی کچھ کم خونچکاں
نہیں ہے اور آہ و فغاں کی آوازیں اور کچھ کم شہروں اور آبادیوں کی آتشزدگی کے شعلے نہیں رکھتی۔

اسلامی اخلاق کا مایۂ الامتیاز معلوم ہوتا ہے کہ اس زود گردش آسمان اور اس دائم الحرکت زمین نے
ہمیشہ طاقتوروں کو شمشیر بکف اور کمزوروں کو خاک و خون میں لوٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن زمانہ پر اسلام نے [illegible]
دنیا کی بدتمیزیوں اور ظالمانہ نفس پرستیوں کے خار دار جنگلوں اور ناہموار گھاٹیوں کو صاف و ہموار کر [illegible]
قوم اٹھتی ہے۔ وہ قوم خدا تعالیٰ سے ہر چند بڑی طاقتور قوم ہے۔ اسکی طاقت کمزوروں پر [illegible]
خدا تعالیٰ کی مخلوق کو برباد کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ مخلوق خدا کی حفاظت اور خلق آزاروں کی ہلاکت کیلئے ہے
تاکہ دنیا اپنے انتہائی حسن و جمال کو حاصل کرسکے۔ اور انسان اپنی حقیقی ترقیات کی راہوں میں گامزن ہوسکے۔
وہ طاقتور قوم حملہ آور ہوتی ہے۔ لیکن جبکہ پہلے اسپر حملہ کیا گیا ہو۔ وہ قتل بھی کرتی ہے لیکن پہلے
جبکہ اسکو قتل کیا گیا ہو۔ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ
أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا۔ الخ جب کوئی اس قوم سے صلح کرنا چاہتا ہے

وہ فوراً صلح پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ بظاہر صلح اسکے لئے مفید ہے یا مضر۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ یہ قوم کسی دوسری قوم سے ضرر رسیدہ ہونیکے بعد جب اُس پر چیرہ دست ہوتی ہے تو بدلہ لینے میں آپے سے باہر نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اکثر مغلوب دشمن کے ساتھ عفو و درگذر ہی کا برتاؤ کرتی ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ؕ اسی قوم کا نام مسلمان ہے۔ اور یہی قوم ہے جو دنیا میں تنہا امن و آسایش کے قائم کرنے والی قوم ہے۔

کوئی اُٹھے اور انصاف سے بتائے۔ کہ لڑائی میں عورتوں بوڑھوں بچوں کو نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھنا۔ اپنے خون کے پیاسے حریف پر فتح پانے کے بعد جبکہ وہ پناہ مانگے اُس پر ہتھیار نہ اُٹھانا۔ کانوں اور کھیتوں کو تباہ نہ کرنا۔ دشمن کے عبادت خانوں کی تکریم کرنا۔ مفتوحہ قوم کے ساتھ محبت و شفقت اور اُلفت سے پیش آنا۔ اپنی جان خطرہ میں ڈالکر مفتوحہ قوم کی حفاظت کرنا۔ اور اسکو خطرے کے مقام میں جانے کی تکلیف نہ دینا۔ مفتوح قوم کے بزرگوں کے نام عزت سے لینا۔ وغیرہ باتوں کے متعلق قوانین مسلمانوں سے پہلے کسی قوم نے مرتب کئے اور اس سیر چشمی پر کوئی قوم آمادہ ہوئی ؟

مسلمانوں نے شام کا ملک فتح کیا لیکن وہ برتاؤ نہیں کیا جو شام میں مصریوں نے کیا تھا۔ مسلمان ایران میں گئے اور فاتح بنکر گئے لیکن ایران کے شہروں اور قصبوں سے وہ دھوئیں کے بادل نہیں اُٹھے جو سکندر کے ایران میں داخل ہونے کے وقت اُٹھے تھے۔

مسلمانوں نے اسپین میں پہنچکر یورپ کے ساتھ جو جو احسانات کئے اُنکی گرانباری سے یورپ کی جھکی ہوئی گردن کسی طرح سیدھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اسپین میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اُسکی روداد سننے اور اُسکے آثار کو دیکھنے کے لئے سچ بتاؤ کیا سنگ خارا کے دل اور پتھر کی آنکھوں کی ضرورت نہیں۔ پتھر کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہونے کا قوی احتمال ہے۔ کیونکہ پتھروں سے اکثر دریا بہہ نکلا کرتے ہیں وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ۔

آؤ ذرا قریب کا تماشا دیکھو۔ دیکھنا کیا بیت المقدس سے جاکر پوچھو کہ جنہیں عیسائی داخل ہوئے تھے تو تیرے صحن میں مسلمانوں کے خون سے پیدا شدہ سمندر کی موجیں کسقدر ہیبتناک تھیں اور پھر چند سال کے بعد جبکہ سلطان صلاح الدین اپنی فتحمند فوج کے ساتھ آیا تو اسکی غازیانہ تلوار نے مفتوح عیسائیوں

میں سے تو نے کسی کی نکسیر بھی پھوٹتی دیکھی ہے یا نہیں؟۔

(عبرت - اکتوبر ۱۹۱۶ء)

اسلام سے پہلے دنیا کی افسوسناک تہذیب

ولیعہد سلطنت سگی بہن سے شادی کرنے پر مجبور تھا۔ شوہر اپنی بیویوں کو تندرست نوجوانوں کے پاس بھیجتے تھے

اسلام سے پہلے دنیا جس شرمناک تہذیب میں مبتلا تھی وہ اس درجہ افسوسناک ہے کہ دنیا کا کوئی بہتر [illegible] انسان اسے اچھی نظر سے دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ مشرق و مغرب جو آج اسلام کا دشمن ہے [illegible] پر اعتراضات کر رہا ہے دیکھ لے کہ اسلام سے پہلے دنیا کس پستی میں پڑی ہوئی تھی۔

اسلام کی ضوفشانی سے قبل ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی تھی [illegible] میں یہ رسم تھی کہ [illegible] کے دروازے پر پہنچتی تو ایک کیک کا چورا کر کے اسکے سر پر بکھیر دیتے تھے۔ اور حاضرین اسکے ٹکڑوں کو لوٹتے تھے [illegible] یہ ٹکڑے بن بیاہے لڑکوں اور لڑکیوں کے سرہانے رکھ دیئے جاتے تھے۔ اور یہ مانا جاتا تھا کہ ان ٹکڑوں [illegible] ہے کہ ان کو اپنے آئندہ زوج و زوجہ خواب میں دکھائی دیں گے۔ اس رسم کا بچا کھچا حصہ عیسائیوں میں [illegible] اعتقاداً ابتک رائج ہے۔

قدیم ایران میں ماؤں اور بیٹیوں سے شادی کر لی جاتی تھی۔

شہر بیلون میں ہر عورت قانوناً مجبور کی جاتی تھی کہ وہ اپنی عمر میں [illegible] ایک مرتبہ ضرور اپنی عزت و عصمت دیوی کے مندر میں قربان کرے۔

شہر سپرس اور لیڈیا میں رسم تھی کہ جب تک ہر نوعمر عورت کچھ روپیہ کسب سے نہ کما [illegible] کوئی مرد اس سے شادی نہیں کرتا تھا۔

فارموسا میں کسی عورت کو بھی ۳۰ یا ۳۵ برس کی عمر تک بچہ جننے کی اجازت قانوناً نہ تھی۔ اور ایک خاص [illegible] فرقہ ضعیف عورتوں کا تھا جو علاوہ پند و نصائح کرنے کے ان عورتوں کے اسقاط حمل کا بھی کام کرتی تھیں جو قبل از سن مقررہ حاملہ ہو جاتی تھیں۔

اہل روس میں رسم تھی کہ دلہن کو [illegible] پہناتے تھے جس سے یہ مراد تھی کہ حالت کتخدائی کی زندگی نہایت تلخ ہے۔ بعد تقریب شادی دولہا و دلہن دو گھنٹہ کے لئے تنہا چھوڑ دئے جاتے تھے۔ اس [illegible]

چند ضعیفہ عورتیں ان کے پاس جاتیں۔ اور دلہن میں آثار دوشیزگی مفقود پاکر خوشی مناتی تھیں۔ دلہن کے بال بکھرے ہوئے رکھے جاتے تھے۔ اگر زفاف کامل ہو چکا تو وہ اپنے بال باندھ لیتی اور ان عورتوں کے ساتھ اپنی ماں کے پاس جا کر حقوقِ شادی طلب کرتی تھی۔

اس ملک میں بھی ایک صدی گزری ہوگی جبکہ حماموں میں دو دو تین تین سو مرد اور عورتیں یک جا بالکل برہنہ ہو کر نہاتے تھے۔ اس زمانہ میں بے اولاد عورتوں کو انکے خاوند "کانونٹ" (خانقاہوں میں جہاں عورتیں راہبہ بنکر اپنی زندگی نہایت تکلیف دہ عبادتوں میں گزارتی ہیں) بھیج دیتے تھے۔ اور اگر وہ جانے سے انکار کرتیں تو زبردست زدوکوب کر کے بھیج سکتے تھے۔ اس زدوکوب کے وقت اگر عورت اپنے خاوند کو قتل کر دے تو وہ زندہ تا بہ گردن زمین میں دفن کر کے چھوڑ دی جاتی تھی۔ اور کبھی کبھی اس عبرتناک حالت میں کئی کئی دن زندہ رہتی تھی۔

قدیم زمانہ میں سپارٹا میں یہ قانون تسلیم کر لیا گیا تھا کہ عورت کا فرض منصبی ریاست کے لئے مضبوط اور تندرست بچے پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ ضعیف، کمزور اور دائم المریض مردوں کو حکم تھا کہ وہ اپنی بیویوں کو خوش رو اور مضبوط نوجوانوں کے پاس عمدہ اولاد حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً بھیجتے رہیں تاکہ ریاست کی فوجوں کے لئے مضبوط اور بہادر نوجوانوں کی کمی نہ ہو۔

ایک مرتبہ جب اس قوم کی فوج عرصہ تک اپنے وطن سے دور رہنے پر مجبور رہی تو اس میں سے تھوڑے سے منتخب سپاہی گھر واپس بھیجے گئے تھے تاکہ وہ سب کی بیویوں کو حاملہ کر آئیں۔ یہاں کے جوان مرد اور عورتیں بازیاں لگا کر برہنہ دوڑتے تھے، کشتیاں لڑتے اور ننگے ہو کر یکجا نہاتے تھے۔ اور جس جوان عورت کو جس خوشرو طاقتور جوان سے زیادہ محبت ہوتی تھی وہ اس سے اولاد پیدا کرنیکا مجاز ہوتا تھا۔ خواہ وہ کسی کی زوجہ ہو۔

جاپان میں اب تک جوان لڑکیاں زنا کی کمائی سے اپنے والدین کے قرضے اتارتی ہیں جو بڑا نیک کام سمجھا جاتا ہے۔ پھر لوگ ان سے شادی کرتے ہیں۔

کپتان کک صاحب نے تمام دنیا کی سیاحی کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اوسی نیکا کے باشندوں میں گو مذہبی عقائد ہیں اور روح انسانی کو لافانی مانتے ہیں۔ مگر ان میں شادی یا خاندانی تعلقات کا خیال تک بھی نہیں حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کونسے افعال شرمناک اور ناجائز ہیں۔ مرد اور عورتوں میں تعلقات مثل جانوروں کے بے روک ٹوک ہیں۔

جزیرہ ٹونگا اور ویسٹ انڈیز میں اولاد ماں کی مانی جاتی ہے۔ باپ کی نہیں۔ اور عورتیں کل کاروبارِ معاشرت

اور جنگ و صلح وغیرہ خود کرتی ہیں۔ مردوں کو دخل نہیں۔ ہندوستان کے نائر لوگوں میں بھی اولاد ماں کی سمجھی جاتی ہے اور عورت ہی جائداد کی وارث سمجھی جاتی ہے۔

اسیریا کے قدیم باشندے سال میں ایک مرتبہ شہر کی تمام قابل کتخدا لڑکیوں کو ایک جا جمع کرکے یکے بعد دیگرے نیلام کرتے تھے۔ اور اس طرح جو روپیہ وصول ہوتا تھا۔ وہ ان بدنصیب لڑکیوں پر تقسیم کیا جاتا تھا جن کا بوجہ بدصورتی کوئی خریدار پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ پھر اس روپے سے یا تو خاوند خریدتی تھیں۔ یا اس روپیہ کا لالچ دیکر کسی مرد کو اپنے سے شادی کرنے پر راضی کرتی تھیں۔

قدیم زمانہ کے متعلق جہاں تک تحقیقات سے ممکن ہے۔ یہی پایا جاتا ہے کہ شادی کبھی مذہبی معاملہ نہیں تھا اور پیشوایانِ دین یا پیغمبروں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔

فرانس میں تقریباً سوا سو برس تک یہ رسم جاری رہی کہ قبل شادی طرفین کے اعضائے مخصوصہ کی قوت اور قابلیت کا پورا امتحان کیا جاتا تھا۔ مردوں کا امتحان چند ڈاکٹر اور عورتوں کا چند ڈاکٹرنیاں کسی حاکم وقت یا پادری کی موجودگی میں کرتی تھیں۔ مگر ۱۶۷۷ء میں مسٹر جسٹس ٹی نین نے اس رسم اور دیگر قبیح رسوم کو قانوناً منسوخ کر دیا۔

باشندگان لیڈیمونیا ان لوگوں کو جو زیادہ عمر تک شادی نہ کرتے تھے یا شادی سے بچتے تھے بہت ہی ذلیل و خوار کرتے تھے۔ کوئی مرد ان میں مقررہ قانون سے زیادہ مجرد نہیں رہ سکتا تھا۔ ورنہ طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ اول یہ کہ حاکم شہر ایسے مردوں کو موسم سرما میں جمع کرکے عدالت عام کی چاروں طرف برہنہ ہوکر دوڑنے کا حکم دیتا تھا۔ اور ان کو اور بھی زیادہ شرم دلانے کے لئے گیت گاتے تھے۔ دوسرے دن اس مجمع میں شامل ہونے نہیں دیتے تھے۔ جس میں اسپارٹا کی رسوم کے مطابق جوان باکرہ عورتیں برہنہ ہوکر کثرت کرتیں اور کشتیاں وغیرہ لڑتی تھیں۔ تیسری سزا یہ تھی کہ طاقت والی عورتیں ایسے مردوں کو برہنہ کرکے انکی ٹانگیں پکڑ کے اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے پاس گھسیٹتی اور برابر گھونسے مارتی جاتی تھیں۔

ملک اسپین میں بھی قدیم زمانہ میں عورت بارہ برس کی اور مرد چودہ برس کا قابل شادی خیال کیا جاتا تھا۔ اور کوئی لڑکی بارہ برس کی ہوکر کسی مرد کو بشرطیکہ وہ چودہ برس کا ہو چکا ہے اپنے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کر سکتی تھی کہ ان دونوں میں تعلقات شادی باقاعدہ قائم ہو چکا ہے۔

پیرو کے قدیم باشندوں میں ولیعہد سلطنت اپنی سگی بہن سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔ اگر کوئی بہن نہ ہو تو قریب کی رشتہ دار سے۔

ملک برہما میں مانڈلے کے آخری بادشاہ نے انیسویں صدی کے اختتام کے قریب اپنی سگی بہن سے شادی کی تھی۔ اس خیال سے کہ اس درجہ اور وقار کا دوسرا بر اسکی بہن کے لیئے ملنا ناممکن تھا۔

پرو ویا کے قدیم باشندوں میں یہ بہت بری بات خیال کی جاتی تھی کہ کسی کی بیوی باعصمت ہو۔ عورت کے جسقدر چاہنے والے زیادہ ہوں اتنی ہی زیادہ اسکی عزت ہوتی تھی۔

ہندوستان میں اب تک کئی حصوں مثلاً ضلع شملہ کی بعض ریاستوں میں ایک عورت کے سارے سگے بھائی شوہر بنجاتے ہیں۔ یہ مالی دینداری ہندوستان کی ایک قدیم رسم ہے۔ آریاؤں میں شادی شدہ عورتیں خاوندوں کی اجازت سے دوسرے غیر مردوں سے اولاد حاصل کرتی تھیں۔ جسے نیوگ کہتے ہیں اور اسکی ستیارتھ پرکاش کے مطابق اب تک اجازت ہے۔ جنوبی ہندوستان کے نائر لوگوں میں اولاد لڑکی کی سمجھی جاتی ہے اور مرد اسکے گھر میں جاکر رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

عیسائی یورپ کے مذہبی تعصب کی چند مثالیں قرون وسطیٰ میں

سب سے بڑا اور عام الزام جو اسلام پر تاریخی اور مذہبی اعتبار سے مغربی مصنفین نے لگایا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام غیر روادار ہے۔

انتہا می کارروائی کا یہ الزام انتہا ہے جبکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہسپانیہ۔ اطالیہ اور اپولیہ میں ایک مسلمان کو بھی زندہ نہیں رکھا گیا۔ اور یونان میں سنہ ۱۸۲۱ء کی بغاوت کے بعد ایک مسلمان بھی زندہ اور ایک مسجد بھی کھڑی نہیں رہنے دی گئی۔ بلقان کے مسلمان جو ایک زمانے میں اکثریت کے مالک تھے تمام یورپ کی سازش ورضامندی کے ساتھ تدابیر خاص سے کم کر دئیے گئے۔ مسلمانوں کے ملکوں میں عیسائیوں کو عجیب عجیب طریقوں سے بغاوت کرنے اور تمام مسلمانوں کا قتل عام کرنے پر ابھارا گیا۔ لیکن جب مسلمانوں نے انتقام لینا چاہا تو انہیں سخت مطعون کیا گیا۔ یہودیوں پر تمام یورپ کے اندر زمانہ وسطیٰ میں ظلم وستم کیا گیا۔ عربوں کے ہسپانیہ سے نکلنے پر انکے اوپر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انہیں زار کی روس میں ستایا گیا۔ اور جب زمانے میں

پولینڈ کی سرزمین بھی ان پر تنگ کردی گئی لیکن اسلامی ممالک میں عیسائی اور یہودی آزادی ضمیر اور اپنے قومی معاملات میں داخلی طور پر کامل اختیارات سے بہرہ اندوز تھے اور ہیں۔ عیسائی مجلس احتساب خونی کے ظلم و ستم سے جو لوگ بھاگے تھے انکے لئے اسلامی ممالک بہترین پناہ گاہ تھے۔ مغربی عیسائیوں کو مسلمانوں کے معتقدات کے متعلق اسوقت تک کچھ بھی معلومات حاصل نہیں ہوئیں جب تک اٹھارہویں صدی کے دائرۃ المعارف لکھنے والے نہیں پیدا ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کو خوب معلوم تھا کہ عیسائیت کیا ہے اور اسلام سے کس کس بات میں مختلف الخیال ہے۔ اگر یورپ کو بھی اسلام کا اتنا ہی علم ہوتا جیسا کہ اس زمانے میں مسلمان عیسائیت سے واقف تھے تو صلیبی جنگیں نہ ہوئی ہوتیں۔

عیسائیت بیرونی دنیا کو قطعی طور پر مردود سمجھتی تھی لیکن اسلام کا یہ خیال نہیں تھا۔ شریف اور نیک دل عیسائی غیر عیسائی دنیا کو صرف عیسائی بنا کر ہی نجات دلا سکتے تھے۔ جب تک مغربی اقوام عیسائیت کے مذہبی قانون سے نکل نہیں گئیں وہ رواداری کے لفظ سے واقف نہیں ہوئیں۔ اسکے برعکس مسلمان رواداری اور تہذیب کے دوسرے اعلیٰ مقامات سے اسوقت محروم ہوئے جب انہوں نے اسلام سے منہ پھیر لیا۔ اسلام کے آنے سے پہلے رواداری کی حصہ مذہب ہونے کی حیثیت سے کبھی تبلیغ نہیں کی گئی تھی۔ مسلمانوں کے لئے یہودیت عیسائیت اور اسلام ایک ہی مذہب کی تین صورتیں تھیں۔ یہودی خدا کی رحمت کو صرف اپنے مخصوص فرقے کے لیے محدود کرتے تھے اور خدا کی بادشاہت کو اپنی قوم کا ورثہ قرار دیتے تھے۔ عیسائی کہتے تھے خدا کا رحم انہیں حاصل ہو سکتا ہے جو ہمارے مخصوص عقائد کو تسلیم کرلیں۔ اور کہتے تھے کہ خدا کی بادشاہت اس دنیا کی زندگی سے ایک علیحدہ شے ہے۔ جو ان عقائد سے انکار کرتا تھا وہ برادری سے خارج کیا جاتا تھا۔ خدا کی بادشاہت کا صحیح مفہوم صرف اسلام ہی نے پیش کیا۔ قرآن مجید متواتر تمام مذاہب کا [illegible] ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے نہیں کہا کہ تم میرے پیرو بن جاؤ۔ بلکہ [illegible] سے فرمایا کہ تم خدا کی بادشاہت کو قبول کرلو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے حکم اور رواداری کے مرتبہ سے ذرا گر گئے اور بعض اوقات غیر مذاہب کے لوگوں سے سختی کا سلوک کیا لیکن یہ بات صرف صلیبی جنگوں کے بعد ہوئی ہے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ ہمیشہ خاص سلوک کیا تھا۔ شام میں بہت سی ایسی مساجد ہیں جہاں عیسائی اور مسلمان برابر عبادت کرسکتے تھے اسلام کی رواداری کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب نہیں کرسکتا۔ اسلام کی رواداری۔ قوم مذہب اور نسل سے بالاتر ہے رواداری اسلام کی زبردست قوت تھی۔

(علامہ محمد پکتھال۔ رسالہ کوثر دہلی)

ہسپانیہ کی ان کویزیشن

دنیا کی تاریخ میں ہسپانیہ کی "ان کویزیشن" سے بڑھ کر کوئی دردناک اور شرمناک واقعات کا سلسلہ موجود نہیں۔ "ان کویزیشن" "تحقیقات مذہبی" کی ایک عدالت تھی جو ان لوگوں کو جن پر رومن کیتھالک مذہب کے متعلق ذرا بھی بدعت یا الحاد کا شبہ ہوتا نہایت وحشیانہ سزائیں دیتی تھی۔ اسکے ہزارہا جاسوس اور مخبر جس شخص پر چاہتے الزام لگا دیتے۔ اور اسے بلا کر طرح طرح کے تشددات اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی شیطانی سزاؤں کے ذریعہ سے خفیہ عدالتوں میں عذاب دیئے جاتے۔ زیر تحقیقات ملزموں کو مدتوں ایسے قید خانوں میں ڈالا جاتا تھا کہ جہاں ہر وقت تاریکی مسلط رہتی تھی۔ اور اس انواع و اقسام کے تسلط سے جو لوگ اپنے قصور کا اقرار نہیں کرتے تھے انہیں کبھی جانبر ہونا نصیب ہوتا تو قصور کا اقرار کرنے والوں کا حال تو اور بھی ناگفتہ بہ تھا۔ بمشکل کوئی مشتبہ شخص ان عدالتوں سے بری کیا جاتا تھا بخلاف آجکل کے ان کا قانون فوجداری یہ تھا کہ ایک گنہگار کے بچ نکلنے سے سو بیگناہوں کا مارا جانا بہتر ہے۔ کیونکہ اس بچ نکلنے والے بدعتی اور ملحد کے زہریلے اثر سے انکی رائے میں ہزارہا خوش اعتقاد متاثر ہو سکتے تھے۔ (ہسٹوریینس ہسٹری طبع اول جلد دہم)۔

جس دم سے کوئی مشتبہ ملزم "ان کویزیشن" کی عدالت میں پیش کئے جانے کے لئے قید خانے میں ڈالا جاتا تھا اس وقت سے لیکر اسکے کسی عزیز و قریبی کو اسکی موت و حیات کی کچھ خبر نہیں ملتی تھی اور نہ کوئی اسکی نسبت کچھ اعتراض کر سکتا تھا۔ کیونکہ اگر بیٹا بھی پکڑا جاتا تو باپ ایک کلمہ اسکی نسبت نہیں پوچھ سکتا تھا۔ ورنہ بلا دیر اسکے ہمدردی کرنیکے جرم میں وہ بھی اسی خوفناک قید خانہ میں ڈال دیا جاتا۔

"ان کویزیشن" کی عدالتیں جیسے جیسے دردناک عذاب دیکر اقبال کراتی اور قتل کیا کرتی تھیں انکا بیان کرسکنا مشکل ہے۔ پٹیوں اور شکنجوں کے ذریعہ سے ملزموں کے بازو اور ٹانگیں کھینچ کھینچ کر توڑ دی جاتی تھیں۔ انگلیوں کو اس زور سے ڈوروں سے کس کر باندھ دیا جاتا تھا کہ ناخنوں کے نیچے سے خون پھوٹ آتا تھا۔ ایک خوبصورت لڑکی کا لوہے کا بت بنا کر اندر سے خالی رکھا گیا تھا۔ اور اسکے اندر آہنی میخیں لگا دی گئی تھیں اور جب کسی بدنصیب کو سزا دینی ہوتی اس میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔

مگر یہ ان کویزیشن صرف ہسپانیہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ پرتگال۔ فرانس۔ اٹلی۔ جرمنی وغیرہ وغیرہ ممالک یورپ میں بھی پھیل گئی۔ اور یہ ۱۲۱۵ء سے شروع ہو کر اٹھارہویں صدی تک جاری رہی۔ یہانتک کہ رومن کیتھالک

ایجنسی کی اس ناپاک حرکت سے لاکھوں بیگناہ مارے گئے اور ایک عالم پر آشوب ہو گیا۔ بلکہ سپانیہ کے کتنے ناکردہ گناہ مسلمان بھی اس کا شکار ہو گئے۔ در اصل ہسپانیہ سے اسلام کو مٹانے کے لئے یہ ظالمانہ طریقہ ایجاد کیا گیا تھا۔ کیونکہ عیسائی پادریوں کو اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کے ہسپانیہ سے جلاوطن کر دینے کے بعد سے مسلمان خفیہ طور پر اپنے مذہب کے معتقد باقی رہ گئے تھے۔

مصنف ہسٹوریئنس ہسٹری جلد دہم ضمیمہ الف میں لکھتا ہے کہ ان کویزیشن کیسی شدید تھی۔ کون بیگناہ اس سے جان بچا سکتا تھا، اگر کوئی ظالم ان کوی زیشن کسی کو تباہ کرنا چاہتا۔ اگر کسی بیگناہ کو پوپ بنفس خود بری کر دیتا تاہم ان کوی زیشن اُسے جان سے مار ڈالتی یا اس سے معافی کا وعدہ کرا کر اقرار جرم کرا لیا جاتا۔ مگر بعد میں جبکہ مطلب حاصل ہو جاتا تو وعدہ کا ایفا ضروری نہ سمجھا جاتا۔ موت بھی گناہوں کی تلافی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ بعد مرگ بھی اس کا بُت بنا کر اُسے جلایا جاتا۔ اور سب سے بڑا غضب یہ کہ رومن چرچ کے اس ظلم کو اس وقت کا دنیاوی قانون بھی تسلیم کرتا تھا۔ اور یہ ایک باضابطہ عدالت تسلیم کی جاتی تھی۔

ان کوی زیشن کی ظالمانہ عدالت کا نظارہ

وینس کی ایک بڑی نامور عدالت کا ایک نظارہ ایک انگریزی مرقعہ سے نقل کیا جاتا ہے جس سے پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں تمام یورپ اور خصوصاً ہسپانیہ اور وینس کی اطالی جمہوریت پر خوف و خطرہ چھایا ہوا تھا۔ اس وقت کی ان کوی زیشن کی خطرناک کونسل میں تین جج بیٹھا کرتے تھے۔ کہ جن کے ناموں کا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا۔ مگر اس کونسل کے نام سے ہی ہر ایک بہادر سے بہادر ساکن وینس کا دل لرز جاتا تھا۔ اور یہ سب کچھ مذہب عیسوی کی حفاظت کے نام سے کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس وقت آفتاب اسلام معدلت اور رواداری کے جا بجا جلوے پیش کر رہا تھا۔

عیسائی مذہب کی حمایت میں انکوی زیشن کی عدالتوں کا کام

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے پندرہویں سولہویں صدی عیسوی میں یورپ کے ممالک میں انکوی زیشن کی مذہبی عدالتیں زوروں پر تھیں جن کا کام یہ تھا کہ اُن لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کریں جن پر ان کو رومن کیتھولک کے خلاف ہونے کا شبہ ہو یا اس مذہب میں وہ کوئی نئی شاخ نکالنا چاہیں اور پھر ان پر مقدمہ چلا کر انہیں عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ ان قابل نفرت عدالتوں کا رواج ۱۴۸۰ء میں ملک ہسپانیہ اور ۱۵۳۶ء کے قریب شہنشاہ جان ثالث کے اصرار پر پرتگال میں ہوا۔

۵۱۔ ہسپانیہ سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد جو لوگ خفیہ طور پر اسلام کے معتقد رہ گئے تھے ان کی تعزیر کے لئے [illegible] شرمناک سازش گھڑی کی گئی تھی۔ جن میں بدعقیدہ عیسائیوں کو بھی سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ ۱۲

زمانہ قیام۔ سیہ یوم انقلاب تک ان ملکوں میں ان عدالتوں کی طاقت نہایت زبردست تھی۔ اور اسکی کارروائیاں چونکہ زیادہ تر خفیہ طور پر ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے آجکل انکی نسبت بہت کم حالات معلوم ہو سکتے ہیں لیکن جسقدر بھی معلوم ہوئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ انہیں پڑھ اور سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور خون رگوں میں جم جاتا ہے صرف ہسپانیہ میں ۱۴۸۱ء سے لیکر ۱۸۰۸ء تک ان عدالتوں کے فتاوی کی رو سے (۳۲۳۸۲) آدمی زندہ جلائے گئے (۱۷۶۹۰) کے بت بنا کر جلائے گئے۔ اور (۲۹۱۴۵۰) کو ان کا تمام مال و اسباب ضبط کر کے مختلف میعادوں کے لئے قید کی سزائیں دی گئیں۔ جوں جوں علم ترقی کرتا گیا۔ اس ناپاک عدالت کے اختیارات کم ہوتے گئے۔ اور یہاں سے لوگوں کو سزائیں بھی کم ملنے لگیں چنانچہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ پہلے گرینڈ ان کوی زیٹر (حاکم عدالت) ٹورکی ماڈا نے ۱۸ سال کے عرصہ میں دس ہزار آدمیوں کو زندہ جلوا دیا۔ اور ایک لاکھ کو قید کر کے ان کی جائدادیں ضبط کر لیں۔

اس موقعہ پر اگر ان تمام طریقوں کا ذکر کیا جائے۔ جنکے ذریعہ ان عدالتوں کے مجرموں کو قتل کیا جاتا تھا۔ تو یقیناً ان سارے عذابوں کو مفصل طور پر بیان کرنا پڑے گا جنہیں انسان اپنے بنی نوع کے لئے تلاش کر کے اپنے کینے کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اور جن کا صرف تذکرہ پڑھنے سے ہی انسانیت کو بخار آنے لگتی ہے۔ کیونکہ علاوہ خفیہ عذاب اور قتل کے یہ ملعون عدالتیں انسانی زندگی کو تلف کر کے خوشی منایا کرتی تھیں۔

مجرموں کو قتل کرنے کے بیشمار طریقوں میں سے ایک وہ بھی تھا۔ جسے آٹوڈانی کہتے تھے۔ اس کے متعلق ایک شخص چشمدید کیفیت یوں بیان کرتا ہے۔ کہ آٹوڈانی کسی بڑے تہوار کے موقعہ پر ہوتا تھا تاکہ مجرموں کی عبرتناک سزاؤں کا تماشا ئیوں پر خوب اثر پڑے بہرنوع یہ بات ضروری ہوتی تھی کہ اس روز اتوار ہو۔ جب کبھی اس قسم کا خوفناک منظر پیش ہونے والا ہوتا تھا۔ تو وہ مینکن راہبوں کا ایک جلوس نکلتا تھا۔ اور ان راہبوں کے پیچھے پیچھے وہ لوگ ہوتے تھے جو اپنے کفر سے تائب ہو چکے ہوں۔ ان کے گلے میں بے آستینوں کے سیاہ کوٹ ہوتے تھے۔ اور وہ ننگے پاؤں چلتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاتھوں میں ایک ایک جلتی ہوئی موم بتی ہوتی تھی ان کے پیچھے پیچھے وہ لوگ ہوتے تھے جو جلائے جانے کی سزا سے بچ گئے ہوں۔ انکے کوٹوں پر نیچے کی طرف اٹھنے والے شعلوں کی تصویریں ہوتی تھیں۔ ان کے بعد وہ لامذہب ہوتے تھے جنہیں زندہ جلایا جانا ہو۔ ان کے کوٹوں پر اوپر کو اٹھتے ہوئے شعلوں کی تصویریں ہوتی تھیں۔ اور ان کے بھی پیچھے وہ لوگ ہوتے تھے۔ جو رومن مذہب کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہوں ان کی پوشاک پر اٹھتے ہوئے شعلوں کے علاوہ چھاتی کی طرف کتوں۔ سانپوں اور دیوؤں کی تصویریں ہوتی تھیں جن کے منہ کھلے ہوتے تھے۔

ہر ایک قیدی کے ساتھ عدالت کا ایک ایک فیملیر ہوتا تھا۔ اور جن کو جلایا جانا ہوتا ان کے دونوں طرف ایک ایک پادری ہوتا تھا جو متواتر انہیں تائب ہونے کی تاکید کرتا رہتا تھا۔ قیدیوں کے پیچھے پیچھے گھوڑوں پر سوار فیملیر اور خچروں پر سوار انکوئیزیٹر ہوتے تھے۔ اور سب سے اخیر میں انکوئیزیٹر جنرل عدالت کا افسر اعلیٰ ایک گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ اور اس کے آگے آگے سبز فیتے کی سیاہ ٹوپیوں والے دو آدمی ہوتے تھے۔

رینالڈس نے اپنے ناول دیگزوی دھیر ولف میں آٹوڈافے کا ایک سچا نظارہ کھینچا ہے۔ بتاتا ہے۔ ایک پھانسی کی شکل کی کوئی چیز ایسے کھلے میدان میں کھڑی کی جاتی تھی جس میں دو تین ہزار آدمی سما سکیں۔ اس میدان کے ایک سرے پر انکوئیزیٹر (افسران عدالت) اور دوسرے پر قیدی ہوتے تھے۔ سب سے پہلے انکوئیزیشن کی تعریف میں وعظ ہوتا تھا جس کے بعد ایک راہب اس پھانسی کے تختے پر چڑھ کر ان مجرموں کا آخری فتویٰ سناتا تھا جنہیں جان سے مارنا ہوتا تھا۔ اور انہیں دنیاوی عدالت کے سپرد کرتا ہوا کہتا تھا کہ ان کے خون کو نہ چھوا جائے نہ ان کی جان خطرے میں ڈالی جائے۔ اس طرح جب قیدی سول مجسٹریٹ کے حوالے ہو جاتے تو انہیں بھاری بھاری زنجیروں میں جکڑا جاتا۔ اس کے بعد انہیں جیل میں لے جا کر گھنٹے دو گھنٹے میں سول مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا جاتا تھا جو ان سے پوچھتا تھا تم کس مذہب میں مرنا چاہتے ہو؟ اگر یہ جواب دیتے کہ ہم چرچ آف روم کی کمیونین میں مرنا چاہتے ہیں ان کا گلا گھونٹ کر اور جو کسی دوسرے مذہب میں مرنا چاہتے انہیں زندہ جلائے جانے کا حکم دیا جاتا۔

اب مجرموں کو فوراً مقتل میں پہنچایا جاتا جہاں جلائے جانے والے قیدیوں کی تعداد کے مطابق چتائیں تیار کی جاتی تھیں۔ سب سے پہلے ان لوگوں کی باری آتی تھی جنہیں گلا گھونٹ کر مارا اور پھر جلایا جاتا تھا۔ ان کے بعد زندہ جلائے جانے والوں کو زینہ کے ذریعہ اپنی اپنی چتا پر چڑھایا جاتا۔ اور جس وقت جیسوئٹ لوگوں کے بار بار کہنے پر بھی وہ تائب ہونا منظور نہ کرتے تو وہ انہیں شیطان کے حوالے کر کے دائمی تباہی کیلئے چھوڑ دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ شیطان تمہاری کہنی کے پاس کھڑا ہے۔ اور وہ تمہیں جو در پے کے عذاب میں لے جائے گا۔ اس کے بعد زور سے نعرہ لگایا جاتا اور لوگ کہتے کتوں کی ڈاڑھیاں بنا دو۔ اس کی ترکیب یہ تھی کہ لمبے لمبے بانسوں پر مشعلیں لگا کر انہیں روشن کیا جاتا اور مشعلوں کو ان بدقسمتوں کے چہرے کے نزدیک لیجا کر ان کی داڑھیاں جھلس دیتے اور منہ سیاہ کر دیتے تھے۔ اس اثنا میں خلقت جو میدان میں جمع ہوتی تھی۔ وہ برابر خوشی کے نعرے لگاتی رہتی۔ گویا اس بے رحمی سے اسے بہت حظ حاصل ہوتا تھا۔

مخفی نہ رہے کہ مجرم کو چتا کے بالائی حصے کے ساتھ جکڑا ہوا ہوتا تھا۔ اور اس لئے وہ ہاتھ پاؤں بھی نہ ہلا سکتا تھا

اس کے بعد چبوترا کے نیچے ہلکی ہلکی آگ جلائی جاتی جس کا شعلہ شاذونادر ہی اس جگہ سے اونچا اٹھتا تھا جس پر مجرموں کو بٹھایا جاتا تھا۔ اور اس طرح پر یہ بدنصیب لوگ جلتے نہیں بلکہ آہستہ آہستہ بھنتے رہتے تھے۔ ہر چند کہ یہ نظارہ رقت انگیز ہوتا تھا۔ اور مجرم (جنہیں حقیقت میں ہم کسی طرح پر مجرم نہیں کہہ سکتے) برابر دردناک آوازیں چلاتے رہتے تھے۔ اور کہتے تھے "خدا کی محبت کے لیئے رحم کرو" تاہم ہر جنس اور عمر کے لوگ اس نظارے کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ شکر ہے کہ پچھلی صدی میں یہ بدعت ان دونوں ملکوں سے دور ہو چکی ہے جہاں اس کا بہت بڑا غلبہ تھا۔

اکتوبر ۱۸۱۲ء میں لزبن کی عدالت کا ایک خاص اجلاس ہوا جس میں انکوی زیشن کے موقوف کئے جانے کا حکم دیا گیا۔ اور ایک ممبر نے تجویز کیا۔ کہ جہاں جہاں اس قسم کی عدالتیں قائم تھیں۔ وہاں ذیل کا کتبہ کندہ کروا دیا جائے "خدا کی دوامی لعنت اس پر نگیز پر ہو۔ جو اس قسم کی شیطانی ایجاد کو قابل نفرت نہیں سمجھتا"

عدالت کے حکم سے انکوی زیشن کے قیدخانوں کے دروازے کھول دیئے گئے تاکہ لوگ ان کے اندرونی حالات سے واقف ہوسکیں۔ ان دنوں ایک انگریز لزبن میں مقیم تھا۔ جس نے ان قیدخانوں کے مفصلہ ذیل حالات لکھے ہیں:۔

۸ اکتوبر کو لزبن کی انکوی زیشن پبلک کے معائنہ کے لیئے کھول دی گئی۔ اور چار روز تک تماشائیوں کا وہ ہجوم ہوا کرتا تھا۔ کہ لوگ دروازے میں داخل ہونا خطرناک خیال کرتے تھے۔ یہ عمارت مستطیل وضع کی تھی اور اس کے وسط میں ایک صحن تھا۔ عمارت کی تین منزلیں تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں متعدد مسقف راستے تھے۔ جن کے ساتھ ساتھ بہت سی چھوٹی بڑی کوٹھڑیاں تھیں۔ ان کوٹھڑیوں میں سے بعض ۶ × ۷ اور بعض ۸ × ۹ فٹ تھیں۔ ہر کوٹھڑی کو دوہرے دوہرے دروازے لگے ہوئے تھے جن میں سے بیرونی کواڑ مضبوط شاہ بلوط کی لکڑی اور اندرونی لوہے کے تھے۔ نچلی اور درمیانی منزل کی کوٹھڑیوں میں کھڑکیاں تھیں۔ اور اس وجہ سے جب دروازے بند کر دیئے جائیں۔ تو کوٹھڑیوں میں روشنی نہیں داخل ہوسکتی۔ بالائی منزل کی کوٹھڑیاں باقی کوٹھڑیوں سے بڑی تھیں۔ اور ان کی چھتوں میں چمنی نما سوراخ بنے ہوئے تھے۔ جن میں سے آسمان نظر آتا تھا۔ ان کمروں میں صرف ان لوگوں کو رکھا جاتا تھا۔ جن کی نسبت خیال ہوتا کہ انہیں بری کر دیا جائیگا۔ تینوں منزلوں کے کمرے مسقف تھے۔ اور ہر ایک کمرے کی چھت میں ایک ایک انچ قطر کا ایک ایک سوراخ تھا جس کے پاس سے ایک راستہ (چھت کے اوپر سے) گذرتا تھا۔ یہ سوراخ اس مطلب کے لئے رکھے ہوئے تھے کہ مقدس دفتر کے

ملازم جس وقت چاہیں خود پوشیدہ رہ کر قیدیوں کی حالت معلوم کر سکیں۔ یا اگر ایک ہی کوٹھڑی میں دو قیدی بند ہوں تو ان کی گفتگو سن سکیں۔ ان پوشیدہ راستوں میں دیکھنے کی جگہ مختلف مقامات پر اس طرح بنائی گئی تھی۔ کہ ایک شخص ایک جگہ بیٹھا ہوا آس پاس کے دو کمروں میں جھانک سکتا تھا۔ کیونکہ اُسے اپنی توجہ ایک سوراخ سے ہٹا کر دوسرے کی طرف کرنے میں صرف اپنے سر کو حرکت دینا پڑتی تھی۔ جن لوگوں کو قیدیوں کی گفتگو وغیرہ سننے کیلئے متعین کیا جاتا تھا۔ انکی جوتیاں کپڑے کی بنی ہوئی ہوتی تھیں۔ تاکہ قیدیوں کو ان کے پاؤں کی آہٹ نہ سنائی دے۔

بارہا ایسا ہوتا تھا۔ کہ مقدس دفتر کا کوئی فمیلیر قیدیوں کے بھیس میں کسی دوسرے قیدیوں کے ساتھ بند کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ وہ اس بدنصیب کی زبانی اس قسم کی باتیں کہلائے جو بعد ازاں اسی کے خلاف بطور شہادت استعمال کی جائیں میں نے بہت سی انسانی کھوپریاں اور ہڈیاں دیکھیں جن میں بعض تو ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ مدت سے وہیں پڑی ہیں۔ کیونکہ میں نے اپنی انگلیوں سے انہیں نہایت آسانی کے ساتھ توڑ لیا لیکن بخلاف اس کے بعض ہڈیاں تازہ اور سخت بھی تھیں۔ بہت سی کوٹھڑیوں میں بدنصیب قیدیوں کے نام دیواروں پر موجود تھے۔ اور بعض پر لکیریں کھینچی ہوئی تھیں۔ جن سے غالباً یہ مراد تھی۔ کہ فلاں شخص اس کوٹھڑی میں اتنے دن یا اتنے ہفتے قید رہا۔ ایک کوٹھڑی کی دیوار پر میں نے بارہ سے زائد اس قسم کی لکیریں گنیں۔ ایک اور کوٹھڑی کی دیوار پر لکھا ہوا تھا۔ فرانسسکو جوزف کاروالعاس کوٹھڑی میں مارچ ۱۸۰۹ء کی آخری تاریخ کو داخل ہوا اور جتنی اس دیوار پر لکیریں ہیں اتنے دن اس میں قید رہا۔ (انتخاب لاجواب۔ ۹ مارچ ۱۹۱۰ء)

ہسپانیہ کے عیسائی فاتحین نے مسلمانوں کا کس بے رحمی سے قلع قمع کیا حالانکہ ہسپانیہ کو مسلمانوں نے باغ بنا دیا

جب مسلمان ہسپانیہ میں کمزور ہو گئے اور عیسائیوں نے اُن پر تسلط حاصل کر لیا۔ تو انہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا۔ اور لاکھوں کو قتل کر دیا۔ دنیا میں کسی فاتح قوم نے اتنا ظلم نہ کیا ہوگا جتنا کہ اندلس و ہسپانیہ کے عیسائیوں نے مسلمانوں پر کیا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو۔ تو ہم آپ کو اندلس لئے چلتے ہیں۔ یورپ کے کتب خانوں کی سیر کرائیں گے۔ اور دکھلائیں گے۔ کہ علم نباتات حیوانات۔ طبعیات۔ کیمیا ہیئت۔ ریاضی۔ ہندسہ اور طب پر

ہم نے کتنی ترقی کی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ یورپ والوں نے یہ سب فن ہم ہی سے سیکھے ہیں۔ خود یورپ کے مصنفین معترف ہیں۔ کہ ہسپانیہ کے مدارس میں یورپ کے طلباء زانوئے ادب مسلمان استادوں کے سامنے تہ کرتے تھے۔

اسپین والوں کو ہم ہی نے تجارت و حرفت کا شوق دلایا۔ معدنیات ہم نے کھودے۔ اسلحہ۔ ریشمی کپڑا۔ اور دباغت کیا ہوا چمڑا اور شکر یہ سب چیزیں ہم ہی نے تیار کرنی سکھلائیں۔ اور ان چیزوں کو ہم نے تمام دنیا میں بھیجنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے اسپین میں دولت پھٹ پڑی۔ اور ہر غریب امیر ہو گیا۔ زراعت میں وہ ترقی کی کہ اس وقت تک اندلس میں جو ذرائع آبپاشی موجود ہیں۔ وہ سب ہمارے ہی نکلے ہوئے ہیں۔ جن پر اب تک یورپ والے عیش کر رہے ہیں۔ نیشکر۔ شہتوت۔ چانول۔ کپاس۔ کیلے کی کاشت وہاں ہم ہی نے پہلے جاری کی۔ اور سارے اندلس کو باغ ارم کا نمونہ بنا دیا۔

جب ہم نے تعمیرات عامہ کی طرف قدم بڑھایا تو مسافر خانے سڑکیں پل شفاخانے مساجد ہر طرح کی عمارتیں کثرت سے بنوا ڈالیں۔ افسوس ہماری یادگاروں کو ہمارے جانشین عیسائی فرمانرواؤں نے خوب مٹایا۔ مگر پھر بھی ہماری یادگاریں ایسی باقی رہ گئیں جو قیامت تک نہ مٹیں گی۔

عیسائی تعصب بڑے پادری نزی نیز نے غرناطہ کے کتب خانہ کی بیش بہا کتب جنکی تعداد اسی ہزار تھی۔ صرف اس لئے جلا دیا کہ یہ مسلمانوں کی یادگار ہیں۔ مگر اس کا پھل اس نے صرف یہ پایا کہ غرناطہ جہاں لکھو کھا عالم فاضل رئیس امیر کبیر بستے تھے اب وہ ویران حالت میں ہے۔

قرطبہ مختلف علوم و فنون کا مرکز قرار پا گیا تھا۔ اس کا مقابلہ اس وقت کے یورپ کے دارالخلافہ نہیں کر سکتے اس وقت اس کی آبادی تین(۳) لاکھ تھی۔ اور اب اس کی آبادی صرف بیالیس ہزار کی ہے۔ اور اب اس کو مقبرہ کہنا بجا ہے ہماری جہازی قوت کا یہ حال تھا کہ مشرق و مغرب کی تجارت ہمارے ہاتھوں بک چکی تھی۔ ہم نے وہاں کی رعایا کو کامل آزادی دے دی تھی۔ چنانچہ وہاں کے بڑے اسقف کو اختیار تھا۔ کہ اپنے مقلدوں کے مقدمے کیا کرے جیسا کہ اس کے بعد ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے وہاں کے بڑے یونانی اسقف کو اپنے ہم مذہبوں کے کل قضایا طے کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔ اور اب تک یہی سلسلہ جاری رکھا

شہر اشبیلیہ میں سنہ ۱۴۸۲ء میں پادریوں نے ایک مذہبی عدالت قائم کی۔ اور سنہ ۱۴۸۵ء میں قرطبہ میں بھی ایسی ہی عدالت قائم کی گئی۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے عہد میں سینکڑوں گرجے تعمیر ہوئے۔ عیسائی اور یہودی مسلمانوں کے

برابر حقوق رکھتے تھے۔ بہادری کا یہ عالم تھا۔ کہ جس شخص میں یہ دس صفتیں نہ ہوتی تھیں۔ وہ بہادر نہ کہلاتا تھا۔ نیکی۔ شجاعت۔ خوش اخلاقی۔ شاعری۔ فصاحت۔ طاقت جسمانی۔ شہسواری۔ نیزہ بازی۔ شمشیر زنی۔ تیر اندازی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ والی قرطبہ نے جو مسلمان تھا شہر طلیطلہ کا محاصرہ کیا۔ اور وہاں کی فرمانروا ایک عیسائی ملکہ تھی۔ اثنائے محاصرہ میں شہزادی نے قلعہ کے اندر سے کہلا بھیجا۔ کہ عورتوں پر حملہ کرنا بہادری کا شیوہ نہیں۔ مسلمان سپہ سالار نے فوج فوراً اٹھالی۔ اور اس کا جواب یہ کہلا بھیجا کہ اچھا مجھے شہزادی کے حضور میں سلام کرنے کی عزت حاصل ہو۔

قرطبہ۔ اشبیلیہ۔ غرناطہ اور طلیطلہ میں ہمارے فن تعمیر کو جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ وہ بے نظیر یادگاریں ہماری باقی ہیں جن کی ایک محراب کو آجکل کے انجینئر سمجھ بھی نہیں سکتے۔ مسجد قرطبہ۔ اشبیلیہ کا مسقف۔ غرناطہ کا الحمرا اور الحمرا میں کھڑکیاں اور بستان سرائیں۔ دار الاقاقیس اور دار الاسود کو شک کی محرابیں۔ یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ کسی کا قلم ان کا بیان کر سکے۔ یہ طلسمات ہیں جنہیں جنات نے بنایا۔ یا مضبوطی میں پہاڑ ہیں جنہیں دیووں اور پریوں نے تعمیر کیا۔ بنوسراج کے دالان کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ مگر ہائے افسوس ناقدر دانوں نے ان یادگاروں کے ساتھ نہایت بیرحمی اختیار کی۔ چارلس پنجم نے الحمرا کا ایک حصہ کسی غرض سے توڑ ڈالا کہ اس کے چونے سے اور عمارت بنائے۔

ایک فرانسیسی لکھتا ہے۔ کہ وہ چینی کی پر تکلف تختیاں جو قصر کے دالانوں میں نصب تھیں چند سال قبل پیکر چونہ بنانے کی غرض سے فروخت کر دی گئیں۔ مسجد کا کانسی کا دروازہ پرانے تانبہ کے نام سے بکا۔ بیش بہا لکڑی کے کندہ کئے ہوئے دروازے جو دار بنی سراج میں لگے ہوئے تھے۔ ایندھن کے کام میں لائے گئے۔ اور پھر اس عمارت کو قید خانہ بنایا۔ الغرض جہاں تک اسپین والوں سے ہو سکا مسلمانوں کی یادگاروں کو خوب مٹایا مگر پھر بھی نہ مٹیں۔ مولانا حالی گویا ہسپانیہ کے مرثیہ میں لکھتے ہیں۔ (مسدس)

جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر　　یہ ہے بیت حمرا کی گویا زباں پر
کہ تھے آل عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

ہویدا ہے غرناطہ سے شوکت ان کی　　عیاں ہے بلنسیہ سے قدرت ان کی
بطلیوس کو یاد ہے عظمت ان کی　　ٹپکتی ہے قادس میں سر حسرت ان کی
نصیبے ٹک اشبیلیہ میں ہے سوتا　　شب و روز ہے قرطبہ ان کو روتا

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے — مساجد کے محراب دور جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے — خلافت کو زیر و زبر جا کے دیکھے

جلال ان کا ہے کھنڈروں میں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

ہم نے جب اسپین میں حکومت کی بنیاد ڈالی تو وہاں کی عیسائی رعایا پر مہربانیاں کیں۔ اور جب ہمارا انحطاط ہوا تو عیسائیوں نے ہم پر ۱۴۹۹ء سے وہ مظالم توڑے کہ جن کو سنکر سنگدل آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ لاکھوں مسلمانوں کو زندہ آگ میں جلا دیا۔ دس لاکھ مسلمانوں کو بلیڈا نامی پادری نے اس بنا پر قتل کرا دیا کہ ہمارا ان کا فیصلہ عقبیٰ میں ہو جائیگا۔ سنہ ۱۶۱۰ء میں حکومت نے اشتہار دیا۔ کہ تمام مسلمان ایک دفعہ ملک چھوڑ دیں جن میں ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان جب جہازوں میں روانہ ہوئے۔ تو ایک لاکھ کو راستہ ہی میں قتل کر دیا گیا۔ دوبارہ فتح اسپین سے لیکر مسلمانوں کے اخراج تک تیس لاکھ رعیت بجبر نکال دی گئی۔ مگر یہ تیس لاکھ رعایا ملک کی جان تھی۔ اس اخراج کے بعد اسپین کی کیا حالت ہو گئی سب جانتے تھے۔ کہ اسپین نے کبھی ترقی نہیں کی۔ اور آج تک بھی وہ گوشہ گم شدگی میں ہے۔ وہ اندلس جس نے ایک زمانہ تک اس قدر عروج پایا تھا۔ دفعتہً ادنیٰ سے ادنیٰ تنزل پر آ گیا۔ زراعت۔ حرفت۔ تجارت۔ علوم ادب مردم شماری سب یک لخت گھٹ گئی۔ اس وقت سے کئی صدیاں گذر چکی ہیں مگر اندلس نے باوجود کوششوں کے اب تک سر نہیں ابھارا۔ طلیطلہ میں جسکی مردم شماری مسلمانوں کے وقت میں دو لاکھ تھی اب کل سترہ ہزار ہے قرطبہ میں دس لاکھ کی بجائے صرف بیالیس ہزار نفوس رہتے ہیں۔ ولایت سلمنیکا میں سوا سو بڑے شہر کے اب صرف تیرہ رہ گئے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی مثال جبری تسلط کی ہو سکتی ہے۔ اندلس میں مسلمانوں سے پہلے شائستگی اور تمدن ندارد تھا۔ مسلمانوں کے وقت میں۔ تمدن اعلےٰ درجہ کا ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے جانے کے بعد سے شدید تنزل آ گیا۔ (از پیسہ اخبار)

قدیم ایرانیوں میں ادنےٰ ذاتوں کو علم تک نہیں سیکھنے دیتے تھے

ایرانیوں میں رواداری کا یہ حال تھا کہ ادنےٰ اقوام کے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھلانے کی اجازت نہ تھی۔ بعینہ جس طرح ہندو شودروں کے کان میں وید کی آواز تک پڑ جانے کے روادار نہ تھے۔ ساسانیوں میں نوشیرواں عادل مشہور ہے۔ ایک ماہ کفش دوز نے ہزار ہا روپیہ پیش کر کے اپنے لڑکے کے لئے تعلیم کی اجازت مانگی مگر نوشیرواں نے

نامنظور کر دی - ایسا ہی ایک موچی کی درخواست نامنظور کرتے ہوئے ارشاد ہوا - فردوسی ؎

ہنر یابد از مرد سوزہ فروش
سپارد بدو چشم بینا و گوش

بدستِ خردمند مردِ نژاد
نماند بجز حسرت و سرد باد

عورتوں کی حالت بھی زبون تھی - فردوسی ؎

کسے کو بود مہتر انجمن
کفن بہتر او را ز فرمان زن

سخنگو گفت دانا کہ دختر صیاد
چو باشد بجز خاکش افسر مباد

عیسائیوں میں رواداری کی گت

سائرل اسکندریہ کے بشپ .... نے ایک نوجوان عورت ہائی پیشیا کو جو ۴۹۵ء میں ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ پر لیکچر دیتی تھی برہنہ کر کے کوڑے لگائے اور پھر گھسیٹ کر چرچ میں لے گئے جہاں ایک راہب کے ڈنڈے سے اس کا سر توڑا گیا۔ لاش ننگی کی گئی - اس کے بدن سے گوشت نوچا گیا - اور ہڈیاں آگ میں جلائی گئیں -

یوحنا حواری کی نسبت حکایت مشہور ہے کہ جب اس کے غسل خانہ میں ایک آزاد مشرب عیسائی داخل ہوا تو وہ جھٹ باہر نکل آیا کہ اس وجہ سے اس کا غسل خانہ گر پڑے -

چوتھی صدی عیسوی سے ۶۸۰ء تک حضرت عیسیٰؑ کی الہیت کی نسبت کئی کونسلیں منعقد ہو کر اور ان میں عقاید مذہبی طے پا کر عیسائی ہزارہا فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ رہبانیت کا اتنا زور ہوا کہ لاکھوں کی تعداد میں راہب پیدا ہوئے جنہوں نے علم و حکمت کی سخت مخالفت شروع کی۔ بت پرستی کا رواج بڑھ گیا معجزوں اور تبرکات پر ایمان کا اعتبار جاتا رہا بجائے دوا کے دعا کی طرف رجوع کیا گیا - خدا بھلا دیا گیا علم و حکمت کی ممانعت کی گئی - علاج بھی معجزوں کے ذریعہ کیا جاتا - بزرگوں کی ہڈیاں اور آثار فروخت کیے جاتے - اور جسقدر کوئی زیادہ قیمت دیتا خرید لیتا جیسا کہ سائرل بشپ اسکندریہ نے ہائی پیشیا کی نسبت ایسا سلوک کیا (جو اوپر مذکور ہوا) تو ایتھنز میں قیصر جسٹی نین نے ۵۲۷ء میں فلسفہ پڑھنے کی ممانعت کر دی حریت رائے اور حریت عمل ایسی دبائی گئی کہ قریباً ایک ہزار سال تک دنیا میں اس کا نام و نشان نہ رہا۔

بشپہائے اسکندریہ انطاکیہ قسطنطنیہ - کارتھیج اور بشپ روم کے درمیان دربارہ افضلیت مدتوں

جھگڑا رہا۔ آخر قسطنطنیہ اور روم کے بشپوں کے مابین سخت مقابلہ کے بعد بشپ گریگری نے ۵۹۰ء میں اپنا لقب پوپ رکھا یا اختیار کر کے پوپ گریگری اعظم کے نام سے ملقب ہوا۔ پوپ مسیح کے نائب سمجھے جاتے ہیں اور بہشت و دوزخ کی چابیاں پیٹر نے انہیں کے سپرد کی تھیں۔ پوپ معصوم ہے۔ اور اس کا فیصلہ ناطق سمجھا جاتا ہے۔ یہ علم و حکمت کے مخالف تھے حکماء و فضلاء کو قتل کر دیتے تھے چنانچہ انہوں نے یہ قانون پاس کر دیا کہ کوئی عیسائی نہ لکھے نہ پڑھے۔ پادری صرف وہی کتابیں پڑھیں۔ اور جو تعبیر ان کی پوپ کرے۔ وہی واجب التسلیم والاتباع سمجھی جائے۔

قیصر جارڈین نے تیس ہزار یہودی ملک شام سے ہسپانیہ میں جلاوطن کر دیئے تھے۔ قیصر جسٹی نین نے ۵۲۷ء تا ۵۶۵ء ایک مجموعہ قانون مرتب کیا جس میں تینتیس عیسائی فرقوں کے حقوق و فرائض کی تشریح کی گئی۔ اور عام طور پر اعلان کر دیا گیا کہ جو کیتھولک مذہب کی پیروی نہ کریں گے انہیں کوئی ملکی عہدہ نہ دیا جائے۔ اور نہ یہودیوں کو فوجی یا جوڈیشل عہدے دیئے جائیں، مرتد و ملحدین مجمع نہ کر سکیں۔ اور ان کی کتابیں جلا دی جائیں۔ اور وہ کوئی رسم بپتسمہ وغیرہ اپنے ضمیر کے مطابق عمل میں نہ لا سکیں۔

دوسری تیسری صدی عیسوی میں جب عیسائیوں پر رومی قیصروں نے تعدیاں شروع کیں تو عیسائی مقتل میں لائے جاتے تھے تو جب تک ایک آزاد منش عیسائی کے ساتھ ایک کیتھولک عیسائی کھڑا نہ ہوتا اسے قتل نہ کیا جاتا کہ مبادا اس کی لاش ایک بدعتی عیسائی کی لاش کے پاس پائی جانے سے مستوجب عذاب سمجھی جائے۔

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں عیسائی دنیا میں راہبوں کے غول در غول تثلیث کا پیچیدہ عقیدہ اس پر توہمات آمیز نیت کے بے معنی توضیحات اور پھر مریم پرستی اور بت پرستی کا اضافہ کونسلوں پر کونسلیں اور ان کے تشویش افزا فیصلے۔ بلوے خونریزیاں فتنے اور فساد برپا رہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اگر آدم گناہ کا مرتکب نہ ہوتا۔ تو بنی نوع انسان کبھی نہ مرتے اور یہ گناہ آدم سے حوا نے کرایا۔ اس لئے عورتوں کی حالت یونانیوں رومیوں ایرانیوں اور ہندوؤں میں ذلیل تھی عیسائیوں میں ذلیل ترین ہو گئی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ تمام عیسائی دنیا کے علماء و فضلا ایک عظیم الشان جلسے میں جمع ہوئے کہ آیا عورت میں روح ہے یا نہیں۔ اور بڑے بحث و مباحثہ کے بعد کثرت رائے سے قرار پایا کہ عورت میں روح ہے۔ ورنہ اس سے پہلے عیسائی دنیا میں عورتیں بیچاریاں بے روح سمجھی جاتی تھیں۔

مصر کا بڑا کتب خانہ جو آگ سے بچ گیا تھا سکندریہ کے بشپ تھیوفلس نے جلا دیا۔ یہ

یہی کتب خانہ ہے جس کے جلانے کا اتہام حضرت عمرؓ پہ لگایا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب یونانی مصری اور کہیں کہیں بھی یہودی لوگ تھے رومیوں کے ماتحت تھے جو عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے اور ان عیسائی عقیدہ والے جو پوپ کے قبضہ اقتدار میں تھے علم و حکمت اور انسان وانسانیت پہ جو جو مظالم توڑے۔ ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرزتا ہے (رسالہ واعظ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ اسلام اور رواداری) —

میکسیکو اور پیرو کے باشندوں پر عیسائی حملہ آوروں کے بے انتہا مظالم

سولہویں صدی کو جس میں اہل یورپ امریکہ میں جا کر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔ اس صدی میں یورپ کی بہت سی قوموں کے حال سے امریکہ کے اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بے رحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی۔ میکسیکو اور پیرو جو امریکہ کے دو شائستہ ملک تھے۔ وہاں کے نفوس پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ والوں نے ڈھائے ان کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ کورٹیز جو ہسپانیہ کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا۔ اس نے اور اس کے بعد نئے وارد ہونے والے جرنیلوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ میکسیکو کو ویران کر دیجئے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کالونی آباد کیجئے۔ چنانچہ ان سے جہاں تک ہو سکا انہوں نے وہاں کے قدیم باشندوں کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کورٹیز نے میکسیکو کے شہنشاہ مونٹی زوما کو گرفتار کر کے الٹا لٹکا دیا۔ اور اس کی رعایا کو اس کی آنکھوں کے سامنے جلایا۔ اور قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ جلتے تھے جن میں ہزارہا بنی آدم عام طور پر بے تکلف جلائے جاتے تھے معصوم بچوں کے روبرو ان کی مائیں اور باپ بہزار عقوبت و سختی آگ میں جھونک دئے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پھڑوا ڈالے جاتے تھے۔ یہ ہسپانیہ کے مذہبی مقدس اور مہذب عیسائی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو غرناطہ سے ایک ناپاک اور گنہگار قوم ہونے کا اتہام لگا کر نکالا تھا جن کا خیال تھا کہ مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ساتھ اور ہم وطن ہو کر رہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً ایک ملین (دس لاکھ) بنی آدم ان مقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے۔ یہی حال کچھ دنوں بعد پیرو کی سلطنت کا ہوا۔ یہ ملک جنوبی امریکہ میں بحر الکاہل کے کنارے پر واقع ہے۔

ایک شخص فرنسیلہ پیرزو کو جو غالباً اطالیہ کا رہنے والا ایک مجہول النسب آدمی تھا جنوبی امریکہ میں سونا حاصل کرنے اور وہاں سے سونا چاندی رولنے کا مدت سے خیال تھا۔ اس نے پاناما اور اس کے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑہ جہازوں کا اور کچھ سپاہ اس کے ماتحت ملک پیرو کو جس کے تمول کی اس زمانہ میں بہت شہرت تھی روانہ کریں۔ چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا۔ اور ایک دو حملوں کے بعد اس ملک پر قابض ہوگیا۔ پھر تو کوئی ظلم و تعدی ایسی نہ تھی۔ جو پیرو کے اصلی باشندوں پر روا نہ رکھی گئی ہو۔ ان سے سونا اور چاندی چھین چھین کر اپنے ملک کو بھیجتا تھا۔ ہزاروں بندگانِ خدا اس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے۔ جہاں وہ فاقے کر کر کے آخرکار مر جاتے تھے۔ اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے۔ تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بے رحمی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی۔

انگریزی مورخوں کا بیان ہے کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ بیچارے اس درجہ ناہموار بے ڈول اور ناشائستہ تھے کہ فاتحوں کی صورتیں ان کی ٹیپ ٹاپ اور چمک دمک دیکھ کر شرم کے مارے زمین میں گڑ جاتی تھیں۔

رومن کیتھلکوں اور پراٹسٹنٹوں کا باہمی سلوک

سولھویں صدی میں پوپوں کی زبردستیوں سے بیزار ہو کر جبکہ ریفارمیشن (اصلاح) شروع ہوئی۔ اور پروٹسٹنٹ مذہب پیدا ہوگیا۔ تو یورپ کے مختلف ملکوں میں پہلے پراٹسٹنٹوں اور مصلحوں پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے گئے۔ اور پھر اپنی باری سے مدتوں کی جدوجہد کے بعد پراٹسٹنٹوں کی طرف سے رومن کیتھلکوں پر جبر و تعدی کا بازار گرم ہوا۔ لیکن دونوں فرقوں نے تعصب کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آگ اور تلوار سے اپنے اپنے مخالفوں کی خوب خبر لی۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۷۸۰ء میں آسٹریا اور انگلستان میں پراٹسٹنٹوں کو ادائے فرائض مذہبی میں آزادی دی گئی۔ اور سنہ ۱۷۸۱ء میں آسٹریا میں پراٹسٹنٹوں کو صرف اتنا حق دیا گیا کہ وہ پرائیویٹ طور پر عبادت کر لیا کریں۔ اور ایسی عبادت کے لئے جو مکان بنائیں ان پر صلیب نہ بنائیں۔ نہ ان میں گھنٹے اور گھڑیاں رکھیں تاکہ رومن کیتھلک لوگوں کے گرجاؤں کے مشابہ نہ نظر آئیں۔ اور ان قوانین کا نام انگلستان آسٹریا و جرمنی وغیرہ ممالک میں ایکٹ آف ٹالریشن (قانون رواداری) رکھا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں فرقے عیسائی مذہب ہی کے تھے۔ اور اس وقت سے گیارہ سو سال پہلے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے

مختلف فرقے ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے چلے آتے تھے۔

یہودیوں سے یورپ کی بدسلوکی یہودیوں پر اس وقت کہ یورپ نے۔ جو ظلم ڈھائے ہیں وہ بھی ناگفتہ بہ ہیں۔ ہسپانیہ وغیرہ کسی عیسائی ممالک تو یہودیوں کو اپنے یہاں آباد رکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ جبکہ جوزف دوم بادشاہ آسٹریا نے مذہبی رواداری کا قانون جاری کیا۔ تو یہودیوں سے اتنی رعایت کی گئی۔ کہ وہ شہروں کے باہر رہیں (جیسے ہمارے ہاں آجکل بھنگی (خاکروب) گاؤں کے باہر علیحدہ جھونپڑیاں بنا کر رہتے ہیں) اور زمین کے کسی طرح مالک نہ ہو سکیں حالانکہ یہ رواداری کا قانون تھا۔ صرف فلاں فلاں پیشے بطور خدمت ملک کے اختیار کر سکیں۔ مگر ان کے سوائے کوئی ایسے پیشے اختیار نہ کریں کہ جو ان کے لیے باعث عزت ہوں اور اسی حقارت اور نفرت مذہبی کا بقیہ ابتک چلا آتا ہے۔ کہ آج انیسویں صدی عیسوی میں مہذب یورپ کے کئی ملکوں میں یہودیوں پر ہجوم کر کے لوگ ان کا قتل عام کرتے رہتے ہیں۔

سرویٹس کو بد اعتقادی کے جرم میں زندہ جلا دیا گیا۔ جب کیلون نے سرویٹس کو صرف اس وجہ سے زندہ جلا دیا تھا۔ کہ اعتقادات تثلیث کے بارہ میں وہ جمہور علمائے نصاریٰ کے خلاف تھے تو سب پراٹسٹنٹ فرقوں نے اس فعل کی بڑی تعریف کی۔ اور بعض مصنفوں نے اس کی تعریف میں جداگانہ رسالے لکھے۔

جبکہ ملکہ الزبتھ نے آخر کار آئرلینڈ کو فتح کیا۔ تو وہ وہاں سے کیتھولک مذہب نیست و نابود کرنا چاہتی تھی۔ اور آئرش کی زبان میں وعظ کرنے والے پادری ان کے مذہب کو مقرر کرنا چاہتی تھی۔ آخر کار اسی بہانہ پر اس نے وقعہ اس کا نشان مٹا دیا گیا۔ اور اس کے بعد پھر جیمس اول نے ان سے ہر طرح کی جبری سختی روا رکھی۔

انگلستان میں رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ فرقوں میں شرمناک عداوت۔ انگریز جو آج اپنے آپ کو دنیا میں مذہبی بے تعصبی کا اوتار ظاہر کرتے ہیں۔ اور دیگر اقوام پر متعصب اور مذہبی دیوانے ہونے کا الزام لگاتے ہیں ذرا گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ خود ان کے ملک میں ملکہ الزبتھ کے عہد میں رومن کیتھولکوں اور پراٹسٹنٹوں کے درمیان مذہبی نفاق اور عداوت اور عدم رواداری کی کیا حالت تھی۔ حالانکہ اسی کے ہمعصر شہنشاہ اکبر کے عہد میں ہندوستان میں جس قدر بے تعصبی کا دور دورہ تھا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ میں کتاب اے ہاپولر ہسٹری آف چرچ مشنری نامی سے جو برنس اینڈ اوٹس لمیٹڈ لنڈن کے کارخانہ کی مطبوعہ ہے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ اقتباس ذرا لمبے ہیں مگر ناظرین پر صحیح حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔ کہ تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ پہلے

اسلام نے جس مذہبی بے تعصبی اور رواداری پر عمل شروع کر دیا تھا انگلستان میں قریباً ہزار سال بعد تک یہ حال تھا اور اس سے بھی بدتر حال باقی یورپ کا تھا بہرحال یہ اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

اب لوگوں کو اینڈا پہنچا کر مطیع کرنے کا ہر طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ تمام ملازمان سرکاری کو فوقیت کا حلف اٹھانے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جو لوگ بدلنے مذہب کی حمایت میں کچھ لکھتے تھے۔ پہلے جرم کی صورت میں ان کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جاتا تھا۔ دوسرے جرم میں عمر قید کیے جاتے اور تیسرے کے لیے پھانسی یا تلوار سے قتل کیے جاتے تھے۔ جو لوگ سرکاری نمازوں میں شامل نہ ہوتے ان پر تباہ کن جرمانے صادر کیے جاتے ۱۵۶۳ء میں فوقیت کی حلف ہر کسی سے لی جا سکتی تھی اور دوسری مرتبہ انکار کرنے کی سزا پھانسی یا تلوار کے ذریعہ موت ہوتی تھی۔ اس طرح ملکہ الزبتھ کے عہد میں سزا کے قانون زیادہ سے زیادہ سخت اور بے رحمانہ ہوتے گئے کیتھلک کلیسا کو قبول کرنا یا دوسرے کو قبول کرانا موت کے مساوی تھا جیسوٹ فرقہ میں شامل ہونا۔ سیمنری پریسٹ بند کسی غیر ملک کے سیمنری میں طالب علم بن کر داخل ہونا بھی موت کے برابر تھا۔ اور اس وقت پارکر جو آرچ بشپ آف کنٹربری تھا ملکہ کو اس کی نرمی کے لیے الزام دیتا ہے۔ اور زور دیتا ہے۔ کہ کیتھلک لوگوں کو زیادہ سختی سے بیخ و بن سے اکھاڑ دے۔

غرضیکہ اس وقت انگلستان میں ایسا ہی سخت ظلم پھیلا ہوا تھا۔ جو اپنی شدت میں قدیم زمانہ کے بے دین بادشاہوں کے ظلم و ستم سے کم نہ تھا۔ بہت سے مقدس پادری شہید کیے گئے۔ اور بہت سے عام لوگوں کو اس وجہ سے غداروں کی خوفناک موت کا شکار ہونا پڑا۔ کہ انہوں نے بھاگتے بھٹکتے پادریوں کو اپنے مکانات میں پناہ دی تھی۔ شرفا کے مکانات کی مفروضہ پادریوں کو چھپانے کے لئے ہر طرح کی سختی اور بے عزتی سے تلاشی لی جاتی تھی بہتوں کو جیلخانوں میں ڈالا جاتا۔ بہت سے اعلیٰ اور اوسط درجہ کے خاندان جرمانوں کی وجہ سے تباہ ہو گئے اور تمام کیتھلک فرقہ کے لوگ ہر ممکن طریقہ سے پریشان کیے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک پراٹسٹنٹ حکومت نئے اور جھوٹے مذہب کو گورنمنٹ کے حکم سے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے" (کتاب مذکور صفحہ ۲۰۴)۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۱۸ میں یوں درج ہے:۔

اس اثنا میں پراٹسٹنٹ لوگ کیتھلک لوگوں سے سخت خوفناک جنگ ہر ملک میں کہ جہاں وہ گھس سکتے تھے لڑ رہے تھے۔ ان پر شور فرقہ بازوں نے اپنے آپ کو نہایت دیوانہ وار زیادتیوں کے حوالہ کر رکھا تھا۔۔۔۔۔۔ ان ہولناک بدعاتت اور بے رحمیوں نے جو پراٹسٹنٹوں سے سرزد ہوتی تھیں کیتھلک

دی کو نہایت ذلیل قسم کے بدلے لینے پر آمادہ کر دیا۔ فرانس ایک وسیع میدان جنگ بن گیا تھا۔ کہ جہاں نہایت لروہ قسم کی جنگ جاری تھی۔ جو مذہبی خانہ جنگی تھی بمقام نامتھس المعروف سکی وغیرہ میں پراٹسٹنٹوں نے کیتھلک میوں، پادریوں اور تمام لوگوں کی ایک بھاری تعداد کا قتل عام کر دیا تھا۔ کہا گیا ہے۔ کہ بمقام آرسنے گاٹون میں ون کی نہریں جاری ہو گئیں۔ سنٹ برتھالمیوس کے تیوہار کے دن کیتھلک شرفا کی ایک بڑی تعداد بمقام پاؤپ بخت بیرحمی اور فریب سے قتل کی گئی۔ اسی تیوہار کے اگلے موقعہ پر اسی قتل عام کی دوبارہ نقل ہو سکتی تھی کہ جس ے لیے سنٹ برتھالمیو کا تیوہار اس طرح بدنام ہو گیا تھا۔"

اسی کتاب کے صفحہ ۲۱۹ پر ۱۵۷۲ء کے متعلق حسب ذیل ہے:-

کیتھلکوں اور پراٹسٹنٹوں کے درمیان اس وقت امن تھا۔ اور پراٹسٹنٹ نوجوان شاہ نوار اور شاہ چارلس ی شادی کے موقعہ پر پیرس میں بھاری تعداد میں جمع تھے۔ کہ ۲۳ اگست ۱۵۷۱ء کو بادشاہ نے جلدی میں ایک کونسل منعقد کی جس میں کوئی مذہبی پیشوا موجود نہ تھا۔ اس نے اعلان کیا۔ کہ پراٹسٹنٹوں کی ایک عام بغاوت کا اندیشہ ہے۔ اس لئے قرار پایا کہ ایک قتل عام کیا جائے۔ اور محل شاہی کے گھنٹے بجا کر اس کا اعلان کیا گیا۔ جبکہ مقررہ ساعت آئی تو سپاہی تمام شہر میں پھیل گئے۔ اور شہری کہ جنہیں پراٹسٹنٹوں کے ظلم و جبر نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ مل گئے۔ یہ نہایت خوفناک رات تھی۔ پراٹسٹنٹ پارٹی کے تمام سرغنہ مع اپنے نوکروں کے بیدریغ قتل کئے گئے۔ اس کے بعد عام لوگوں کا جوش و غضب تمام ان لوگوں کے خلاف پھوٹ نکلا۔ کہ جنہوں نے گذشتہ معاملوں میں ہتھیار اٹھائے تھے۔ اور نہ صرف سپاہی ہی بلکہ کاریگر اور سوداگر بھی گولی سے یا تلوار گھونپ کر یا ڈبو کر بالحاظ عمر یا جنس مارے گئے۔ اسی طرح کے منظر فرانس کے بعض دوسرے شہروں میں بھی دیکھے گئے"۔ . . .

اور صفحہ ۲۲۹ پر ہے:-

گو شاہ ولیم نے ضمیر کی مکمل آزادی کی ضمانت کر لی۔ لیکن اس قرارداد سے کیتھلکوں کو بہت کم فائدہ پہنچا تاہم اس صدی کے دوران میں اور ہر شکل کی گورنمنٹ کے ماتحت۔ اور جبکہ ملٹن اور اسی قبیل کے دوسرے آدمیوں کو بے انتہا آزادی رائے کا دعویٰ تھا۔ قدیم مذہب کے معتقدین کے خلاف بے انتہا سختی کے وسائل استعمال کئے جاتے تھے۔ الزبتھ نے سختی کی پالیسی اختیار کی تھی۔ کہ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اس سے کیتھلک نہایت کمزور اور حقیر جماعت باقی رہ گئی تھی۔ جیمس اول جو کیتھلک میری ملکہ سکاٹ لینڈ کا بیٹا تھا۔ اس نے

بہت سے تکلیف دِہ اور ظالمانہ قوانین نافذ کیے۔ کہ جن کا اثر کھلم کھلا ظلم و تعدی کی نسبت زیادہ حوصلہ شکن تھا۔ کوئی کیتھلک اپنے گھر سے پانچ میل سے دُور سفر نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ لنڈن میں یا اس سے دس میل کے فاصلہ کے اندر سکونت رکھ سکتا تھا۔ جو سلطنت کے کلیسا کی عبادت میں شریک نہ ہوتے انہیں پہلے جرم کے لئے دس پونڈ، دوسری مرتبہ چالیس پونڈ اور تیسرے جرم کے لیے ساٹھ پونڈ جرمانہ کیا جاتا اور اس میں سے نصف جرمانہ مخبر کو دیا جاتا۔ چپس کے وارڈوں کی سرگرمی بڑھانے کے لیے انہیں چالیس شلنگ ہر غیر حاضر کے لئے دیئے جاتے جو پراٹسٹنٹ گرجا سے غیر حاضر ہوتا کسی وقت بھی سرکار کے بشپ اور جسٹسان پیس کیتھلکوں سے حلف سماعت لے سکتے تھے۔ پوپ کے معتقدین کے لیے انگلستان، آئرلینڈ وغیرہ اراضی کا مالک ہونا یا وارث ہونا۔ یا فوج بری یا بحری میں ہونا ممنوع تھا۔ جو کوئی بھی کسی کیتھولک کو دھوکا دیتا اسے اس کی جائداد تیسرا حصہ انعام دے دی جاتی۔ کوئی کیتھلک کسی قانونی عدالت میں گواہ یا مدعی علیہ کی حیثیت میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔ جو اپنے بچوں کو تولد سے ایک ماہ کے اندر اندر اصطباغ دلانے کے لیے گرجا میں حاضر نہ کرتے انہیں ایک سو پونڈ جرمانہ کیا جاتا تمام تسبیحاں رومن کیتھلک یادگاریں۔ پوپ والی کتابیں اور صلیبیں بدشکل کر دی جاتیں یا جلا دی جاتیں" چنانچہ یہ چند نمونے اس بدقسمت عہد ظالمانہ قانونوں کی ہیں"۔ (اے پاپولر مینوئل آف چرچ ہسٹری مطبوعہ لنڈن)۔

انگلستان میں ایک وقت کا مذہبی تعصب

یورپ میں سولھویں سترہویں صدی میں مذہبی رواداری کا بڑا زور تھا۔ انگلستان میں رومن کیتھالک و پراٹسٹنٹ خانہ جنگیوں نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بنی نوع انسان کا خون بہادیا تھا۔ جہاں اس زمانہ کی رعایا اگر گورنمنٹ و حکومت کے مذہب سے اختلاف کرتی تھی تو اس کے لیے بہت مہلک نتائج پیدا ہوا کرتے تھے مثلاً ۲۴ر اگست ۱۵۷۲ء میں حاکم فرانس نے یہ حکم دیدیا تھا کہ پیرس میں تمام پراٹسٹنٹ مذہب کی رعایا کا قتل عام کر دیا جائے۔ اس عام فرمانِ قضا میں بچے بوڑھے مرد و عورت کا کچھ استثنار اور امتیاز نہ تھا بادشاہ نے کئی موٹی گردنوں سے خون کے فوارے نکلنے کا نظارہ اپنے مکان سے بیٹھکر تماشے کے طور پہ دیکھا۔ اسی طرح سے جب انگلستان کی شہزادی میری جو کہ رومن کیتھالک تھی تخت نشین ہوئی تو ایک نوجوان شہزادی کی ننھی خوبصورت گردن پتھر پہ رکھوا کر اس بنیاد پہ کٹوا دی کہ پروٹسٹنٹ ہونے کا علانیہ دعویٰ کرتی تھی۔ راجرس کے دستس

بچوں و بیوی پہ رحم نہ کیا گیا۔ بلکہ اسی مذہبی اختلاف کی وجہ سے انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ یورپ میں اسوقت مذہبی رواداری کی یہی حالت تھی۔ (ہند۔ عہد اورنگ زیب میں)

یورپ کے مذہبی جنگوں میں بے تحاشا قتل و خون یورپ میں باوجودیکہ سب عیسائی مذہب کے پیرو آباد تھے مگر اسی مذہب کی دونوں شاخوں (پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھالک) کے باہمی اختلافات کی یہاں تک نوبت بڑھی کہ مذہبی جنگیں خصوصاً جرمنی اور نیدرلینڈ میں نہایت وحشیانہ پن سے ہوئیں کہ ان سے لوگوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچا۔ مثلاً میگڈن برگ میں شہر کے اطاعت قبول کرنے کے بعد بیس ہزار کے قریب بیگناہ زن و مرد اور بچے تلوار کی گھاٹ اتارے گئے۔"

ان وجوہات سے انٹرنیشنل لا (قانون بین الاقوام) کی ضرورت پیش آئی۔ حالانکہ اسلام نے اس سے بہت مدت پہلے جنگوں میں انسانیت اور تہذیب کے سلوک کی تاکید کر دی تھی۔

ابتک رومن کیتھلکوں کا انگلستان کے شاہی اعلان پر اعتراض ہے یہ زمانہ قدیم کی بات ہی نہیں ہے۔ بلکہ انگلستان نے جب آخر کار پراٹسٹنٹ مذہب کو سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دیا کہ جسکے رو سے بادشاہ وقت "محافظ دین" کہلاتا ہے۔ اس اعلان شاہی میں بھی رومن کیتھالک مذہب والوں کے ساتھ رواداری کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس میں بعض قابل اعتراض فقرات اس آخر الذکر مذہب کے متعلق شامل ہیں۔ بلکہ رومن کیتھلکوں کی عبادت مذہبی ماس وغیرہ کے متعلق قابل اعتراض فقرات پائے جاتے ہیں جنکو آجتک رومن کیتھالک اپنی دلشکنی کا موجب سمجھتے ہیں۔

عیسائیوں کی باہمی بدسلوکی عیسائی قرون وسطی میں نہ صرف مسلمانوں سے ہی عناد رکھتے تھے بلکہ خود مختلف فرقوں کے عیسائیوں سے بھی بدسلوکی کرتے تھے۔ کتاب "گیٹ آف ایشیا" کا عیسائی مصنف ناقل ہے کہ سیرین چرچ کو جتنا ضرر نقصان قیصر جسٹینین نے پہنچایا ہے اگر مسلمان اُسے اس سے آدھا چوتھائی بھی نقصان پہنچاتے [illegible] کا تعصب سمجھا جاتا۔ وہ لکھتا ہے کہ قیصر جسٹینین سیرین عیسائیوں کا مسلمانوں سے زیادہ دشمن تھا کیونکہ وہ اُسے کافر سمجھتا تھا۔ سیرین چرچ کی طاقت کو توڑ دینے اور اُسکے پیروں کو آرتھوڈاکس بنانے کیلئے اس نے انکے تمام بشپوں (اسقفوں) کو قید کر دیا۔ تاکہ کسی آرتھوڈاکس پادری کی تقدیس نہ کر سکیں۔ لیکن انہوں نے خفیہ طور پہ ایک راہب کی تقدیس کر لی تھی کہ جسکا نام جیکولس براڈلس تھا اور جو تینتیس [۲۵] سال تک اس چرچ کا اکیلا بشپ رہا۔ یہ جا بجا ایک فقیر کا بھیس بدلکر پھرا کرتا تھا اور پادریوں کی کمی پوری

کرتا رہتا تھا۔ مگر آرتھوڈاکس اُسے تسلیم نہ کرتے۔ اور اُسکے پیرووں کو جیکو بائٹیس یعنے جیکولس کے پیرو کہتے نہ کہ مسیح کے"۔

پرتگالوں کا تعصب | ایک اور مثال لیجئے جو انگریزی کتاب سے نقل کیجاتی ہے:۔

"جبکہ اہل پرتگال نے ممالک مشرق میں فتوحات شروع کیں تو متعصب کونسٹنٹائن ڈی برگینزا کے متعصب بیڑے نے سیلون میں سنگھالیوں کے بخیر ترتیب یافتہ اور بھدے جہازوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ اور جزیرہ سیلون کو فتح کر کے کانڈی کے مندر میں جو بودھ کا دانت رکھا ہوا تھا۔ اور جسکی وہ لوگ نہایت درجہ تک عزت اور تعظیم کرتے تھے۔ اُسے اس مندر سے لیجا کر گوا میں پہنچا دیا۔ اور وہاں مفتوح راجاؤں اور بودھ مذہب کے معزز لوگوں کے رُوبرو اس دانت کو جلا دیا۔ جس سے ان لوگوں کو سخت صدمہ ہوا۔ پرتگالی فاتحین کا اس سے یہ مطلب تھا کہ اس طرح عیسائی مذہب اس ملک میں مضبوط ہو جائیگا۔ مگر بودھ لوگوں کے اعتقاد پر اس سے کچھ اثر نہ پڑا۔ اور انہوں نے ایک ہاتھی دانت میں سے ایک دانت کا نمونہ ترشوا کر پھر اپنے مندر میں رکھدیا۔ اور بودھ کا دانت سمجھکر اسی کی عزت کرنے لگے جو آجتک جاری ہے۔

اسی طرح سیامی لوگوں نے ایک بندر کے دانت کو بہت متبرک سمجھکر عقیدتمندی اور خوش اعتقادی سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ اپنے اعتقاد میں اُسکو بہت متبرک اور بیش قیمت سمجھتے تھے۔ لیکن پرتگیزوں نے جب اُن سے لڑائی کی تو وہ دانت ان سے چھین لیا۔ اور سیامیوں نے ستر لاکھ روپے تاوان دیکر وہ دانت اُن سے واپس لیا جو ابتک سیام کے ایک مندر میں ایک طلائی صندوق میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔

عیسائی یورپ کے مذہبی تعصب کی چند مثالیں زمانہ حال میں

روس کی متذبذب رواداری | مسٹر رنڈون ہیرس اپنی کتاب "ترکی اسلام اور تورانئین ازم" مطبوعہ ۱۹۱۸ء میں لکھتا ہے کہ گذشتہ تین سال میں اور اٹھارہ ماہ پیشتر کے انقلاب تک ..... کے ماتحت مختلف مذاہب کے پیرووں کے ساتھ روسی حکومت کا سلوک بلحاظ رواداری نہایت متذبذب رہا ہے۔ بعض اوقات تو وہ بیحد رواداری اختیار کرتے اور بعض اوقات سخت

تعصب اور قدامت پرستی کی رو سے متاثر ہو جاتے جیسے کہ آرمینیوں کے متعلق کہ صرف اس حالت میں انکی حفاظت کی جائے گی کہ وہ اپنے قومی چرچ کو ترک کردیں"۔

لیکن یہ تو روسی حکومت کا عیسائیوں کے مختلف فرقوں سے سلوک کی مثال ہے۔ اپنے ماتحت مسلمان رعایا سے جو روسی ایشیا میں سب سے بڑی جماعت ہیں۔ اور اگر یورپین روس کے مسلمان بھی شامل کئے جائیں تو سولہ ملین ہو جاتے ہیں۔ روسیوں کا سلوک ہمیشہ نہایت جابرانہ اور متعصبانہ رہا ہے۔

انگریزوں کی مذہبی رواداری انگریز جو اسوقت دنیا کے مختلف ممالک میں کامیابی سے حکومت کر رہے ہیں اور ان ممالک کے باشندوں کے مذاہب میں مداخلت نہیں کرتے۔ اسکی نسبت ایک انگریز مصنف لکھتا ہے کہ کم از کم یہ رواداری انیسویں صدی سے مروج ہے۔ گو ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ہندوستان کے مختلف مذاہب میں ہر طرح کی عدم مداخلت کا اعلان شائع کیا تھا۔ اور جبتک کوئی مذہبی دستور انسانیت کے قوانین کے مخالف نہیں پاتا جیسا کہ ستی کا رواج تھا انہوں نے اس میں دخل نہیں دیا"۔

یہی انگریز مصنف لکھتا ہے کہ انگریزوں نے رومیوں سے اس مذہبی رواداری کا سبق سیکھا تھا۔ کہ جنہوں نے سلطنت روم کے آخری زمانہ میں اسی قسم رواداری کو اختیار کیا تھا۔ پلینی کے مکتوبات میں جو ٹیسا سے اس مصنف اور قیصر کے درمیان رسل رسائل ہوئے اسکا پتہ لگتا ہے کہ اس مصنف اور اسکے شاہی آقا دونوں کو اسوقت تک عیسائیوں پر کوئی اعتراض نہیں تھا جبتک کہ ان سے کسیکو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اور وہ اچھے شہری بنے رہیں"۔ (ایڈون بیون صاحب کی مصنفہ "ترکی اسلام اور نورانی" از ۱۹۱۸ء)۔

چین میں زمانہ حال کے عیسائی مظالم ۱۹۲۶-۲۷ء میں سخت ہیجان پھیل گیا تھا۔ اسی طرح اس سے پہلے بھی چند مرتبہ چین میں جوش پیدا ہوتا رہا ہے۔ جسکا ایک آخری نمونہ ۱۹۰۰ء کا باکسروں کا ہنگامہ [illegible] جرمنوں اور دوسری یورپین سلطنتوں نے چینیوں کی خوب گوشمالی کردی۔ اور اس سے پہلے ایک مرتبہ انکے افیون لینے سے انکار کرنے پر انگریزوں نے خوب گوشمالی کی تھی۔ ان آئے دن کی گوشمالیوں سے تنگ آکر چینیوں نے حال میں تمام یورپین سلطنتوں کے خلاف ایک قسم کا مجہول مقابلہ برپا کر دیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۷ء میں دول یورپ و امریکہ کا ناک میں دم کر دیا۔ اور انکے جنگی جہاز دریائے ینگسی کیانگ میں کھڑے ہیں۔ اور بیس ہزار انگریزی فوج نے شنگھائی پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ لیکن چونکہ دول یورپ و امریکہ آپس کی رقابت

کی وجہ سے کسی سخت کارروائی پر اب متفق نہیں ہوسکتیں۔ اسلئے اب چین میں یورپین یا گورے رنگ کی اقوام کے رسوخ اور قبضہ کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ ایک مشہور مصنف یورپین مسٹر وی گانڈ نے نیویارک امریکن میں اس بارہ میں ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے جس میں اس نے یورپین رسوخ کی کمی کے بواعث میں لکھا ہے کہ سب سے پہلا باعث انگریزوں کا جاپانی مدد سے جرمنوں کو ٹسنگ تاؤ اور کیا چو سے نکال دینا ہے دوسرا جنگ عظیم میں فرانسیسیوں کا الجیریا، مراکو، سینیگیمبیا اور انڈو چائنا سے سیاہ رنگ فوجیں یورپ میں لاکر اور انگریزوں کا ہندوستان سے دیسی فوجیں لیجاکر جرمنوں سے لڑنا ہے۔ جب ایشیائی سلطنتوں نے دیکھا کہ کالے یا زرد رنگ کی قومیں بھی گورے رنگ والوں کو مار سکتی ہیں تو اس سے یورپینوں کا رعب مٹ گیا۔ اب انہیں دونوں سلطنتوں کا زیادہ خطرہ ہے۔ کیونکہ صرف کم و بیش ایک لاکھ گورے سپاہیوں سے انگریزوں نے بتیس کروڑ ہندوستانیوں پر۔ اور صرف پانچ ہزار گورے سپاہیوں سے فرانسیسیوں نے مراکش پر قبضہ کر رکھا ہے۔ مگر صرف تذکرۃً مسٹر وی گانڈ کے مضمون کا ذکر آگیا۔ جو در اصل اس کتاب کے مضمون سے متعلق نہیں ہے۔ ہمارا مطلب صرف یہ بتلانا ہے کہ یورپ کی عیسائی سلطنتوں نے پہلے مذہب اور تجارت پھیلانے کے ارادہ سے چین میں داخل ہونا شروع کیا۔ اور پھر چینیوں پر کئی طرح کی سختیاں کیں۔ انکے ملک کے بعض حصوں پر جبراً قبضہ کرکے اپنی عدالتیں قائم کرلیں۔ سن یات سن ایک نامور چینی لیڈر نے چین میں بیداری پیدا کی تو چینیوں نے اُن سختیوں کو بھی محسوس کرنا شروع کیا۔ اسکے بعد آخر کار ۱۹۲۷ء میں چینی جمہوریت نے اندرونی خانہ جنگی پر قابو پاکر دول غیر سے چین کو قریباً خالی کرالیا۔

چین پر عیسائی مظالم کا ایک نمونہ

لیکن چینی اسوقت کیوں اسقدر زیادہ بھڑکے ہوئے ہیں اور انگریزی مال کا بائیکاٹ کر رہے ہیں۔ یہ نہ صرف آجکل کی شکایات کی وجہ سے ناراض ہیں بلکہ پرانے ظلم اور جبر بھی وہ یاد کر رہے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں مارچ ۱۹۱۱ء کے اخبار رفیق ہند سے کچھ کیفیت واقعات حاضرہ پر بخوبی روشنی ڈال سکے گی۔

"ولایت کے رسالہ ریویو آف ریویوز میں ڈاکٹر ڈلن اور سر رابرٹ ہارٹ کے مضامین شائع ہوئے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ ڈاکٹر ڈلن لکھتے ہیں کہ چینیوں نے کبھی یورپین معاملات میں دخل نہیں دیا۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو ایسی حالت میں لانا نہیں چاہتے جس میں یورپینوں کو انکی نسبت شکایت کرنیکا موقع ملے۔ اور چینی یہ بھی نہیں چاہتے کہ انکے معاملات میں کوئی دوسرا شخص دخل دے۔ جب کسی روسی کو

پروٹسٹنٹ اور کیتھولک بنانا جرم قرار دیا گیا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ کیوں چینیوں کا مذہب تبدیل کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تعلیم یافتہ اور راستباز لوگوں کو کوئی حق نہیں ہے کہ چینیوں کو تباہ کریں"۔

پھر مسٹر ڈلن اس ملک میں تہذیب پھیلانے کا حال بیان کرتے ہیں۔ "ایک روز مجھے ایک امیر کے مکان پر جانیکا اتفاق ہوا۔ جو غالباً کچھ عرصہ پہلے مر چکا تھا۔ یہ مقام تنگسنچاؤ کا واقعہ ہے۔ وہاں ایک کمرہ میں صندوق پڑا تھا۔ جس سے سخت بدبو آتی تھی۔ میرے ساتھ ایک یورپین تھا جس نے میرے استفسار کرنے پر جواب دیا کہ اُس میں تین لڑکیوں کی لاشیں ہیں۔ یہ میرا چشمدید واقعہ ہے کہ ملٹری افسروں نے پہلے انکے ساتھ زنا بالجبر کیا اور پھر انکو سنگینوں سے ہلاک کر کے انکی لاشیں اس صندوق میں ڈالدیں"۔ میں یہ سنکر دنگ رہ گیا۔ اسپر میرا ساتھی بولا کہ یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے صدہا نظیریں ایسی موجود ہیں۔ جن میں پہلے عورتوں کی عفت میں خلل اندازی کی گئی۔ اور پھر انہیں سنگینوں سے ہلاک کیا گیا۔ اور یا تو وہ مارے شرم کے خود بخود ڈوب مریں یا مکانوں کی چھتوں سے کود پڑیں۔ کئی مرد اور عورتیں تفریحاً ہلاک کی گئیں۔ دو ایک کیس ایسے بھی میری نظر سے گذرے ہیں جن میں سسکتی ہوئی عورتیں سپرد خاک کی گئیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے شہر تنگسیچاؤ کی نالیوں میں انسانی خون بہتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور سڑکیں خون سے اسقدر تر تھیں کہ میں اپنے پاؤں بچاکر راستہ نہیں چل سکتا تھا۔ اور بہت کم ایسی دوکانیں یا مکان تھے جہاں لاشیں دکھائی نہ دی ہوں"۔

اب سنئے سر رابرٹ ہارٹ کیا لکھتے ہیں:۔ "شہر کیلی کے جس حصہ پر جاپانی قابض تھے۔ وہاں کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ورنہ ایک ملک کے لوگوں نے صفائی کا یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ جس شخص کو گندگی پھیلاتے ہوئے دیکھتے تھے گولی سے اسکا کام تمام کرتے تھے۔ اور دوسرے ملک والوں نے یہاں تک کارروائی کی کہ جو چیز نہ اُٹھا سکے اسکو وہیں توڑ پھوڑ دیا تاکہ یہ کسی مصرف کے قابل نہ رہے۔ تیسری قوم کے سپاہیوں نے لوگوں کے گھروں میں گھسکر عورتوں کو سخت بے حرمت کیا۔ چند چینی پادریوں نے بھی لوٹ میں خوب حصہ لیا"۔

یہ اقتباس فی نفسہٖ متذکرہ افواج کی حرکتوں کے اظہار کے واسطے کافی ہیں۔ انپر کسی ایزادی کی ضرورت نہیں ہے۔

یورپینوں کے ظلم ڈاکٹر ڈیلن نے ایک ۳۲ صفحہ کا مضمون رسالہ کنٹیمپوریری ریویو میں شائع کرایا ہے جس میں چین کے چشمدید حالات لکھے ہیں۔ ڈاکٹر ڈیلن کے آرٹیکل پڑھنے والے کو تعجب ہوتا ہے کہ آیا وہ بیداری میں ہے یا خواب دیکھتا ہے۔ کیا سچ مچ آجکل بھی دنیا میں وہ شیطانی حرکتیں ہوتی ہیں۔ جبکہ کہا جاتا ہے کہ تہذیب اور

شائستگی ہر ایک زمانہ گذشتہ سے بڑھ کر ہے۔ شکر ہے کہ برٹش افسر امریکن آفیسر اور سپاہی کا دامن ان الزامات سے پاک ہے۔ اگرچہ غارتگری کا ملزم انکو بھی ٹھہرایا گیا ہے۔

مسٹر ڈیلن کا بیان ہے کہ شروع نومبر تک برٹش فوج ہی تھی جس نے بوکسروں سے ہر قسم کی انسانیت کا برتاؤ کیا۔ اُنکے زخمیوں کا علاج کیا۔ اور چینیوں کو گولی مارنے سے انکار کیا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہر لئے جاپانیوں نے بہ نسبت دیگر عیسائیوں کے تہذیب کا برتاؤ کیا۔ جہاں کہیں روسی۔ جرمن اور فرنچ افواج کا گذر ہوا۔ زنا بالجبر۔ قتل اور غارتگری کے سوا کچھ نہ تھا۔ بے گناہ عورتوں کے وارثوں کو قتل کر کے اُن سے منہ کالا کرنا۔ اور پھر سنگینوں سے ہلاک کر دینا انکا عام شیوہ تھا۔ بندرگاہ ٹاکو پر ۳۰۰ نہتے قلی بے قصور قتل کر دئے گئے۔ مسٹر ڈیلن لکھتے ہیں کہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ تنگچو کی سڑکوں پر خون پانی کی طرح بہتا تھا۔ اور مجھے کسی طرف جانے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ تاوقتیکہ بوٹوں کو انسانی خون سے تر نہ کروں۔ بہت کم مکان اور دوکانیں ایسی تھیں جہاں آدمیوں کی نعشیں اور خون کے تھالے نہ ہوں۔ اور یہ سلوک اُنکے ساتھ کیا گیا جو فوجی وردی یا بندوق کو دیکھکر کانپ اُٹھتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ چینی بیدار کئے گئے۔ اور چند قدم کے فاصلہ پر کھڑے کر کے گولی سے مار ڈالے گئے۔ اور وجہ نہ بتائی کہ کیوں قتل کئے جاتے ہیں۔ تین فرنچ سپاہی ایک حصہ شہر میں گئے جو روسیوں کی زیر حفاظت تھا۔ ایک مکان میں داخل ہو کر آمادہ ہوئے کہ ایک لڑکی کی عصمت خاک میں ملائیں۔ اسکے والدین کی موجودگی خوفناک تھی اسلئے پہلے انکو نشانہ اجل بنایا۔ اس ہولناک کارروائی سے محلہ میں شور برپا ہو گیا اور سپاہی ہجوم جمع ہو جانے سے اپنا شیطانی ارادہ پورا نہ کر سکے۔ مگر ان قتل شدہ مردوں کو زندہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔

عیسائی یورپ کی خواہشات مسجد ایا صوفیہ کے متعلق

سنہ میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو یونانی قیصر سے فتح کیا تھا۔ اور اسی روز سے سب سے بڑے عیسائی گرجا ایا صوفیہ یا سینٹ صوفیہ میں سلطان فاتح اور مسلمانوں نے شکرانہ کی نماز پڑھی۔ اور اسوقت سے آجتک برابر ایا صوفیہ میں مسلمان خضوع و خشوع سے خدائے واحد کی عبادت کرتے چلے آتے ہیں۔ ترکوں نے صدیاں قسطنطنیہ میں یونانی قیصروں کے تخت پر بیٹھکر بڑے

شان و شوکت اور جاہ و جلال سے حکومت کی ہے۔ کئی ترک سلطانوں نے عیسائی شہزادیوں سے نکاح کئے اور یورپ کے عیسائی بادشاہوں پر ہزارہا احسان کئے۔ ایک زمانہ میں ترک سلاطین کو یورپ میں یہ جاہ و جلال اور شوکت و اقبال حاصل تھا کہ ملکہ الیزبتھ (ملکہ برطانیہ) اسوقت کے سلطان کو براہِ راست خط میں مخاطب کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ بلکہ اس زمانہ کے وزیر اعظم کو "عزیز بھائی صاحب" لکھنا ہی اپنی شان کے شایاں سمجھتی تھی۔ یہ زمانہ مشہور ہسپانی بیڑہ کے انگلستان پر حملہ کرنیکا تھا۔ جبکہ ملکہ موصوفہ نے ترکی وزیر سے عاجزانہ درخواست کی تھی کہ میں عورت ذات ہوں اور ایک خدا کی پرستار بھی ہوں۔ (یعنے پراٹسٹنٹ ہوں) نہ کہ ہسپانیہ کے عیسائیوں (رومن کیتھالکوں) کی طرح بت پرست ہوں۔ اپنے سلطان عالیشان سے ہماری امداد کی درخواست کیجئے۔ انگریزی تاریخوں میں اس واقعہ کی پوری تصدیق موجود ہے۔ غرض اس تمہید سے یہ ہے کہ باوجود ترکوں کے قسطنطنیہ میں صدیوں شاندار اور منصفانہ حکومت کرنے کے۔ اور یونانی عیسائیوں کو سلطانوں کے ماتحت پوری سلف گورنمنٹ دیدینے جسکا ذکر اس کتاب کے "ترک سلاطین کی بے تعصبی" کے ضمن میں کافی موجود ہے۔ پھر بھی متعصب عیسائی یورپ نے آجتک مسجد آیا صوفیہ پر بجائے ہلال کے صلیب نصب کرنیکا خیال کبھی ترک نہیں کیا۔ فرانسس میکلا ایک عیسائی مصنف نے سلطان عبدالحمید کی انتزاع سلطنت کی کیفیت پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ یوں لکھتا ہے:۔

"پرانی ترکی حکومت کے ماتحت تو یہ صرف چند سالوں کا معاملہ رہ گیا تھا کہ سنٹ صوفیہ کے گنبد پر چاندی کے ہلال کی بجائے لاطینی یا یونانی صلیب نصب کی جائے گی۔ لیکن اب ترکوں نے جو پارلیمنٹری حکومت کی بنیاد ڈالی ہے اس سے اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید دانش مقدس کا گرجا پھر کبھی مسیحی عبادت گاہوں کا صدر نہ بن سکیگا۔"

یعنے کہ پارلیمنٹ قائم ہوجانے سے ترکی حکومت کے زیادہ باضابطہ اور مستقل ہوجانے کا [illegible] مصنف کو سخت صدمہ پیدا ہوا تھا۔

ان سطور پر مصنف نے جو حاشیہ لکھا ہے وہ اور بھی زیادہ روشنی اسبات پر ڈالتا ہے کہ آیا صوفیہ کو بطور مسجد استعمال کرنے میں ترک عیسائی دنیا کے ایک بڑے حصہ کی آنکھوں میں کس طرح کانٹے کی طرح چبھ رہے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:۔

"یہ امید کہ یہ ایک عیسائی عبادت خانہ مسجد سے پھر گرجا بنجائیگا عیسائی دنیا کی ایک نہایت دلی امید رہی ہے

یا تھی۔ اور کیا اس بارہ میں عیسائی اقوام کے نظم فصاحت اور دعاؤں کا اتنا بڑا مجموعہ بن سکتا ہے۔ کہ جس سے ایک کتاب پُر ہو جائے۔ یونانی۔ اطالی۔ فرانسیسی۔ جرمن اور انگریزی حوالجات کے قطع نظر این ڈینی لیوسکی ایک روسی ہین سلیوسٹ (روسیا و یوروپ باب چہار وہم مطبوعہ ۱۸۵۲ء) کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ باوجود تمام یوروپ کی مخالفت کے ہمارے لئے قسطنطنیہ کو ترکوں کے ہاتھ سے چھین لینے میں کیسی عظیم تاریخی اہمیت حاصل ہوگی۔ کسقدر بے انتہا خوشی کے ساتھ ہم اس صلیب کی کرنوں کو خیر مقدم نہ کہیں گے جو ہم آیا صوفیہ پر نصب کرینگے"۔

اور شاعر ٹوٹ چف اپنی ایک نظم پیشینگوئی ۱۸۵۰ء میں بیان کرتا ہے کہ:۔

"سینٹ صوفایا کے پرانے تہ خانے تجدید یافتہ بائی زنطیم میں مسیح کے مذبح پر سایہ کریں گے اسکے سامنے تمام روس کا زار گر جائیگا اور تمام سلیویا سلاف قوم کا نار کھڑا ہوگا"۔

خیر روسیوں کی آرزوئیں قسطنطنیہ لینے کی تو صاف پولیٹیکل تھیں۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ مذہب اور تاریخی قدامت کی وجہ سے بھی کئی عیسائی اقوام قسطنطنیہ یا کم از کم اسکے عظیم الشان معبد آیا صوفیہ پر قبضہ کرنے کی آرزومند ہوں گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قومیں خواہ جاہل ہوں یا تعلیم یافتہ وہ مذہبی اور اعتقادی معاملات میں کسقدر راسخ اور منجمد ہوتی ہیں۔

ایڈریانوپل میں بلغاریوں کا مسلمانوں پر ظلم عظیم

مندرجہ ذیل آرٹیکل قسطنطنیہ عربی اخبار العدل مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۱۳ء [۱۳۲۹] سے ترجمہ کیا جاتا ہے جس میں زمانہ حال میں بلغاریوں نے مسلمان ترکوں کو جبراً عیسائی بنانے کی تفصیلی کیفیت درج ہے۔ اور جس سے کہ یوروپ مدعی تہذیب کو ذرا بھی صدمہ نہیں پہنچا:۔

"بلغاریوں نے یورپ میں فرزندان توحید پر جو شرمناک مظالم ڈھائے ہیں وہ بیحد اندوہناک ہیں۔ اسکی تفصیلات معلوم کر کے انسان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے ۱۹ قصبے تباہ کر دئے اور انکو عیسائی بنانے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ یہ مسلمان قبیلہ پوماق سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے زہد و تقویٰ کے لئے مشہور تھے۔ یہ قبیلہ اڈریانوپل میں آباد تھا۔ یورپ جو تہذیب

و تمدن پر فخر کرتا ہے۔ کیا اسکی رائے میں بلغاریوں کے یہ مظالم قابل توجہ نہیں ؟۔ انہوں نے مسلمانو کو عیسائی بنا کر نہ صرف انہیں کے نام بدلے بلکہ ان کے قصبوں کے نام بھی بدل دئے۔ اور جس نے اپنا اصلی نام بتایا اسپر بارہ پونڈ تاوان عائد کیا۔ انکے مظالم کی وجہ سے بہت سے آدمی مرتد ہوگئے اور اسلام پر بہت کم آدمی باقی ہے وہ مسلمانوں کو جانوروں کی طرح ہانک کر اپنے گرجوں میں لے گئے۔ انہوں نے انکے عمامے جلا دئے جو مسلمانی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ انکے سروں پر شراب ڈالی۔ اور انکے منہ پر گرم پانی چھڑکا۔

جن گانوں کے باشندے نصرانی ہوگئے ان میں بلغاریوں نے اپنے پادری بھیجے تاکہ وہ انہیں بلغاری زبان میں عیسائیت کی تعلیم دیں۔ علاوہ ازیں حکومت بلغاریہ نے احکام صادر کردئے کہ جہاں کہیں پوماق قبیلہ کا کوئی آدمی بھاگ کر جائے اسکو قتل کردیا جائے۔ اسوجہ سے یہ لوگ مفرور بھی نہ ہوسکے۔

یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ دول یورپ نے ادرنہ کو بلغاریوں کے حوالہ کر کے ایک افسوسناک غلطی کی ہے کیونکہ بلغاریوں نے مسلمانوں پر اسقدر سختیاں روا رکھی ہیں کہ انکا بیان الفاظ میں مشکل ہے۔ جو شخص یورپ کی تاریخ لکھیگا وہ ان واقعات کو ضرور قلمبند کریگا۔ اور بتائیگا تو دنیا پر یورپ کے اس دعویٰ کی لغویت آشکارا ہو جائے گی کہ اس نے لوگوں کو کامل مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ اور وہ کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتا"۔

اس مضمون میں ان انیس قصبوں کے نام اور مسلمان باشندوں کی تعداد بھی العدل نے درج کی ہے کہ جسے بوجہ طوالت ہم نظرانداز کرتے ہیں۔

ہسپانی خواہشات مسلمانان رِیف کے مقابل

جس فوقیت تہذیب و مذہب کے استحقاق کے ساتھ زمانہ حال تک یورپ کی عیسائی [illegible] کی مسلم اقوام کو زیرنگیں رکھنے میں مصروف ہیں۔ انکی ایک مثال ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ [illegible] مصنف مسٹر ونسنٹ شی آن اپنی تصنیف "ایڈوینچرس اف نگ ون ریفینس" میں مذاق اڑاتا ہوا لکھتا ہے کہ ہسپانیہ کی ملکہ ڈونا ایزابیلا نے ان مغرورانہ الفاظ میں کیپلو کی کتاب پر اپنی آخری وصیت لکھی کہ میں شہزادی اپنی لڑکی اور اسکے شوہر شہزادہ کو حکم دیتی ہوں اور ان سے التجا کرتی ہوں کہ مقدس مادر یعنی چرچ (مسیحی گرجا) کے احکام کے نہایت مطیع و منقاد رہیں۔ اور اسکی حفاظت کو اپنا فرض سمجھیں اور کہ وہ افریقہ والوں کی فتح [illegible]

ہرگز نہ رکیں۔ اور کفار کے مقابلہ میں جنگ کرنے میں مصروف رہیں"۔

مصنف مذکور لکھتا ہے کہ "شہزادی میری لڑکی جو انالالو کا نامی دیوانی عورت معہ اپنی تمام مفلوجوں۔ اور آتشک زدوں۔ دیوالوں اور اخلاقی ضعیفوں کی نسل کے مذہب کی خاطر ریفی کافروں (یعنے مسلمانانِ ریف) سے لڑینگے"۔

اور مجاہد اعظم عبدالکریم حال ہی میں دکھلا چکا ہے کہ جن کافروں سے خادمانِ مذہب عیسوی ہسپانیوں کو کسی سال سابقہ رہا ہے وہ کس پایہ کے مہذب بہادر اور محب الوطن مسلمان تھے۔ کہ جنہوں نے ہر دو ہسپانی اور فرانسیسی افواج کو مدت تک نیچا دکھلایا۔

امریکہ میں حبشیوں کی دردناک حالت

(لندن۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء) میں ابھی ابھی یونیورسل نیگرو امپروومنٹ ایسوسی ایشن (انجمن فلاح حبشیان عالم) اور افریقن کمیونیٹیز لیگ (مجلس اقوام افریقہ) کی وہ عرضداشت مطالعہ کر رہا تھا جو انہوں نے مؤتمر اقوام کو گذشتہ ماہ پیش کی تھی۔ اور جسکے متعلق اخبارات نے ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ یہاں اس دلچسپ درخواست کا صرف ایک فقرہ (یعنی ۴۳واں فقرہ) نقل کرنا کافی ہوگا۔ صرف یہی ایک پیراگراف ہے جسکا جواب اہل امریکہ سے طلب کیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"ریاستہائے متحدہ امریکہ میں جہاں ہماری ڈیڑھ کروڑ آبادی ہے۔ ہمیں اقتصادی۔ سیاسی اور معاشری غلامی میں رکھا جاتا ہم سے اکثر ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ ہمیں گالیاں دیجاتی ہیں اور قتل کیا جاتا ہے۔ اور پھر اسکا کوئی مداوا اور کوئی تلافی نہیں کی جاتی۔ حالانکہ اس ملک کی کل آبادی کا ہم دسواں حصہ ہیں۔ یہ بات بچہ بچہ جانتا ہے کہ حبشی قوم نے غلامی اور آزادی دونوں حالتوں میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ترقی میں بڑا حصہ لیا ہے اور وہ اس ملک کی کثیر دولت کی نمائندہ ہے۔ یورپین نو وارد ناقلان وطن سے امریکہ کی حکومت اور باشندے ہم سیاہ فاموں سے بہتر سلوک کرتے ہیں حالانکہ ہم یہیں پیدا ہوئے اور ہمارے آباؤ اجداد صدیوں سے یہاں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں۔

ملک میں تشدد و ظلم کا ایک ایسا نظام ہے کہ وہ سیاہ فام حبشی کو سفید رنگ والوں کی سطح سے نیچے ہی رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود جب ملک پر کوئی بپتا آپڑتی ہے تو حبشی کو آلہ کار بنالیا جاتا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ

عالمگیر جنگ میں ہوا۔ جنوبی امریکہ کی ریاستوں میں حبشی کو رائے دہی کا حق بھی حاصل نہیں۔ حالانکہ وہ وہاں کا ایک شہری ہے۔ پھر خفیف سے خفیف الزام پر بھی سفید فام باشندوں کے گروہ کے گروہ کسی عدالتی کارروائی کے بغیر حبشی کو طرح طرح کے عذاب کا تختۂ مشق بناتے اور اسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ انکی کھال کھڑے کھڑے اُتار لی جاتی ہے۔ حبشیوں کی کھال اُتارنے کا عمل اس حد تک پایا جاتا ہے کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دئے گئے۔ اور انکی کھال اُدھیڑ دی گئی۔ حبشی مردوں اور عورتوں کی نعش کے ٹکڑے کرنے کے بعد انہیں جلا دیا جاتا ہے۔ اور پھر ان سوختہ جانوں سے سفید فام باشندے جرمانہ وصول کرتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ان حصوں میں حبشیوں سے چپڑاسیوں کا کام لینا تو معمولی بات ہے۔ جنوبی و شمالی امریکہ کے سیاست دانوں اور مدبّروں میں یہ سمجھوتہ ہوا ہے کہ حبشیوں کو اقتصادی لحاظ سے بھوکوں مارا جائے۔ اور انکو سو پچاس سال کے عرصہ میں ملک سے چلے جانے پر مجبور کر دیا جائے۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جو عالمگیر جنگ جاری رہی اُسکے دوران میں امریکیوں کی یہ ناپاک سکیم رُکی رہی۔ لیکن اب تو اس سکیم پر پھر عملدرآمد شروع ہو گیا ہے۔ اور ہم سیاہ نسل کے افراد باخبر بخوبی جانتے ہیں کہ امریکہ میں حبشی قوم کا مستقبل تاریک ہے۔ کیونکہ سفید فام باشندے امریکہ کو حبشیوں سے پاک کر کے سفید ملک ہی رکھنا چاہتے ہیں"۔

اس دردناک عرضداشت کے چند اور ہوشربا اقتباسات دے سکتا ہوں۔ لیکن جتنا یہاں درج کیا گیا وہ یہ ثابت کرنیکے لئے کافی ہے کہ امریکہ کے حبشی کیوں اتنے تلخ جان ہو گئے ہیں۔

جنوبی افریقہ کا حال صرف امریکن ہی حبشیوں سے ظلم و تشدد نہیں کرتے بلکہ برطانیہ کے جھنڈے تلے بھی اُن سے ناانصافی ہی ناانصافی کی جاتی ہے۔ جنوبی افریقہ میں ایشیائیوں سے جو اکثر اوقات ہتک آمیز سلوک کیا جاتا ہے اسکی داستان سے اخباروں کے کالم کے کالم بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب امریکہ میں حبشیوں کا یہ حال ہے تو انکے اپنے ملک (افریقہ) میں اُن سے کیا کچھ نہ گذرتی ہوگی۔ میں یہاں اُن پابندیوں اور رکاوٹوں کی چیدہ چیدہ مثالیں ہی پیش کرونگا جو افریقہ کی یونین گورنمنٹ کے قیام کے بعد جنوبی افریقہ کی پارلیمنٹ نے حبشیوں کے خلاف عائد کر رکھی ہیں۔ یہ پابندیاں صرف حبشیوں ہی کا حصہ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر میں ہندوستانی بھی اُنکے شریک ہیں۔

(۱) کیپ کالونی میں جہاں دیسی باشندوں کو ساٹھ سال تک حق رائے دہی حاصل رہا ہے۔ اب نگین اقوام کے

ووٹروں کو یہ حق نہیں کہ وہ مجلس آئین ساز کے لئے اپنے کسی نمائندے کو ووٹ دے سکیں۔ ٹرانسوال آزاد ریاست اورنیچ یا نٹال میں کسی دیسی ٹیکس دہندہ کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

(۲) صوبہ کیپ سے باہر سیاہ چہرہ اشخاص کو پارلیمنٹ کے ایک قانون کے مطابق ڈسٹرکٹ ریفارمڈ چرچ کی رکنیت کے حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے (حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنی امت کے اس سلوک پر کیا خیال کرتے ہوں گے)۔

(۳) رنگین ماہرین کو صنعتی مراکز میں تجربہ کار اور ماہر مزدوروں کی حیثیت سے کام کرنے کی قطعاً ممانعت ہے وہ ہمیشہ معمولی مزدور کی حیثیت سے ہی کام کرسکتے ہیں اور بس۔

(۴) یونین گورنمنٹ نے شہریوں کی جو مدافعتی جمعیت بنائی ہوئی ہے۔ اس میں کسی رنگدار شہری کو فوجی تربیت حاصل کرنے کی اجازت نہیں۔

(۵) سرکاری زمین کی آبادکاری اور زمیندارہ بنک سے قرضہ لینے کی رعایت صرف یورپینوں ہی کے لئے مخصوص ہے۔

(۶) دیسی کان کنوں کو ان پنشنوں اور دیگر فوائد سے محروم رکھا جاتا ہے۔ جو قانوناً ہر اس کان کن کیلئے مقرر ہیں جس نے کان کنوں کے معاہدہ پر دستخط کئے ہوئے ہوں۔

(۷) حبشیوں کو یونین حکومت کے ماتحت علاقہ جات کے قبائل کے سوا کہیں بھی جائداد غیر منقولہ خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور قبائلی علاقوں میں وہاں پہلے ہی آبادی کی کثرت ہے۔ اور وہاں چونکہ قانوناً زمین کے انتقال کی مخالفت ہے اسلئے کوئی اراضی کی خرید یا فروخت نہیں کرسکتا۔

(۸) یونین جائداد غیر منقولہ کا کسی حبشی کو اجارہ پر دینا قانوناً منع ہے۔ اور اسکی خلاف ورزی کرنیوالے کیلئے ایک سو پونڈ جرمانہ یا ۱۲ ماہ قید کی سزا مقرر ہے۔ حبشیوں کو صرف اتنا اختیار ہے کہ وہ دوسرے حبشیوں سے اپنی اراضی کا منافع لیتے رہیں۔ لیکن اسکا کوئی فائدہ نہیں۔ اسلئے کہ حبشیوں کے پاس کبھی اتنی زمین ہوتی ہی نہیں کہ کرایہ پر دے سکیں۔ سارے زمین تو یورپینوں کے قبضہ میں ہوتی ہے۔

(۹) حبشیوں کو ریلوے کی کسی ٹرین میں کسی ایسے ڈبہ میں سوار ہونے کی اجازت نہیں جو حبشیوں کے لئے مخصوص نہ ہو۔

(۱۰) حبشیوں کو ادنیٰ مزدوروں کی حیثیت کے سوا کسی سرکاری عہدہ پر مقرر نہیں کیا جاتا۔ خواہ کتنے ہی

قابل کیوں نہ ہوں۔

(۱۱) حبشی ترجمانوں کو عدالتوں سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ اور انکی بجائے سفید فام آدمیوں کو مقرر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ دیسی زبان ٹوٹی پھوٹی ہی جانتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ عدل گستری محض ڈھونگ رہ گئی ہے۔ اور حبشیوں سے پورا پورا انصاف نہیں کیا جاتا۔

حبشیوں سے اُن کے اپنے ملک میں اور غیر ممالک میں جو ناروا سلوک اور ناانصافی کی جاتی ہے اُسکی اس سے بدتر مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن جو چند مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ حبشیوں کا معاملہ ایسا ہے کہ تمام رحمدل اقوام اُس پر ہمدردی سے توجہ کریں۔

مؤتمر اقوام کے روبرو حبشیوں نے جو شکایات پیش کی ہیں انکے متعلق وہ یہی فیصلہ کرے گی کہ یہ بالکل بے بنیاد ہیں۔ پھر بھی حبشی اپنی شکایات پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :۔

اس موقعہ پر ہمارا ارادہ یہ نہیں کہ ہم سفید فام نسل کو بحیثیت مجموعی اُن مظالم کے لئے مورد الزام بنائیں۔ جو ہم پر ڈھائے گئے ہیں۔ اِن مظالم کی کوئی انتہا اور کوئی شمار ہی نہیں۔ اور تاریخ اور روایت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ان سفید فاموں نے سیاہ فاموں پر کسقدر لرزہ انداز اور ہیبتناک مظالم ڈھائے ہیں۔ ہم تو صرف اسقدر درخواست کرتے ہیں کہ ہم سے انصاف کیا جائے۔ ہمارے اوپر جو مظالم کئے جاتے ہیں اُنکا مناسب تدارک کیا جائے۔ ہماری یہ خواہش نہیں کہ ہم اپنے معاملہ کو مہذب دنیا کی عدالت میں پیش کرنے پر زور دیں"۔

یادداشت کے اخیر میں حبشیوں نے یہ درخواست کی ہے کہ یادداشت میں جو شکایات درج ہیں مؤتمر اقوام اُن پر ہمدردانہ غور کرے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ انکی یہ درخواست بے سود اور اُن کی التجا صدا بصحرا ثابت ہوگی۔

حبشی غلاموں سے امریکہ میں آجکل کا سلوک

امریکہ جو کہ عیسائی ملک ہے جسکی آزادی اور مساوات کا [illegible] تمام دنیا میں مشہور ہے۔ وہاں پر آج بھی لاکھوں غلام پائے جاتے ہیں۔ اور ان پر آج بھی وہی ظلم و ستم ہوتے ہیں جو آج سے کئی صدیاں پہلے ہوا کرتے تھے۔ اگر کوئی امریکن پادری میری اس تحریر کو غلط کہے تو میں اُسے چیلنج دیتا ہوں کہ یہ تحریر بالکل صحیح ہے اور میں اِسے ثابت کرسکتا ہوں۔

اس میں شبہ نہیں کہ حکومت امریکہ نے آج سے ۶۵ سال قبل ان لوگوں کو (جو کہ افریقہ سے غلام بنا کر لائے گئے تھے) آزادی دی۔ مگر ان سیاہ فام بدنصیبوں کا ایک بڑا گروہ جنوبی ریاستوں میں غلامی کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے

گو وہ قانون کی رو سے آزاد ہیں۔ مگران کے مالکوں نے انہیں یہ قانون سنایا تک نہیں۔ اور حکومت نے نہ ہی اُن مالکوں پر اس قانون کے منوانے کی کوشش کی۔ اور ان غلاموں پر بدستور ظلم وستم کئے جا رہے ہیں۔ اور وہ لوگ (جو شمالی ریاستوں میں ہیں) بھاگ کر آ گئے ہیں۔ وہ بھی برائے نام ہی آزاد ہیں۔ انکو امریکن عیسائیوں نے وہی حقوق دئے ہیں جو کہ ہندوؤں نے اچھوت جاتیوں کو۔ یہ ایک بہت لمبا مضمون ہے۔ مگر افسوس کہ مجھے وقت نہیں کہ عیسائیت کی بیسویں صدی کا مکمل نقشہ کھینچوں۔ اوپر کا واقعہ بیان کرنے سے امریکن لوگوں کو مجبوراً اقرار کرنا پڑیگا۔ کہ اسلام غلامی کا حامی نہیں بلکہ دشمن ہے۔

رنگ کا جرم | امریکہ میں حبشیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے اسکا تذکرہ ان صفحات میں بارہا آچکا ہے۔ پچھلے سال لِنچ کرنے (بے رحمانہ قتل) کے واقعات کی تعداد بجائے گھٹنے کے بڑھ کر دوگنی ہو گئی ہے۔ اور حبشی کُشی کے جذبات گوری آبادی میں برابر روز افزوں ہیں۔ تازہ ڈیلی ہیرلڈ (لنڈن) میں ان ہولناک واقعات کا ذکر ہے۔ جو امریکہ کے دور دراز شہروں میں ان دو متخاصم قوموں کے درمیان پیش آئے ہیں۔ کا نوے آرکنیس میں ایک حبشی چور کے قتل کا اقدام کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بلوہ عظیم ہوا۔ جس میں وہ ملزم اور حاکم شہر دونوں ہلاک ہوئے اور چار شخص مجروح ہوئے۔ علاقہ الیما کے مقام ہنٹسیول میں ایک ۱۶ سال کا حبشی لڑکا اس جرم میں قیمہ قیمہ کر ڈالا گیا۔ کہ اس نے ایک گیارہ برس کی سفید فام لڑکی سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ اس لڑکے کی نعش میں ۲۳ گولیاں پیوست کر دی گئیں۔

امریکہ میں عورت کا رتبہ

الیزبتھ کیڈی سٹینٹن امریکہ کی ایک قابل عورت نے اضلاع متحدہ امریکہ کے شہر بوسٹن کی ۱۸۵۰ء کی حالت امریکہ عورتوں کے حقوق کے متعلق حسب ذیل قلمبند کی ہے۔ حالانکہ امریکہ بلحاظ آزادی حقوق نسواں اُسوقت بھی یورپ بھر سے پیش پیش تھا۔

عورتیں اپنے نام پر کوئی جائداد نہیں رکھ سکتی تھیں خواہ خود خرید کردہ یا ورثہ میں ملی ہوئی ہو۔ اگر عورت شادی شدہ نہ ہو تو بصورت جائداد ہونے کے وہ کسی پڑوسی کے نام پر کرا سکتی تھی کہ جسکی رائے کے وہ تابع سمجھی جاتی تھی۔ اگر وہ شادی کرنا چاہے اور اپنی جائداد اپنی کہلانا چاہتی ہو تو قانوناً اپنے آئندہ شوہر کے نام اپنی جائداد درج کرا سکتی ہے بشرطیکہ اپنا تمام دعوے ملکیت ترک کر دے۔ عورت خواہ شادی شدہ ہو یا مجرد

تو وہ کسی قسم کا عہدہ، اعتماد یا طاقت کا حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ درحقیقت انسان نہیں ہے۔ یہ فقط شہری تسلیم کیجاتی ہے وہ انسانی کنبہ کا فرد ہی نہیں ہے۔ وہ درجہ حساب اور تہذیب میں محض صفر ہے۔ شادی شدہ عورت کا درجہ خانگی نوکرانی سے ذرا ہی اونچا ہے۔ انگریزی کامن لا کے مطابق (جو اسوقت بوسٹن میں مروج ہے) اسکا شوہر اسکا آقا اور مالک ہے۔ وہ اسکی ذات اور نابالغ بچوں کا واحد محافظ اور نگراں ہے۔ وہ اُسے چھڑی سے سزا دے سکتا ہے جو اسکے انگوٹھے سے موٹی نہ ہو۔ اور وہ اسکی شکایت نہیں کر سکتی۔ اس سنٹ کا کامن لا عورت اور مرد کو فرد واحد تسلیم کرتا ہے۔ اور وہ فرد واحد شوہر ہوتا ہے۔ وہ بذریعہ وصیت اُسے اپنی جائداد کے ہر حصہ سے محروم کر سکتا ہے۔ اور اس سے بھی جو شادی کے قبل صرف اسکی اپنی جائداد تھی۔ شوہر عورت کی تمام جائداد غیر منقولہ اور اسکی ذاتی کمائی کا مالک مانا جاتا ہے۔ وہ کوئی معاہدہ یا کوئی وصیت نہیں کر سکتی نہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی غیر منقولہ جائداد کا قانونی حق فروخت کر سکتی ہے۔۔۔۔۔ اسکے لباس کا ایک چھلا بھی اسکا حق نہیں سمجھا جاتا۔ اسکے ذاتی حقوق کچھ نہیں ہوتے یہاں تک کہ اپنی روح کو وہ اپنی نہیں کہہ سکتی اسکا شوہر اسکے بچے چرا سکتا ہے۔ اسکے کپڑے لوٹ سکتا ہے۔ اسکے کنبہ کی نگرانی فراموش کر سکتا ہے۔ مگر اسکے ہاتھ میں کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں۔ اگر کوئی عورت اپنی محنت سے روپیہ کمائے تو اسکا شوہر تنخواہ کا دعوے کر سکتا ہے۔ کہ یہ آمدنی میں سے اُسی کا حصہ ہے۔ (ہسٹری آف ویمنس سفر یج جلد ۳ صفحہ ۲۹۰)۔

اسپر ریلیجس کا سٹروورس کا مصنف لکھتا ہے کہ "باوجود ان حالات کے میتھوڈسٹ یا ایسکوپل چرچ کے پادری مدعی ہوتے ہیں کہ یورپ میں عورتوں کی عزت و آزادی صرف مسیحیت کی بدولت حاصل ہوئی ہے"۔ (کاش اسے معلوم ہوتا کہ اسلام تیرہ سو سال سے اس سے بہت آگے نکل چکا ہے)۔

قدیم و جدید ہندو مذہب و تہذیب میں
غیروں سے سلوک کے چند نمونے

اس عنوان سے فروری ۱۹۲۷ء میں اخبار الامان دہلی نے ہندو لیڈروں کو چیلنج دیا تھا کہ کیا مندرجہ ذیل حقائق درست ہیں ؟ اور اس چیلنج کو کسی نے قبول نہ کیا۔

اپنے مخالفوں کو ورندوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرادو۔ جس ایذارساں شخص کی ہم لوگ مخالفت کرتے ہیں۔ یا جو ایذادینے والا ہم سے دشمنی کرتا ہے اسکو ہم شیر وغیرہ کے منہ میں ڈال دیں" یجروید ۱۵/۱۵۔

"ہم لوگ جس بُرے سے دشمنی کریں۔ اور ہم سے دشمنی کرے۔ اسکو ہم لوگ خونخوار جانوروں کے منہ میں ڈالدیں"۔ یجروید ۱۶/۱۹۔

"جن سے ہم لوگ نفرت کرتے ہیں۔ یا جن کو ہم لوگ ناراض کرتے ہیں۔ یا جو ہم کو دُکھ دیتے ہیں۔ انکو ہم ہوا کے منہ میں ڈالکر اس طرح دُکھ دیں جس طرح بلّی کے منہ میں چوہا"۔ یجروید ۱۶/۹۵-۹۹

ان منتروں سے صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو ویدوں کے آریہ ناپسند کردیں۔ یا جن سے وہ ناراض ہوجائیں انکو وہ ہوا میں معلق لٹکا کر تڑ پاتڑ پاکر اس طرح ماریں جس طرح بلّی چوہے کو مارا کرتی ہے۔ یہ انتہا درجہ سختی کی وحشیانہ سزا ہے۔

غیر قوم کی عورتوں کو ان کے بچّے کھلادو۔ "وہ عورت کہ جس نے ہم کو بددعا سے کوسا ہے اور دُکھ کی جڑھ لگایا ہے۔ اور جس نے کھان پان چرانے کے لئے ہمیں ہاتھ لگایا ہے وہ اپنے بچّے کھائے"۔ "یا تو وہان (غیر آریہ) عورت اپنے بیٹے بہن اور اپنی بیٹی کے بچّے کھالیوے"۔ (اتھروید کانڈ ا سوکت ۲۸ منتر ۴)

خاندانوں کو اچھی اچھی طرح کچلنے والا بے رحم بہادر۔ "اندر (ایشور) خاندانوں کو اچھی طرح سے طاقت کے ساتھ کچلتا ہے"۔ (یجروید ادھیائے ۱۷ منتر ۳۹)

"اندر دیوتا کی پرستش کرنے والوں کو اندر نے زمین پر دے ٹپکا۔ انکو اپنی رتھ کے پہیوں کے نیچے کچلا"۔ (رگوید ۱۰)

"اندر راکشسوں کو مٹی کے برتنوں کی طرح پھوڑتا ہے"۔ (رگوید)

"اندر کی پوجا نہ کرنے والوں کو کب تو پاؤں سے کھمب کی طرح اکھاڑیگا"۔ (رگوید ۱)

گائے کو مارنے والوں کے ٹکڑے اڑادو۔ (سوامی دیانند کا فتویٰ)۔ "اے سلطنت کے لوگو! جیسے سورج بادل کو مار کر زمین پر گرا کر سب کو خوش کرتا ہے ویسے ہی تم بھی گائے وغیرہ مارنے والوں کو مار کر حیوانات کو خوش کرو"۔ (سوامی دیانند۔ رگوید بھاشیہ منڈلی اسوکت ۱۲۱ منتر ۱۰)۔

ویدوں کے ذخیرہ لا متناہی میں سے چند حوالجات ہم نے "مشتے نمونہ از خروارے" پیش کئے ہیں۔ ہندو لیڈر خصوصاً مہاتما گاندھی۔ لالہ لاجپت رائے۔ بھائی پرمانند ایڈیٹر پرکاش۔ اور ملاپ ان منتروں کو

غور کریں۔ اور اگر وہ اس بے انتہا سنگدلی۔ ظلم اور وحشیانہ پن کی تعلیم سمجھیں تو اسکو ہندوستان سے نہیں بلکہ دنیا سے نشٹ کرنے کی بیجد کوشش کریں۔ اور جو شخص ان منتروں میں سے ایک منتر کا حوالہ بھی غلط ثابت کردے تو وہ فی منتر پانچ روپے ہم سے وصول کرلے۔

شودروں کے متعلق سخت وحشیانہ احکام۔ "شودر اگر برہمن سے سخت کلامی کرے تو اس کو قتل کردو۔" (منو ۸/۲۶۷)

"چھتری اور ویش اگر برہمن سے سخت کلامی کریں تو ان کی زبان کاٹ دو۔" (منو ۸/۲۶۷)

"شودر اگر برہمن کا اور اسکی ذات کا نام لیکر بدگوئی کرے تو اسکے منہ میں دس انگل لوہے کی جلتی سیخ دیدینی چاہیئے۔" (منو ادھیاء ۸ شلوک ۲۷۱)

"شودر اگر برہمن کو نصیحت کرے تو اسکے منہ میں جلتا ہوا تیل ڈال دینا چاہیئے۔" (منو ادھیاء ۸ شلوک ۲۷۲)

"برہمن زنا کرے تو صرف اسکا سر مونڈ دیا جائے۔ شودر زنا کرے تو قتل کر دیا جائے۔" (ایضاً شلوک ۳۷۴/۳۷۹)

"شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہی عضو اسکا کاٹ دیا جائے۔ اگر برابر بیٹھ جائے تو اسکے چوتڑ کاٹ دیئے جائیں۔" (منو ادھیائے ۸ شلوک ۲۸۱)

"برہمن کے سامنے پیشاب کرنے سے شودر کا ۔۔۔۔ کاٹ دیا جائے۔ تھوکنے سے ہونٹ ترشوا لئے جائیں۔ پاد مارنے سے ۔۔۔۔ کاٹ دی جائے۔" (منو ادھیاء ۸ شلوک ۲۸۲)۔

"جس شودر کے کان میں وید منتر پڑ جائے اسکے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو۔ زبان پر جاری ہو جائے تو زبان کاٹ دو۔ دل میں حفظ ہو جائے تو اسکو چیر کر دو ٹکڑے کردو۔" (دیکھو ویدانت درشن ۱/۳/۳۸ پر شنکر مادھواچاریا کا سبھاشیہ۔ اور گوتم منی کی سمرتی ۱۲/۴ ، اور بالمیکی رامائن اتر کانڈ سرگ ۷۶ شلوک ۴، ۱۰ کہ جہاں شمبوک شودر کو خدا کی عبادت کرنے کی سزا میں قتل کیا جانا مذکور ہے۔"

وید کے مخالفوں کے ٹکڑے کر کے ایک ایک عضو جلا دو۔ "اے بہادرو جو آگے بڑھ کر ہم پر غرور کرے یا ہماری کی ہوئی دعا کی ہتک کرے یہ بُرے کام اسکے لئے آگ کے عذاب ہوں۔ آسمان بھی اس وید کے مخالف کو سب طرف سے جلا دے"۔

"تیرے اس سات حواس اور آٹھ اعضاء کو میں وید کی بنا پر توڑتا ہوں"۔

مطلب از آریہ مفسر۔ جو شخص ویدوں کے احکام پر عمل نہ کرے اُسے بہادر لوگ سزا دیویں یعنی سات

حواس (دو کان دو نتھنے دو آنکھیں اور ایک منہ) اور آٹھ اعضاء سر ہاتھ دو ٹانگوں وغیرہ کو سزا کے طور پر کاٹ کر بیشمار دکھوں کے ساتھ جلا دینا چاہئے"۔ جلاتے ہوئے زبان سے یہ منتر پڑھے :۔

"تیرے پاؤں کو جلتی ہوئی عذاب دینے والی آگ میں ڈال دیتا ہوں۔ آگ تیرے جسم میں داخل ہو اور تیری آواز ہوا میں چلی جائے"۔ (اتھرو وید کانڈ ۲ سوکت ۱۲ منتر ۶-۷-۸)۔

غیر آریوں کی اولاد کو مارو اور انکی آنکھیں نکلوا دو۔ "اے سوم رس پینے والے راجا دکھ دینے والوں (غیر آریہ) کی اولاد کو مار اور لے آ۔ اور مذمت کرنے والے کی دائیں اور بائیں آنکھ نکال دے"۔ (اتھرو وید کانڈ سوکت ۵ منتر ۳)۔

"جو دوست نہیں انکو بیل کی کھال میں سی دو تاکہ وہ مرعوب ہو جائیں"۔

"ان کو بیل کی کھال پہنا دو۔ ہرن کی ہر طرح ڈرپوک بنا دو۔ اُلٹے منہ غیر دوست بھاگ جائیں اور ان کے چوپائے ہماری طرف آجائیں"۔ (اتھرو وید کانڈ ۶ سوکت ۶۷ منتر ۳)۔

لوہے کے کانٹے دار شکنجے سے گوشت خوروں کو کچلنا۔ "اے عالم! لوہے کے جلتے ہوئے شعلوں دانتوں سے پاڑنالوں سے (غیر آریہ) لوگوں کو کچل ڈال اپنے زور سے بیوقوف دیوتاؤں کے پجاریوں (غیر مذاہب) کو پکڑ لے اور نوچلکر گوشت کھانے والوں کو منہ میں رکھ لے"۔ (کانڈ ۵ سوکت ۳ منتر ۲)۔

"دُکھ دینے والے جلتے ہوئے نیچے اور اوپر کے دونوں دانتوں کو کام میں لا۔ اور اے اگنی ہو ہمارے گرو۔ پھر غیر آریوں پر۔ دانتوں والے تیز ہتھیاروں سے حملہ کرو"۔ (ایضاً منتر ۳)۔

"اے آگ کی مانند راجا! غیر آریوں کی کھال اُتار دے۔ مارنے والا ہتھیار زور سے اُسکو مارے۔ اے راجا! اسکے جوڑوں کو کچل ڈال۔ گوشت خور گوشت تلاش کرنے والا اسکو پھاڑ ڈالے"۔ (منتر ۴)۔

"اے آگ کی مانند عالم جہاں کہیں تو غیر آریہ کو کھڑے ہوئے پھرتے ہوئے خواہ ہوا میں اُڑتے ہوئے دیکھے تیز تیر سے اُسکو بیندھ دے"۔ (منتر ۵)۔

"اے آگ کی مانند راجا . . . . غیر آریوں کے دلوں کو بیندھ اور انکے بازوؤں کو اُلٹا کر کے توڑ دے"۔ (منتر ۶)

"اے عالم . . . . غیر آریوں کو دو دھاری تلوار سے مار ڈال۔ گوشت کھانے والے چنگرے بری آواز نکالنے والے گدھ اُسکو کھاویں"۔ (ایضاً منتر ۷)۔

"اے راجا تو غیر آریوں کو لوگوں میں سے اچھی طرح تاڑ۔ اسکے تین اوپر کے اعضاء (سر اور دونوں کندھوں)

کو توڑ ڈال"۔

"اے آگ کی مانند راجا اسکی پسلیاں کچل ڈال۔ غیر آریہ کو نیچے سے تین ٹکڑے کر دے (یعنے ٹانگوں کو چیر کر جوڑ جوڑ جدا کر دے"۔ (ایضاً منتر ۱۰)

"اے آگ کی مانند راجا جو آج وودکھ دینے والے گالی دیتے ہیں جو بولنے والے سخت کلامی کرتے ہیں غضبناک دل سے اُنکے لیئے تیروں کی بارش برسے غیر آریوں کا دل ان تیروں سے چھید ڈال"۔ (ایضاً منتر ۱۲)۔

"غیر آریہ جو گابوں کا پانی بگاڑیں تو وے بدکار ناقابل ترمیم قانون کی بناپر بالکل کاٹ دئے جائیں"۔

"گائے کا گنو شالہ ہیں جو دودھ ہے اے راجہ غیر آریہ اسکو نہ پئیں۔ اے آتش مثال راجہ جو کوئی اس دودھ سے اپنا پیٹ بھرنا چاہے اس مخالف قریب آنے والے کو اپنے شعلہ سے پھونک ڈال (ایضاً منتر ۷)

مخالفان وید سے سلوک

"تو وید کے مخالفوں کو کاٹ۔ کاٹے جا۔ کاٹ ڈال۔ ناش کر۔ ناش کر۔ تباہ کر۔ برباد کر"۔ (اتھر وید کانڈ نمبر ۱۲ سوکت ۵۔ منتر ۵)۔

"مخالف وید کے گوشت کو بوٹی بوٹی اور اسکی نسوں کو اینٹھ دے" (ایضاً منتر ۱۷)۔

"جو شخص وید اور عابد لوگوں کی وید کے مطابق بنائی ہوئی کتابوں کی بے عزتی کرتا ہے اُس وید کی برائی کرنے والے منکر کو ذات جماعت اور ملک سے نکال دینا چاہیئے"۔ (ستیارتھ پرکاش)۔

"ناسکوں اور وید کو نہ ماننے والوں کو ہلاک کر دو"۔ (اتھرون وید۔ ادھیائے ۱۲ اشلوک ۱۳) میں لکھا ہے "ناستکوں کو ہلاک کر دو"۔

آزادی مذہب اور وید کے احکام

دنیا میں کوئی عقلمند انسان اس بات پر اعتراض نہیں کر سکتا کہ خواہ مخواہ دُکھ دینے اور ایذا پہنچانے والے جانی دشمن کا مقابلہ ضروری اور لازمی ہے مگر محض اختلاف رائے کی بنا پر کسی پر چڑھائی کر کے اُسے تہس نہس کر دینا ایک ایسی وحشیانہ رسم ہے کہ جسکا نام لیتے ہوئے تہذیب و تمدن کی پیشانی عرق آلودہ ہو جانی چاہیئے۔ مگر حیرت ہے کہ ویدک دھرم ایسی تعلیمات سے بھرا پڑا ہے۔ اور باوجود اسکے آریہ سماجی اسے عالمگیر تعلیم اور مدار نجات مذہب بتا رہے ہیں۔

ویدوں میں تشدد کی تعلیم

یجر وید میں ہے:۔ "جن سے ہم لوگ نفرت کرتے ہیں۔ یا جو لوگ ہم کو دکھ

دیتے ہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ انکو اس طرح تڑپا تڑپا کر ماریں جس طرح بلی چوہے کو مارتی ہے" (یجروید ۶۶/۱۱)۔
پھر لکھتا ہے۔ "اے جاہ و جلال والے راج پرش! آپ دہرم کے مخالف دشمنوں کو آگ میں جلا ڈالیں۔ وہ جو ہمارے دشمنوں کو حوصلہ دیتا ہے۔ آپ اسکو الٹا لٹکا کر خشک لکڑی کی طرح جلا ڈالیں" (یجروید ۱۳/۱۲)۔
یہی نہیں۔ دشمن کی اشیاء خوردنی اور کام کاج کرنیکے مقامات کی تباہی بھی ضروری سمجھی گئی ہے۔ لکھا ہے "اے جاہ و جلال والے عام انسان آپ تیز رو دشمن کے کھانے پینے یا دیگر کام کاج کے مقامات کو اچھی طرح اُجاڑ دیں اور انکو اپنی تمام طاقت سے مار دیں" (یجروید ۱۳/۱۳)۔
اسی طرح لکھا ہے "جس دکھ دینے والے شخص کی ہم مخالفت کرتے ہیں۔ یا جو دکھ دینے والا شخص ہم سے دشمنی کرتا ہے اسکو ہم شیر وغیرہ کے منہ میں ڈال دیں" (یجروید ۱۵/۱۵)۔
"اے انسان جس طرح بھی دشمن کو ہلاک کیا جا سکے ہلاک کرو۔ اور اسطرح دشمن کو ہلاک کرکے راحت سے زندگی بسر کرو" (یجروید ۲۹/۱)۔
پھر لکھا ہے "جس پرکار اگنی آدمی پدارتھ بن آدمی کو بھسم کر دیتے ہیں۔ یعنے جسطرح آگ جنگل کو جلاتی ہے ویسا ہی دکھ والے شترو جنوں کو ناش کے لئے اس پرکار پریتن کرے" (دیانندی بھاشیہ رگوید صفحہ ۷۰۰)۔
پرمیشور کہتا ہے "جیسے میں بد خصلت آدمیوں کے سر پھوڑتا ہوں ویسے ویسے تم بھی ان کے سروں کو پھوڑو" (یجروید ۵/۲۲)۔

ستیارتھ پرکاش اور حریت ضمیر ہندو ذہنیت اس بارہ میں اسقدر ماؤف ہو چکی ہے کہ خواہ کوئی کتنا ہی تہذیب یافتہ ہو۔ اور اپنے خیالات میں زبردست تبدیلی کر چکا ہو۔ اس ضمن میں اسکے خیالات میں تبدیلی محال ہے سوامی دیانند جی نے اگرچہ اسلامی تعلیم سے متاثر ہو کر ویدک دہرم میں بہت حد تک تغیر و تبدل کیا لیکن جہانتک مخالف کے ساتھ سلوک کا تعلق ہے وہ بھی اس سطح سے اوپر نہ اٹھ سکے۔ جس پر روز اول سے ہندو دہرم کو کھڑا کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں:۔
"جو شخص وید اور وید کے مطابق بنائی ہوئی کتابوں کی بے عزتی کرتا ہے اس وید کی برائی کرنے والے منکر کو ذات جماعت اور ملک سے باہر نکال دینا چاہیئے" (ستیارتھ سمولاس ۳ ص۵۹)۔
پھر ستیارتھ پرکاش کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی کے نزدیک ویدوں کے سوا کسی اور کتاب کو الہامی ماننے والا ناستک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"ویدوں کا نندک، ورنہ ماننے والا ناستک کہلاتا ہے"۔ (باب ۳ صفحہ ۷۵)۔
اور ایسے بدقسمت انسانوں کے لئے آپ کا حکم ہے کہ وہ دنیا کے تختہ پر کہیں بھی زندگی بسر کرنیکا حق نہیں رکھتے۔ فرماتے ہیں:۔

"جو کہ ناستک نندک وادھورت مش ہیں۔ وے سب ہم لوگوں کے نواس استھان (یعنی جائے رہائش) سے دور چلے جائیں۔ کنتو (بلکہ) نشچے کرکے اور ولیشوں سے بھی دور ہو جائیں۔ ارتھات ادھرمی پرش کسی ولیش میں نہ ہیں"
(رگوید بھاشیہ مطبوعہ سمت ۱۹۳۵ بکرمی صفحہ ۷۲)۔

کیا دنیا کا کوئی سنجیدہ اور مہذب انسان جسکے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہو اس تشدد اور بے رحمانہ سلوک کو گوارا کر سکتا ہے کہ اپنے جیسے انسان کو محض مذہبی اختلاف رائے رکھنے کی وجہ سے ملک بدر کر دیا جائے بلکہ زندہ آگ میں ڈال دیا جائے۔ شیروں سے انہیں پھڑوا دیا جائے۔ ہر مہذب اور متمدن انسان اس قسم کے احکام دینے والے مذہب سے تہِ دل سے نفرت کرنے پر مجبور ہے۔ اور وہ تسلیم کریگا کہ ایسا مذہب خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی شان نہیں کہ وہ اپنے بندوں کے متعلق اس قسم کے ناواجب احکام نازل کرے۔ بے شک مذہب ایک قیمتی چیز ہے۔ مگر حریت ضمیر کا سلب کر لینا بھی بہت بڑا ظلم اور تعدی ہے۔ ہر انسان خدا تعالےٰ کا پیدا کردہ ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ محض اختلاف عقائد کی وجہ سے ایک کو قتل کر دیا جائے۔ یا اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے۔

اس قسم کی تعلیمات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ آریہ مذہب نے آزادی ضمیر کو سلب کر دیا۔ حریت انسانی کو پامال کر دیا۔ اور آراء کے اختلاف کو ایک ناقابل عفو جرم قرار دیکر اپنی خشونت اور متعصبانہ سپرٹ کا مظاہرہ کیا۔

حقیقی توحید اور ویدک دھرم

پنڈت واچسپتی جی ایم۔ اے نے "آریہ گزٹ" (۲۰ اپریل) میں اور "پرکاش" (۲۴ اپریل) نے اپنے افتتاحیہ میں تعلّی کی ہے کہ توحید حقیقی کی تعلیم اگر کسی مذہب نے مکمل طور پر بنی نوع انسان کو دی ہے تو وہ صرف ویدک دھرم ہے۔ اسلام اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دیکھیں ویدک دھرم کے متعلق جو یہ گپ ہانکی گئی ہے اس میں کہانتک صداقت ہے۔

راجہ کی عبادت کرنے کا حکم پنڈت دیانند یجروید کے ادھیائے ۳۰ منتر ۲۲ کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"اے انسانو! جیسے عالم چھوٹے بڑے پدارتھوں کو جان کر حسب لیاقت کاروبار کو کامیاب بناتے ہیں۔ ویسے ہی اور لوگ بھی کریں۔ سب لوگوں کو چاہیئے کہ رعایا کے محافظ ایشور اور راجہ کی آگیا سیون (یعنی تعمیل حکم) اور اپاسنا ہمیشہ کیا کریں (تفسیر دیانند جلد دوم)۔

گویا خدا کی عبادت میں راجہ کو شریک کر لینا۔ نہ صرف یہ کہ گناہ نہیں قرار دیا گیا بلکہ اسے ایشور کا واجب التعمیل حکم بتایا گیا ہے۔ آریہ صاحبان بتائیں۔ کیا راجہ کی عبادت کرنا توحید کے خلاف نہیں؟ دوسری جگہ لکھا ہے،

"جو عمدہ عزت کرنے والے انسان ہوں وغیرہ سچے افعال سے اپنے راجہ گیان وان میر مجلس کی ہی اپاسنا اور پرستش کرتے ہیں۔ وے لوگ ایذا رساں دشمنوں کو اچھے طور جیت کر پار ہو سکتے ہیں۔ (رگوید منڈل ۱ سوکت ۳۶ منتر ۷)

اپاسنا کسے کہتے ہیں ممکن ہے کوئی آریہ سماجی اپاسنا لفظ کی توجیہات بیان کر کے اس اعتراض سے بچنا چاہے۔ اسلئے ہم اس لفظ کی تشریح پنڈت دیانند جی کے حوالہ سے ہی پیش کرتے ہیں۔ پنڈت دیانند جی ویدوں کے ان منتروں کو نظر انداز کرتے ہوئے جنمیں مختلف چیزوں کی عبادت کا ذکر ہے اور اسلامی توحید سے متأثر ہو کر ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ "اس پرہم (ایشور) کو چھوڑ کر دوسرے کی اپاسنا نہیں کرنی چاہیئے۔ (باب ۷ صفحہ ۲۴۳) قطع نظر اس سے کہ وید اس بارے میں کیا کہتے ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ اپاسنا اس عبادت کو کہتے ہیں جو انسان اپنے خدا کے لئے کرتا ہے۔

پرمیشور کے مساوی انسان وحدانیت اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ کسی کو معبود حقیقی کا ہمسر اور مساوی نہ قرار دیا جائے۔ مگر تعجب ہے۔ وید اس مسلمہ اصل پر بھی پورے نہیں اترتے۔ اور ان میں ایسے الفاظ موجود ہیں جنکا مفہوم ہے کہ مخلوق میں سے بعض خالق کے ہمسر ہیں۔ چنانچہ یجروید ادھیائے ۹ کے اکیسویں منتر کا بھاوارتھ پنڈت دیانند جی ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

"میں ایشور سب آدمیوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ میرے تلیہ (برابر) دیندار گن کرم اور سوبھاو والے آدمی ہی کی رعایا ہو۔ اور کسی بیوقوف بدنیت کی رعایا ہو نا مت قبول کرو"۔

ایشور مہاراج کا یہ حکم ظاہر کر رہا ہے کہ انسان بھی ایسے ہوتے ہیں جو صفات و افعال اور عادات میں

ایشور کے برابر ہوں اور جب ایک بندہ اور پرمیشور برابر ہو گیا تو پھر توحید کہاں رہی۔

ویدک ایشور کی محدود طاقتیں پھر یجروید ادھیائے ۲۷ منتر ۲۵ کا ترجمہ بالفاظ پنڈت دیانند جی یہ ہے:۔

"اے بے خوف میر مجلس۔ بلا دودھ کی گائیوں کی طرح ہم لوگ اس متحرک اور غیر متحرک جہان کے منتظم سکھ۔ پورو کی دیکھنے کے لائق ایشور کے برابر طاقتور آپ کے سامنے ہو کر آپ کی عزت اور تعریف کریں"۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ویدک ایشور اتنی معمولی طاقتوں کا مالک ہے کہ معمولی معمولی راجے بھی اسکے ہمسر ہو سکتے ہیں۔ اور واقعہ میں وہ ایشور جو نہ روح کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ مادہ بنا سکتا ہے اس میں طاقتیں ہی کیا ہو سکتی ہیں۔ اور اگر مہاراجے اسکے برابر ہو جائیں تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔

ویدک ایشور کی بیوی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جو ویدک دھرم بیان کرتا ہے وہ اسلیے بھی ناقابل قبول ہے کہ ویدوں میں لکھا ہے:۔

اے لوگو! میں ایشور جیسے براہمن، کشتری۔ ویش، شودر اور اپنے استری سیوک (بیوی۔ ملازم) وغیرہ کو اپدیش کرتا ہوں۔ آپ لوگ بھی اسی طرح کریں"۔ یجروید ادھیائے ۲۶ منتر ۲ تفسیر دیانندی)۔

ویدوں کی لاثانی ہستی ویدوں سے ایک عجیب بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان میں سب سے اعلیٰ و برتر ہستی دودھ دینے والی گائے قرار دی گئی ہے۔ یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۴۷ میں ایک سائل وید کے رشی سے سوال کرتا ہے۔ آفتاب کی مانند کونسی روشنی ہے۔ سمندر کی طرح کونسا تالاب ہے۔ کرۂ زمین پر بارش برسانے والا کون ہے۔ اور وہ کونسی ہستی ہے جسکا ثانی کوئی نہیں۔ اس سوال کا جواب منتر ۴۸ میں یہ دیا گیا ہے کہ وہ ہستی جسکا کوئی ثانی نہیں گائے ہے۔

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روحانیات کے متعلق جن کتابوں کی تعلیم اتنی ادنیٰ ہو۔ اور جن لوگوں کی نظر اتنی محدود ہو کہ وہ ایک حیوان کو بے مثل ہستی قرار دیں۔ انکے دماغ میں حقیقی توحید کس طرح آ سکتی ہے۔

ہندو دھرم میں شودروں کے متعلق احکام

ہندوؤں نے صدیوں سے اچھوت اقوام کو اپنی غلامی میں رکھ کر اور انہیں ابتدائی انسانی حقوق سے محروم کرکے جس سنگدلی کا ثبوت دیا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن اچھوت تو الگ رہے۔ جنہیں ہندوؤں کے نزدیک انسانیت کا درجہ ہی حاصل نہیں۔ خود ہندوؤں کا ایک حصہ جسے شودر کہا جاتا ہے اس سے

جو سلوک کیا جاتا ہے وہ بھی کوئی کم دردانگیز نہیں۔ انسانیت کی تذلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک اپنے ہی جیسے انسان کو محض اسلئے حقوقِ انسانی سے محروم رکھا جائے کہ وہ کیوں شودر کے گھر پیدا ہوا۔ اور کیوں کسی برہمن کسی کھتری یا ویش کے گھر پیدا نہیں ہوا۔ مگر ہندوؤں نے اس تذلیلِ انسانی کو روا رکھا۔ اُنہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے ابنائے جنس کو رسوا ہوتے دیکھا مگر انکی امداد کے واسطے دستِ اعانت نہ بڑھایا۔ اُنہوں نے دیکھا کہ انہی جیسے اعضاء ہاتھ پاؤں کان ناک اور منہ رکھنے والے انسان دنیا میں ذلیل کئے جا رہے ہیں اور اُنہوں نے انکی ذلت میں ہمیشہ اضافہ کیا۔ مگر اسکے لیئے ہندو بھی ایک حد تک معذور ہیں۔ کیونکہ انہیں انکے دہرم نے یہی تعلیم دی ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہندو دہرم کے پیرو نہیں کہلا سکتے۔

دہرم شاستر کے احکام

ذیل میں ہم ہندوؤں ایک نہایت ہی مقدس مذہبی کتاب منوسمرتی سے جسے آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند جی نے بھی بے حد وقعت دی ہے۔ اور ہندو دہرم کے متعلق اپنی تشریحات کی ساری بنیاد اسی پر رکھی ہے۔ چند احکام پیش کر کے بتاتے ہیں کہ ہندوؤں کو انکے دہرم نے شودروں کے ساتھ کس قدر ظلم روا رکھنے کی تلقین ہے۔

منوسمرتی میں لکھا ہے (۱) شودر کا نام تحقیر آمیز اور برہمن کا خوشی کے اظہار والا رکھا جائے۔ ۲/۳۱، ۳۲

(۲) برہمن۔ چھتری اور ویش کی حجامت چوٹی اور زنار ۸۔۱۱ برس تک کی عمر میں ہونا چاہیئے مگر شودر کا نہیں ۲/۳۵-۳۶

(۳) زنار جو پاکیزگی اور علم حاصل کرنے کی اجازت کا پروانہ ہے شودر کو نہیں مل سکتا اسلئے شودر ناپاک ہی رہتا ہے ۲/۱۶۹

(۴) جنکی رسم زنار نہ ہو برہمن ان اچھوتوں کے ساتھ اضطراری حالت میں بھی پڑھنا پڑھانا اور بیاہ شادی وغیرہ نہ کریں ۲/۴۰

(۵) شودر کی پیدائش کی غرض برہمن کی غلامی ہے (۸/۴۱۳)۔

(۶) شودر مال جمع نہ کریں ۱۰/۱۲۹۔

(۷) شودر اگر مال جمع کرے تو برہمن اس سے بزور چھین لے ۸/۴۱۷۔

(۸) سود لینے میں برہمن سے ۲ فیصدی چھتری سے ۳ فیصدی۔ ویش سے ۴ فیصدی۔ شودر سے ۵ فیصدی لینا چاہیئے ۸/۱۴۲۔

(۹) برہمن کے ساتھ سخت کلامی کی سزا چھتری کو سو روپیہ جرمانہ۔ ویش کو ڈیڑھ سو۔ مگر شودر کو قتل کر دینا چاہیئے ۸/۲۶۷

(۱۰) شودر اگر برہمن کے علاوہ ویش اور چھتری سے سخت کلامی کرے تو اسکی زبان کاٹ لینی چاہیئے ۸/۲۷۱۔

(۱۱) شودر اگر برہمن کا اور اسکی ذات کا نام لے کر بدگوئی کرے تو اسکے منہ میں دس انگل لوہے کی جلتی ہوئی سلاخ دینی چاہیئے ۸/۲۷۱ ۔

(۱۲) شودر اگر برہمن کو نصیحت کرے تو اسکے منہ اور کانوں میں جلتا ہوا تیل ڈال دینا چاہیئے ۸/۲۷۲ ۔

(۱۳) شودر اگر زنا کرے تو اسکو قتل کر دیا جائے ۔ اگر برہمن زنا کرے تو صرف معمولی جرمانہ اور اسکی حجامت کر دی جائے ۸/۳۷۴ و ۳۷۶ ۔

(۱۴) نیچی ذات والا لالچ سے اگر اونچی ذات والے کا پیشہ اختیار کر لے تو راجہ اس کو دولت چھینکر ملک سے نکال دے ۱۰/۹۶ ۔

(۱۵) شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہی عضو اسکا کاٹ دیا جائے ۔ اگر برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو کمر پر داغ لگوا کر اسکے چوتڑ کاٹ کر ملک بدر کر دیا جائے ۸/۲۸۱ ۔

(۱۶) اگر شودر برہمن پر تھوکے تو اسکے دونوں ہونٹ ترشوائے جائیں ۔ پیشاب کرے تو عضو تناسل اور اگر گوز مارے تو مقعد کی جگہ کٹوا دے ۸/۲۸۲ ۔

(۱۷) اگر شودر برہمن کے بال پاؤں ڈاڑھی گردن پکڑے تو اسکا ہاتھ کاٹنا چاہیئے ۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ اسکو تکلیف ہوگی ۸/۲۸۳ ۔

ظالمانہ احکام | یہ احکام جسقدر ظالمانہ وحشت وبربریت کو لئے ہوئے ہیں ۔ اسے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے ان میں سے کونسی ایسی بات ہے جس میں زیادہ سے زیادہ شودر کو ذلیل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ۔ اول تو شودر کی پیدائش کی غرض ہی برہمن کی غلامی بتائی گئی ہے ۔ گویا ایشور نے جس طرح دوسری چیزیں اور دوسرے حیوانات انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے ۔ اسی طرح اس نے برہمن ۔ کھشتری ۔ ویش کی خدمت گزاری کے لئے انسان نما حیوان شودر پیدا کئے ۔ ان کی زندگی کا مقصد سوائے اسکے کچھ نہیں کہ اونچی ذات کے ہندوؤں کی خدمت کریں ۔ ان کے مظالم کا تختہ مشق بنیں ۔ اور اسی میں جان دیدیں ۔ انہیں اتنا بھی حق نہیں کہ انسانوں جیسا کوئی اپنا نام رکھ سکیں ۔ بلکہ انہیں اپنے ایسے نام تجویز کرنے چاہئیں جو تحقیر آمیز ہوں انہیں اپنی محنت ومشقت سے مال ودولت حاصل کرنے سے بھی محروم کر دیا گیا ۔ اگر شودر مال جمع کرے تو برہمن کو اختیار دیدیا گیا کہ اس سے بزور چھین لے ۔ اسی طرح سود لینے میں سب سے زیادہ شرح شودر کے لئے رکھی گئی سخت کلامی کی سب سے زیادہ سزا شودر کو دی گئی ۔ حتی کہ شودر کے منہ سے نصیحت سننا بھی گوارا نہیں کیا گیا اور

یہ قرار دیا گیا کہ اگر شودر برہمن کو نصیحت کرے تو اسکے منہ اور کانوں میں اس بھلائی کے بدلے جلتا ہوا تیل ڈال دیا جائے۔ پھر مختلف جرموں میں اسکی سزا ہاتھ کاٹنا اور لبوں کا ترشوانا قرار دی گئی۔

آریہ سماج اور شودر | آریہ سماج جسکا دعویٰ ہے کہ وہ اچھوت ادھار کر رہی ہے۔ یعنے انکے لئے ترقی کرنیکے ذرائع مہیا کر رہی ہے اور انہیں انسانیت کے حقوق دلا رہی ہے۔ اسکے بانی سوامی دیانند جی نے انہیں انسان ہی تسلیم نہیں کیا۔ اور ہندوؤں کے صرف چار ورن۔ برہمن۔ کھشتری۔ ویش اور شودر قرار دے کر باقی تمام انسانوں کو انسانیت سے خارج قرار دے دیا ہے۔ پھر شودروں کے متعلق ہندو دھرم کے اس ظلم و ستم میں کوئی تخفیف نہیں کی۔ جسکا کسیقدر نمونہ اوپر پیش کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کا کام تین ورنوں کی غلامی اور انکی خدمت گذاری ہی قرار دیا ہے۔

چنانچہ اپنی پستک ستیارتھ پرکاش میں جسے آریہ پانچواں وید اور الہامی کتابوں کے درجہ کی کتاب قرار دیتے ہوئے نور انہیں شرماتے۔ شودر کا کام یہ مقرر کیا ہے۔ کہ:۔

"برہمن۔ کھشتری اور ویشوں کی خدمت مناسب طور پر کرے۔ اور اسی سے اپنی بہ معاش پیدا کرے شودر کا یہی ایک کام اور وصف ہے"۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۱۰۰)

دوسری جگہ "شودروں کے فرائض" بتاتے ہوئے لکھا ہے "شودر سب خدمتوں میں ہوشیار۔ کھانا پکانے کے علم میں ماہر ہو۔ نہایت محبت سے دوجوں (برہمن۔ کھشتری۔ ویش) کی خدمت کر۔ انہی سے اپنی روزی بسر کرے"۔ ص ۱۲۹۔

منو سمرتی اور سوامی دیانند کی تعلیم

بھائی پرمانند ایم۔ اے نے حضور پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی شان میں "خونی پیغمبر" کا الزام لگایا تھا۔ اسپر اخبار مسلمان لاہور نے گیارہ مضامین میں گیتا و مہابھارت سے سری کرشن جی کی خونریز تعلیم کے حوالے دیئے ہیں۔ ہم یہاں صرف آخری نمبر کا خلاصہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۶ء کی اشاعت سے "نمونۃً" درج کرتے ہیں۔

آریہ سماجی بھائی پرمانند ایم۔ اے نے رحمۃ للعٰلمین کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے انہیں "خونی پیغمبر" کہا۔ لیکن ہم نے ثابت کیا کہ ہمارے پیغمبر تو دنیا کے لئے ابر رحمت تھے۔

پھر ہم نے گیتا اور مہابھارت میں سری کرشن اوتار کی خونریز تعلیم اور اسکا تماشا دیکھا۔ آج ہم منو سمرتی۔ نیز سوامی دیانند جی کی تصانیف کا مطالعہ کرینگے۔

منوسمرتی یا منوجی کا دھرم شاستر وید سے دوسرے درجہ پر ہے۔ منوجی مہاراج وید کے فاضل اور آریہ فقیہہ گزرے ہیں۔ آپکا دھرم شاستر ویدوں کی تفسیر ہے۔ منوجی گویا ہندو قوانین ساز ہیں۔ انکا درجہ ہندو دھرم میں وہی ہے جو اہلسنّت والجماعۃ کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ انگریزی عدالتیں بھی مقدما وراثت وغیرہ کا فیصلہ منوجی کے دھرم شاستر کے مطابق کرتی ہیں۔ قانونی کالجوں میں بھی اسی کی تعلیم ہوتی ہے۔ الغرض منوشاستر ہندو مذہب کی ایک مسلمہ اور اہم کتاب اور دھارمک گرنتھ ہے۔

ہم بتائیں گے کہ وید مقدس کن لوگوں کو دشمن قرار دے کر ان کی خونریزی کا حکم دیتا ہے۔ فی الحال دھرم شاستر کے احکام ملاحظہ ہوں :۔

(۱) "جو کشتری لڑائی میں مارتے ہوئے اور جنگ سے منہ نہ پھیر کر مرتا ہے وہ سورگ میں جاتا ہے"۔ (منو باب ۷ منتر ۸۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کشتری کے لئے خونریزی کرنا لابدی ہے اور جو کھشتری خونریزی نہیں کرتا وہ گویا نرگ میں جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے :۔

(۲) "دشمن قلعہ میں رہے یا باہر، چاہے جنگ نہ بھی کرے لیکن اسکو گھیرے رہو۔ تکلیف دو اور انکی لکڑیاں۔ پانی وغیرہ خراب کر دو"۔ (منو باب ۷۔ شلوک ۱۹۵ و ۱۹۶)۔

منوجی مہاراج ہتھیار ڈال دینے والے دشمن کا بھی پانی وغیرہ خراب کرنے اور اسکے خون بہانے کا حکم دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ امور قوانین جنگ کے خلاف ہیں۔ مگر منوجی مہاراج کی ویدک تعلیم مغلوب دشمن کو بھی معاف نہیں کرتی۔ دشمن سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو غیر آریہ ہوں اور ویدوں کو نہ مانیں۔ منوجی مہاراج فرماتے ہیں :۔

(۳) "دشمن کے تالاب۔ قلعے بالاخانے اور کھائیاں سب کھود ڈالے۔ اسے دہشتناک کر دے اور رات کو پرچھی سے کرڈھکا (نام باجہ) بجاکر اسے زیادہ تکلیف دے"۔ (منو باب ۷ شلوک ۱۹۵-۱۹۶)۔

منوجی مہاراج تقسیم مال غنیمت کے متعلق حکم دیتے ہیں :۔

(۴) "رتھ۔ گھوڑا۔ ہاتھی۔ چھتری۔ دھن۔ دھانیہ۔ چارپائی عورت اور چاندی سونے کے علاوہ تمام دولت سیسہ پیتل وغیرہ کا مالک وہی ہے جو فتح کرے"۔

(۵) "سونا چاندی اور زمین وغیرہ (جو عمدہ چیزیں) فتح میں ملیں۔ فاتح وہ راجہ کو دے۔ یہ وید میں لکھا ہے اور راجہ اس چیز کو سب پہلوانوں میں تقسیم کرے۔ جنہوں نے ملک فتح کیا ہو"۔ (منوسمرتی باب ۷ شلوک ۹۶-۹۷)۔

اب ہم آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند جی مہاراج کی نصایا دیکھتے ہیں۔ سوامی جی فرماتے ہیں :-

(۶) کھشتری کی شجاعت یہی ہے کہ وہ جنگ کرے۔ کیونکہ خونریزی کے بغیر دولت اور سکھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ (شتت پتھ براہمن کانڈ ۱۲۔ ادھیائے برہمن ۵۔ بھومکا مترجم ص ۱۴۶)۔

خونریزی کیوں کی جائے؟ اسکی علت غائی کیا ہے۔ اس میں کیا حکمت اور بھلائی ہے؟۔ اگرچہ ان سوالات کا جواب مندرجہ بالا اقتباسات میں بھی آگیا ہوگا۔ تاہم سوامی جی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

(۷) "سنگرام (جنگ) اور مہادھن (دولت عظیم) در اصل ایک ہی چیز ہے" (نگھنٹو ادھیائے ۲۔ کھنڈ ۱۷)۔

"چونکہ جنگ سے بیشمار دولت حاصل ہوتی ہے لہذا اسکا نام مہادھن (دولت گراں مایہ) ہے۔ خونریزی کے بغیر اعلیٰ عزت اور دولت کثیر نہیں حاصل ہو سکتی۔" (بھومکا اردو ص ۱۴۶)۔

(۸) "جب اپنا اقبال ترقی پر ہو تو اسوقت بداندیش دشمن پر حملہ کرنا فرض ہے"! (ستیارتھ پرکاش ص ۱۹۱)۔

(۹) "جب یہ معلوم ہو کہ فوری جنگ اپنے لئے نقصان رساں ہے اور بعد کی مبارک اور فتحمند ہوگی۔ تو پھر دوست دشمن سے دوستی کرلے۔ اور مناسب وقت تک صبر کرے" (منو ۷۔ ۱۶۹ ستھا) کسقدر اعلیٰ اخلاقی تعلیم ہے۔

(۱۰) جو راج اپنے ملک کا ہوتا ہے وہ سب سے افضل ہوتا ہے۔ اور غیر ملک والوں کا راج پورا پورا آرام دہ نہیں ہے۔ (پرکاش ص ۱۶۶)

منو مہاراج کے جن قوانین کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں انکا تھوڑا سا نمونہ ہم یہاں پر پیش کرتے ہیں۔ منو مہاراج فرماتے ہیں :-

(۱) اگر شودر کسی برہمن کھشتری یا ویش کو گالی دے تو اسکی زبان کاٹ ڈالنی چاہئے۔ اسلئے کہ شودر کی پیدائش ہی ناپاک ہے (۸/۲۷۰)۔

(۲) اگر کوئی شودر کسی برہمن کھشتری یا ویش کو اسکا نام لیکر بلائے تو اسکے حلق میں ایک ہنٹ لمبی لوہے کی گرم گرم سیخ ٹھونک دینی چاہیئے۔ (۸/۲۷۱)

(۳) اگر کوئی شودر کسی برہمن کو دھرم کی بات کہے یا نیک نصیحت کرے تو راجہ کو چاہیئے اس شودر کے منہ اور کان میں اُبلتا ہوا تیل ڈالدے۔ (۸/۲۷۲)

(۴) اگر کوئی انیتج (اتی شودر) کسی دوج کو مارے تو جس عضو سے وہ مارتا ہے اسکا وہ عضو کاٹ ڈالنا چاہیئے۔ یہ منو کا قانون ہے (۸/۲۷۹)

(۵) اگر شودر ہاتھ یا لاٹھی سے مارے تو اسکا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگر لات مارے تو اسکا پاؤں کاٹ دینا چاہیئے۔ (۸ ش ۲۸۰)

(۶) اگر کوئی شودر کسی دوِج کے برابر بیٹھے تو اسکی کمر میں داغ دے کر گاؤں سے نکال دینا چاہیئے یا اسکے چوتڑوں کو تھوڑا سا کاٹ ڈالنا چاہیئے۔ (۸ ش ۲۸۱)

(۷) اگر کوئی شودر کسی دوِج پر تھوک دے تو راجا اسکے دونوں ہونٹ کاٹ ڈالے۔ اگر پیشاب کر دے تو اسکا عضو تناسل کاٹ ڈالے۔ اگر گوز مارے تو اسکے مقعد کو کاٹ دے (۸ ش ۲۸۲)

(۸) اگر وہ بال پکڑے تو اسکے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اگر وہ پاؤں۔ ڈاڑھی یا خصیوں کو پکڑے تو بھی اسکے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالنے چاہئیں (۸ ش ۲۸۳)۔

(۹) اگر کوئی شودر کسی دوِج لڑکی سے اسکی مرضی کے بغیر جماع کرے تو اسکو فوراً قتل کر دینا چاہیئے لیکن اگر دوِج مرد دوِج لڑکی سے زنا کرے تو اسکو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ (۸ ش ۳۶۴)

(۱۰) اگر کوئی لڑکی کسی برہمن سے زنا کرے تو لڑکی کو کوئی سزا نہیں دینی چاہیئے۔ لیکن اگر وہ کسی دوسرے سے زنا کرے تو اسکو گھر میں قید رکھے۔ (۸ ش ۳۶۵)

(۱۱) اعلیٰ ذات کی لڑکی سے زنا کرنیوالا نیچ کل اتپن مرد واجب القتل ہے لیکن اونچی ذات کا زنا کرنے والا واجب القتل نہیں ہے۔ بلکہ وہ لڑکی کے والدین کو کچھ معاوضہ دیدے (۸ ش ۳۶۶)

(۱۲) اگر کوئی شودر کسی دوِج عورت کے ساتھ اسکے گھر یا باہر زنا کرے تو وہ واجب القتل ہے۔ اور اسکی تمام جائداد ضبط کر لینی چاہیئے ( )۔

(۱۳) لیکن اگر کوئی ویش غیر عورت کو ایک برس تک گھر میں ڈال رکھے تو اسکی جائداد ضبط کرنی چاہیئے مگر وہ خود واجب القتل نہیں ہے۔ اگر یہی گناہ کھشتری کرے تو اسکو ایک ہزار پن جرمانہ کرنا اور اسکا سر پیشاب سے مونڈنا کافی ہے (۸ ش ۳۷۵)

(۱۴) اگر کوئی ویش یا کھشتری کسی برہمنی کے ساتھ جو کہ گھر سے باہر ہو زنا کرے تو کھشتری کو ایک ہزار اور ویش کو پانچسو پن جرمانہ کافی ہے (۸ ش ۳۷۶)۔

(۱۵) اگر ویش اور کھشتری کسی برہمنی سے اسکے گھر میں زنا کریں تو انکو شودر کی سزا ملنی چاہیئے یعنی ان کو چٹائی میں لپیٹ کر جلا دیا جاوے (۸ ش ۳۷۷)

(۱۶) لیکن اگر کوئی برہمن کسی برہمنی سے اسکے گھر میں زنا بالجبر کرے تو وہ واجب القتل نہیں بلکہ اسپر صرف ایک ہزار پن جرمانہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ برہمنی کی مرضی سے زنا کرے تو صرف پانچسو پن جرمانہ کافی ہے (۸/۳۷۸)

(۱۷) برہمن کا سر مونڈنا اسکے قتل کے برابر ہے۔ مگر دوسرے ورنوں کا قتل ہی اصلی قتل ہے (۸/۳۷۹)

(۱۸) برہمن خواہ دنیا بھر کے بھی پاپ کرتا ہو۔ مگر اسکو قتل کی سزا نہیں دینی چاہیئے بلکہ اسکو اسکی تمام جائداد کے ساتھ اپنے راج سے نکال دے (۸/۳۸۰)

(۱۹) برہمنوں کے قتل سے بڑھکر دنیا میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اسلئے راجہ برہمن کے قتل کا کبھی دل میں بھی خیال نہ کرے (۸/۳۸۱)

(۲۰) اگر کوئی برہمن کسی کھشترانی یا ویشانی سے اسکے گھر میں زنا کرے تو اسکا سر بھی نہیں مونڈنا چاہیئے بلکہ معمولی جرمانہ کرکے چھوڑ دینا چاہیئے (۸/۳۸۲)

(۲۱) اگر کوئی کھشتری یا ویش کسی شودرانی سے اسکے گھر میں زنا کریں تو واجب القتل نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہزار پن جرمانہ کافی ہے (۸/۳۸۳)

(۲۲) اگر کوئی برہمن گھر سے باہر کسی کھشترانی۔ ویشانی یا شودرانی سے زنا کرے تو صرف پانچسو پن جرمانہ کافی ہے۔ اگر کسی پنچ یا چنڈال عورت سے زنا کرے تو ہزار پن جرمانہ ہونا چاہیئے (۸/۳۸۵)

(۲۳) شودر خواہ زر خرید ہو خواہ نہ۔ مگر اس سے خدمت کروانی چاہیئے۔ کیونکہ برہما نے شودروں کو برہمنوں کی خدمت کے لیئے ہی پیدا کیا ہے (۸/۴۱۳)

(۲۴) شودر خواہ غلامی سے آزاد بھی ہو جائے۔ مگر وہ خدمت کے کام سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اسلئے کہ برہمانے اسکو پیدا ہی اس کام کے لئے کیا ہے (۸/۴۱۴)

(۲۵) برہمن جب چاہے شودر کا مال و دولت چھین لے۔ کیونکہ شودر کے لیئے مال جمع کرنا ممنوع ہے (۸/۴۱۷)

(۲۶) وہ لڑکا جو برہمن کسی شودر عورت سے پیدا کرتا ہے زندہ بھی مردہ سمجھا گیا ہے (۹/۱۷۸)

(۲۷) اگر کوئی شودر اپنی ہمت و کوشش سے اعلیٰ ذاتوں کے کاموں کو کرنے لگ جائے تو راجہ کو چاہیے کہ ایسے شودر کے تمام مال و اسباب کو ضبط کرکے ملک سے نکال دے (۱۰/۹۶)

(۲۸) اگر کوئی شودر دوجوں کی خدمت نہ کرسکے تو اسکو چاہیئے کہ دوسرے ادنےٰ قسم کے کام کرکے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالے (۱۰/۹۹)

(۲۹) شودر کو چاہیئے کہ اپنے گذارہ کے لیئے کھشتریوں کی سیوا کرے یا کسی دولتمند ویش کی سیوا کرکے گذر اوقات کرے (۱۰/۱۲۱)

(۳۰) جس شودر کو مکتی کی خواہش ہو وہ برہمنوں کی سیوا کرے۔ کیونکہ اسکا یہ کہنا کہ میں برہمن کا سیوک ہوں اسکو مکتی دینے والا ہے (۱۰/۱۲۲)

(۳۱) شودروں کے لیئے برہمنوں کی سیوا سے بڑھکر دوسرا کوئی ثواب کا کام نہیں ہے۔ اس کو چھوڑ کر وہ جو کچھ بھی کرتا ہے سب فضول ہے (۱۰/۱۲۳)

(۳۲) دو بجوں کو چاہیئے کہ وہ شودروں کو بچا کھچا کھانا پرانے کپڑے۔ دھانوں کا بھوسہ اور پھوٹے ہوئے برتن دیں (۱۰/۱۲۵)

(۳۳) شودر کے لیئے دو بجوں کا کوئی دہرم نہیں ہے۔ انکو دو بجوں کے سنسکاروں کی بھی اجازت نہیں ہے وہ دہرم سے بالکل دور ہیں (۱۰/۱۲۶)

(۳۴) شودروں کو چاہیئے کہ دو بجوں کی محبت سے فائدہ اٹھائیں۔ مگر ان کو وید منتروں کے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہی انکے لیئے تعریف کی بات ہے (۱۰/۱۲۷)

(۳۵) شودر خواہ کیسا ہی لائق ہو جائے اگر اسکو دولت جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ دولتمند شودر برہمنوں کی طاقتوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ (۱۰/۱۲۹)۔

قوانین منو میں سے مذکورہ بالا چند قوانین محض اسلیئے پیش کیئے گئے ہیں تاکہ ان مسلمانوں کو جو اپنے "برہمن الاصل" ہونے کے گھمنڈ میں کسی مسلمان پر شودر اور کسی پر ارائیں ہونے کا طعنہ مار رہے ہیں۔ یہ پتہ لگ سکے کہ انکے جد امجد منو مہاراج نے انسانوں کے اس طبقہ کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہے۔ جس طبقہ میں سے اسلام پاک کی اخوت و مساوات و حریت کی تعلیم نے حبشی غلاموں تک کو بادشاہ بلکہ شہنشاہ بنا دیا تھا۔ وہ اسلام جس نے کالے اور گورے کی تمیز کو اڑا دیا۔ وہ اسلام جس نے برہمن اور شودر کو ایک سطح پر کھڑا کر دیا۔ وہ اسلام جس نے غلام بلکہ غلاموں کی اولاد کو برہمن الاصل قوم کے راجوں اور مہاراجوں کا بادشاہ بنا دیا وہ اسلام جس نے برہمن الاصل قوم کے حکمرانوں کے سر کو حبشی غلاموں کی دہلیز پر جھکا دیا۔ وہ اسلام جس نے شودروں کے طبقہ میں سے بہت سے انبیاء و رسل کو مبعوث کیا۔ وہ اسلام جس نے شودروں میں بڑے بڑے خلفاؤ صلحاؤ علماؤ فضلا کو پیدا کیا۔ آج وہی اسلام پاک برہمن الاصل مسلمانوں کے ہاتھ سے ایسا لگد کوب

ہو رہا ہے کہ اسکے نام لیوا باوجود مسلمان کہلانے اور مسلم قوم کی لیڈری و رہنمائی کا دم بھرنے کے اسلام پاک کی اخوت و مساوات و حریت کی سپرٹ کو منو کے قوانین کی کند چھری کے ساتھ ذبح کر رہے ہیں۔ وہ قوانین منو جنکا کثیر حصہ شرم و حیا۔ اخلاق و مروت۔ اخوت و مساوات۔ حریت و انسانیت کے نام پر داغ ہے۔

اس سوال کا جواب کہ آدی ہندو کون ہیں؟

ہم یوپی آدی ہندو کانفرنس کے صدر بابو رام چرن وکیل ہائی کورٹ و ممبر لیجسلیٹو کونسل کی تقریر سے دیتے ہیں۔

رگوید کے زمانہ میں آدی ہندوؤں کی حالت حالانکہ ہمارا لٹریچر برباد کر دیا گیا تب بھی ہم اپنے دشمنوں ہی کی کتابوں سے آپ کو بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ اور کس طرح سے اس حالت میں گرائے گئے۔ رگوید سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں دو قومیں جو آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھیں لڑ رہی تھیں۔ ایک آریہ کے نام سے پکاری گئی ہے اور دوسری دسیو یا داس یا اناریہ کے نام سے پکاری گئی ہے۔ آریہ کے معنے معزز آدمی کے ہیں۔ دسیو اور اناریہ کے معنے چور۔ بدمعاش و ڈاکو وغیرہ ہیں۔ اب یہ سوال ہوتا ہے کہ ایسی کون قومیں تھیں جو ساری کی ساری چور ڈاکو بدمعاش ہوں۔ پوری ایک قوم شریف اور پوری دوسری قوم بدمعاش و چور ڈاکو۔ یہ ایک تعجب کی بات معلوم ہوگی۔ لیکن یہ تعجب آپکا جاتا رہیگا جب یہ معلوم ہو جائیگا کہ "اپنے منہ میاں مٹھو" شریف بننے والی قوم باہر سے سورن بھومی (زرخیز زمین مراد ہندوستان) پر آئی ہے اور یہاں کی قدیم قوم سے لڑائی شروع کی اور اسی قوم کو اناریہ اور دسیو کا خطاب رگوید میں دیا ہے۔ رگوید کو خدا کا کلام کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب چالیں پولیٹکل ہی تھیں۔ خواہ انکو کتنا ہی مذہبی رنگ میں کیوں نہ پیش کیا جائے۔ یہاں کے باشندے بڑے شہ زور تھے لیکن سیدھے سادے اور دغاباز نہ تھے۔ ان میں سے جن جن کو مغلوب کر لیا اُن اُن کو داس یعنی شودر بنا دیا۔ شودر ویدوں کے زمانہ میں ذات پات کا نام نہ تھا جیسا اب سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بالکل بامعنے لفظ تھا۔ یعنی شودر کے معنے غلام کے تھے۔ وہ غلامی کیسی تھی؟ آیا وہ یورپ کی غلامی کی طرح یا کوئی اور خاص طریقے کی

آریہ قانون

ایتریہ برہمن میں لکھا ہے کہ ایک انسان شودر کی مانند تیرے گھر میں پیدا ہوگا جو دوسروں کا غلام ہوگا۔ اور جس کو اپنی مرضی سے چاہیں نکال دیں یا مار ڈالیں۔ "پنچ ونش برہمن" میں لکھا ہے کہ شودر اگر خوشحال بھی ہو تو

وہ سوائے غلام کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسکا کام صرف اپنے بزرگوں (برہمنوں) کے پاؤں دھونا ہے"۔
مطلب یہ ہے کہ ویدوں کے زمانے میں شودر کو صرف غلام ہی کہتے تھے۔ ویدوں میں اخلاق۔ عادات اور اعمال شودر نہیں بناتے تھے۔ یہ بالکل دھوکا بازی ہے کہ ایک قوم اپنے آپ کو آریہ کہتی ہوئی اس سورن بھومی (زرخیز زمین) کو لوٹنے آئی اور انکو غلام بناکر آجتک آزاد نہ کیا۔ حالانکہ دنیا سے غلامی اٹھ گئی ہے۔ یہ حالت نو اُن آدی ہندوؤں کی ہوئی جنہوں نے آریہ حملہ آوروں کے ساتھ لڑائی کرنا نہ چاہا۔ جس حالت پر خود انہیں آریوں کی اولاد ظاہر طور پر آنسو بہانے کا دعوے اسوقت کر رہی ہے اور اچھوت ادھار۔ دلت ادھار کا شور مچا رہی ہے۔ لیکن یہ سہانو بھوتی (دوستی) انہیں وجوہات سے پیدا ہوئی جن وجوہات سے انکو غلام بنایا تھا۔ پولیٹکل وجوہات سے ہی غلام بنایا۔ اور پولیٹیکل وجوہات کی تبدیلی سے ہی اب ادھار کی پکار مچا رہے ہیں۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ منوجی کا قانون ترمیم ہو گیا؟ منوجی تو کہتے ہیں کہ "شودر چاہے خریدا ہوا ہو یا نہ۔ اسی سے غلامی کا کام لیا جائیگا کیونکہ شودر کو برہما نے برہمنوں کی غلامی کے لئے بنایا ہے"۔
"شودر اگر آزاد بھی کر دیا جائے تو بھی وہ غلامی سے نہیں چھوٹ سکتا۔ کیونکہ یہ غلامی اس میں فطرتاً ہے۔ کون ہٹا سکتا ہے"۔ "برہمن شودر کے مال کو بے خوف چھین سکتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ اسکے پاس ہے وہ اس کا مالک نہیں ہے۔ اسکی جائداد اسکے مالک چھین سکتے ہیں"۔ دیکھو منو سمرتی ادھیاء ۸ شلوک ۴۱۳، ۴۱۷۔ منوجی نے سات طریقوں سے شودر بنانا بتایا ہے۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو لڑائی میں پکڑا جائے۔

برہمنوں کے ہاتھوں بدھوں کی بیخ کنی۔

بدھ حکومت کے زوال کے بعد شنکر اچاریہ اور انکے حامی مطیع ہندو راجاؤں نے طاقت پاکر بدھوں کے ساتھ سخت بدسلوکی کی۔ نہ صرف ہندوستان سے ہی بدھوں کی بیخ کنی کر دی۔ بلکہ بدھ کی جائے پیدائش بدھ گیا کا بھی نام و نشان مٹا دیا۔ کہ جسکی جاترا کے لئے آجتک اُسکے معتقدین چین۔ جاپان۔ سیلون اور برہما تک سے جوق در جوق ہندوستان کو چلے آتے ہیں۔ بدھ مذہب تمام ہندوستان پر پھیل چکا تھا۔ لیکن بدھ مذہب کے بڑے بڑے راجاؤں کے انتقال کے بعد جب برہمی مذہب کو موقعہ ملا تو اس نے بودھوں کا بیدریغ قلع و قمع کیا یہاں تک کہ ہندوستان میں نام کو بھی ایک بدھ نہ چھوڑا۔ اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہندوؤں نے بدھوں پر کونسا ظلم و ستم نہ ڈھایا ہوگا۔
آجکل ہندوستان کے اکثر عجائب خانوں اور اجنٹا و الیفنٹا وغیرہ غاروں میں بدھ کے ہزارہا اعلیٰ درجہ کی صنعت بت تراشی کے بت ملتے ہیں۔ جنہیں دیکھکر اس امر کا اقرار کئے بغیر رہا نہیں جاتا کہ اسوقت کی بدھ تہذیب کسقدر

ترقی کر چکی تھی۔ راجہ چندر گپت اور اشوک کے زمانوں میں جو بُدھ مذہب کے بڑے مربی اور حامی تھے بُدھوں نے حیوانات تک کے لئے ہسپتال بنائے ہوئے تھے۔ اور مسافروں کی سہولیت کے لئے سڑکیں اور انپر فاصلہ کے مینار نصب کئے ہوئے تھے۔ جن پر بُدھ مذہب کے احکام بھی کندہ تھے۔ اور ایسے بعض مینار ابتک بھی موجود ہیں ایسے مہذب اور ترقی یافتہ مذہب اور قوم کو اہنسا کے معتقد ہندوؤں نے صرف اسلئے بیخ و بن سے اکھاڑ کر گم کر دیا کہ وہ ہندوازم سے جدا مذہب تھا۔

منوسمرتی کے احکام شودروں کی نسبت

سوامی دیانند جی بانی آریہ سماج اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش سمولاس (۱۱) میں منوسمرتی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ " جو ویدوں کو نہیں مانتا وہ دہریہ ہے۔ اور جو ویدوں کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ ایسے شخص کو دیش سے باہر نکال دینا چاہیئے۔ اور دہریہ کو ذات اور قطار اور ملک سے خارج کر دینا چاہیئے۔ رگ وید بھاش۔ پہلا اشٹک پہلی ادھیائی ساتویں ورگ پانچویں منتر کے پچھلے حصہ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ویدوں کو نہیں مانتے اور دہریہ ہیں وہ سب ہماری جائے رہائش سے دور چلے جائیں۔ یعنے جہانتک ہندوؤں کا اختیار ہو انہیں کسی ملک میں بھی نہ رہنے دیا جائے۔ اسی طرح رگ وید اشٹک اول۔ ادھیاۓ ۳ ورگ ۱۰ منتر ۸ کا ویاکھیان سوامی دیانند جی اسطرح دیتے ہیں۔" اور جو ناستک ڈاکو چور بشواش گھاتی مورکھ وشیہ ہنسا کرنے والے آدمی اُتم کرموں میں بگھن ڈالنے والے وید ودیا ورودھی انارپہ منش ہیں ان سب دُشٹوں کو نشٹ کر دو۔"

غیر ہندو کو وید پڑھانے سے انکار

ایک سال جب کلکتہ یونیورسٹی کے سینٹ میں لکچراروں کا تقرر عمل میں لایا جا رہا تھا تو پنڈت سیتارام صاحب شاستری کے تقرر پر بحث کرتے ہوئے رائے بہادر ڈاکٹر چنی لال بوس نے اعتراض کیا کہ گذشتہ ایام میں پنڈت صاحب موصوف نے اپنے لکچروں میں ایک مسلمان طالب علم کو شریک کرنے سے انکار کیا تھا اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابکی بار قبل ہی سے دریافت کر لیا جائے کہ آیا صاحب موصوف آئندہ کسی مسلمان یا غیر ہندو کو اپنے لکچروں میں شرکت کی اجازت دینگے یا نہیں۔ اور قبل دریافت اس تقرر کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ ڈاکٹر کیدار ناتھ صاحب نے اس ترمیم کی تائید کی۔ مگر ڈاکٹر کفنو بنرجی نے فرمایا کہ ہر ہندو تعلیم وید میں غیر ہندو کو شریک کرنے سے انکار کریگا۔ اور سر آشوتوش مکرجی نے فرمایا کہ ہم لکچرار کو اس امر پر رضامند نہیں کر سکتے کہ وہ

غیر ہندو کو بھی اپنے کلچر میں شریک کرے۔ اور اس صورت میں بجز اسکے چارہ کار نہیں ہے کہ کلچر ارکو برطرف کر دیا جائے لیکن ہم ایسا بھی نہیں کر سکتے اسلئے کہ بہت کم پنڈت اس قابلیت کے ہیں جو علم وید میں کافی قابلیت رکھتے ہوں سرگرو داس بنرجی نے بھی اس تحریک کی تائید کی رائے لینے پر ڈاکٹر چمنی لال کی ترمیم قلت رائے کے باعث نامنظور ہوئی اور پنڈت صاحب کی تحریک اپنی صورت میں ہی عمل میں آگیا۔ اس ریزولیوشن پر بحث ہونے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ابھی تک برادران ہنود کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ بھی اسی امر کا حامی ہے کہ وید کی تعلیم غیر ہنود کو نہ دی جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہی تعلیم یافتہ طبقہ اس امر کا بھی مدعی ہے کہ وید سارے عالم کی رہنمائی و ہدایت کے لیے پرمیشور پرم آتما نے آدی سرشٹی کے رچتے وقت دنیا میں نازل کئے ہیں۔ کیا کسی تعلیم کے عام نہ کئے جانے کی حالت میں اس تعلیم سے یہ توقع کرنا کہ وہ مخلوق کی رہنمائی کرے گی کسی طرح صحیح ہو سکتا ہے؟۔

آریہ ہندوؤں کا شودروں سے سلوک

آریہ ہندوؤں نے وسط ایشیا سے پنجاب میں داخل ہو کر ملک کے اصلی باشندوں سے بہت سختی کا سلوک کیا اور انہیں یا تو پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھگا دیا جو اب تک گونڈ کول اور بھیل وغیرہ قدیم قومیں بنی ہوئی ہیں۔ جو نہ بھاگ سکے انہیں شودر بنا کر اُن سے ادنیٰ خدمات لینے لگے۔ منوسمرتی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ورن آشرم کا طریقہ جاری کر کے بمقابلہ برہمن چھتری وغیرہ اونچی ذاتوں کے شودروں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک ہندوستان میں پانچ کروڑ سے زیادہ اچھوت ذاتیں موجود ہیں۔ جو ادنیٰ درجہ کے ہندو کہلاتے ہیں۔ مگر ہندو اُن سے کسی قسم کا میل جول نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ سوائے مردم شماری کے کاغذات میں اُنکے ہندو لکھے جانے اور سیاسی اغراض کے لئے ہندوؤں کی تعداد بڑھا دینے کے اور وہ کسی لحاظ سے ہندو نہیں سمجھے جاتے۔ بلکہ ہندو اُن سے چھو جانے سے بھی ناپاک ہو جاتے ہیں۔ البتہ آجکل آریہ سماج یا ہندو مہا سبھا کے خیال کے ہندو انہیں شدھ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن شدھ کرکے بھی وہ اُن سے روٹی بیٹی کا تعلق نہیں قائم کر سکتے اور ہندو مذہب یا ہندو سسٹم کی قدامت پسندی کو دیکھتے ہوئے یہ مان لینا مشکل معلوم ہوتا [illegible] ان اچھوتوں کو ہندو سوسائٹی اپنے اندر داخل کر سکے گی۔

اچھوت ہندوؤں کی سڑکوں پر نہیں چل سکتے

بمقابلہ پنجاب و یوپی کے صوبہ مدراس پورا کنسرویٹو ہندو ازم کا بڑا قلعہ ہے۔ احاطہ مدراس میں کسی اچھوت کا سایہ بھی کسی برہمن پر پڑ جائے تو برہمن ناپاک ہو جاتا، اور اُسے نہانا پڑتا ہے۔ ریاست میسور کے مقام وائیکوم میں اچھوت ہندو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی سڑکوں پر نہیں چل سکتے میل کا تو کیا ذکر ہے ورنہ انہیں قانوناً گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ اسی لئے مہاتما گاندھی کی رہنمائی سے

۲۳-۱۹۲۴ء میں اس مکروہ دستور کے خلاف ستیہ گرہ کی تحریک جاری کی گئی۔ اور بہت سے اچھوت ہندو قید ہوئے مگر قدیم دستور اب تک بھی جاری ہے۔ ۱۹۲۷ء میں ایک ہندو ڈاکٹر کے خلاف ایک تعلیم یافتہ اچھوت شخص نے عدالت میں ڈگری حاصل کی۔ کیونکہ باوجود منہ مانگی فیس لے لینے کے ڈاکٹر نے اسکی بیوی کی زچگی میں اسکے بستر کے قریب جاکر مریضہ کو چھو کر نہ دیکھا تھا بلکہ دور سے ہی ایک مسلمان کی وساطت سے مریضہ کو تھرما میٹر لگوا کر دیکھا۔ اور ڈاکٹر نے نمونیا سمجھکر دوائی لکھدی۔ اور اسی بدسلوکی سے وہ اسی مرض میں مرگئی۔ اسپر مہاتما گاندھی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں سخت غم و غصہ کا اظہار کیا۔

ہندو راج میں عورتوں کا حال

(۱) ابتدائی زمانہ میں شادی کی کوئی بندش نہ تھی۔ جب راجہ پانڈو نے کنتی سے نیوگ کرنے کو کہا تو اس نے بتایا کہ پہلے پہل عورتیں بالکل آزاد تھیں۔ چونکہ بوڑھے مردوں اور عورتوں کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا اسلئے شادی کا رواج ڈالا گیا۔

(۲) مہابھارت کے زمانہ میں کئی عورتوں سے شادی کرنیکا رواج تھا۔ (صفحہ ۱۱۳ تاریخ پنجاب) (بخلاف اس کے پانچوں پانڈوں نے صرف ایک رانی سے شادی کی ہوئی تھی۔ یعنے پالی اینڈری کی تھی)۔

(۳) سکندر جس زمانہ میں ہندوستان میں آیا تو اس زمانہ میں نیوگ کیا جاتا تھا۔ ودھوا کی دوسری شادی بری سمجھی جاتی تھی۔ اُس زمانہ میں بعض قبیلوں میں لڑکیوں کے بیچنے کا رواج تھا۔ (صفحہ ۱۱۱ تاریخ پنجاب)۔

(۴) بہت سی شادیوں اور ستی کا رواج پایا جاتا تھا۔ اور ٹکشلا میں منڈی تھی۔ جہاں پر غریب لڑکیاں شادی کے لئے فروخت ہوتی تھیں۔ (صفحہ ۱۳۵)۔

(۵) گندھرب شادی میں لڑکی کو بہکا لیا جاتا تھا۔ اگر اُسکے اپنے رشتہ دار چھوڑا نہ سکیں تو وہ بہکانے والے کی سمجھی جاتی تھی۔ سوبھدرا کی شادی اس طریق سے ہوئی (صفحہ ۱۱۴)۔

(۶) ٹکشلا میں بڑی بڑی لڑکیاں فروخت کے لئے پیش کیجاتی تھیں اور سب سے زیادہ قیمت دینے والیکو دیجاتی تھیں۔

(۷) برہمنوں میں لڑکی کے دان کا رواج تھا۔ (صفحہ ۱۱۴)۔

(۸) برہمن تین شادیاں کرسکتا تھا۔ کشتری اور ویش صرف ایک (صفحہ ۶)۔

کوچین میں برہمنوں کی سڑکوں پر شودر نہیں گذر سکتے | ریاست کوچین کا اخبار لکھتا ہے:۔ ”کوچین کی دیسی ریاست میں ابھی وہ تعصب غیر براہمن ذاتوں سے برتا جاتا ہے جو شاید تین سو برس پیشتر مدراس کے اضلاع میں برتا جاتا تھا“

تعصب مذہبی برہمنوں کا شودروں سے اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ برہمن جس سڑک سے گذرتے ہیں اسپر شودر نہیں گذرنے پاتے۔ شودر نکلتے وقت پابند ہے کہ آواز دے۔ اور شودر کسی گلی میں منہ چھپا کر کھڑا ہوجائے۔ اور اگر عدول حکمی کرے تو گالیاں کھاوے۔ جس ملک میں باہم بنی نوع انسان سے ایسا برتاؤ ہو۔ اُس کے ادبار کے اسباب تلاش کرنا فضول ہے۔

جس جگہ مسلمان بیٹھ جاتا ہندو اُسے پانی سے دُھلوا دیتے۔ ہندوؤں میں اس بارہ میں جو اب تغیر نظر آتا ہے یہ وُہی مسلمانوں کی بے تعصبی کی تقلید ہے۔ ورنہ یہی ہندو ایک زمانہ میں مسلمانوں کو ملیچھ کہتے تھے۔ اور مسلمان جہاں کہیں زمین پر بیٹھ جاتا تھا اس جگہ کو پانی سے دُھلوا دیتے تھے جیسا کہ پانچویں صدی میں علامہ ابو ریحان بیرونی کو اسکا تجربہ ہوا تھا۔ جسکو اس نے اپنی کتاب الہند میں تفصیل سے لکھا ہے۔ آج یہ یادگاریں مٹتی جاتی ہیں۔ اور اگر اسکی کوئی جھلک نظر آجاتی ہے تو ہم حیرت زدہ ہوکر رہجاتے ہیں ؎

عالم نہ ماہی و نہ اغیال ما پُر است　　　شد عندلیب خاک و چمن از نوا پُر است

ہندوؤں کے ہاتھ سے اچھوت اقوام کی حالت زار

(نوشتہ کلجگانند سنیاسی۔ از کاشی بنارس)

ست جگ میں بھگوان اوتار دیوتا راجہ رامچندر جی جنکی یاد میں ہر سال دہوم دھام سے رام لیلہ ہوتی ہے صبح سویرے اُٹھکر ہر شخص چھوٹا بڑا امیر فقیر سب "جے رام جی کی" کہتے ہیں۔ رام لیلہ میں شودر، اچھوت چنڈال یعنی نیچ ذات کے لڑکوں کے منہ کالے کرکے راکشش بنائے جاتے ہیں اور برہمنوں اور بڑی ذات کہلانے والوں کے لڑکوں کو خوبصورت کپڑا پہنا کر منہ پر پاؤڈر اور چمکتے ہوئے سندر ستارے لگا کر رام لچھمن بناتے ہیں۔

چاہے جتنا پڑھا لکھا خوبصورت لڑکا شودر ذات کا ہو۔ اس کو یہ پدوی رام لکشمن بننے کی نہیں دیجاتی۔ کیونکہ خود بھگوان ہی شودروں سے نفرت کرتے تھے۔ وندیاچل پہاڑ کی کھوہ میں ایک شودر رہتا تھا شمبوک رشی کو رامچندر جی نے اپنے ہاتھوں اپنی تلوار سے قتل کیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی نجات (مکتی) کے لئے ایشور (مالک پیدا کرنے والے) کی تپسیہ کررہا تھا۔ اور شودر کی نجات اسی میں ہے کہ بڑی ذات کہلانے والوں کی رات دن خدمت کرے۔

راجہ رامچندر جی نے عورت ذات کی بھی بڑی بے عزتی کی۔ انکو قتل تک کیا۔ رام راج کے بعد اب کرشن بھگوان کی کتھا سنئے۔ ایک روز کنسی راجہ کے یہاں کرشن جی کی دعوت تھی۔ آپ کے کپڑے بہت ہی میلے تھے۔ ایک دھوبی سے

پرانے کپڑے پہننے کو مانگے۔ اس نے کپڑے دینے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ مالک ہم آپ کو نہیں جانتے ہیں۔ اس پر کرشن جی کو غصہ آیا اور دھوبی کو قتل کر دیا۔ دھوبی غریب محض نیچ ذات اچھوت ہونے کی وجہ سے کرشن کا مقابلہ نہ کر سکا۔ حالانکہ انہیں دھوبیوں نے اپنی پنچایت میں ایک دفعہ یہ کہا کہ ہم رام نہیں ہیں۔ جو اپنی گئی ہوئی عورت کو دوبارہ برادری میں لے لیں۔ اس قدر یہ دھوبی اپنی عزت و آبرو کا خیال کرتے تھے۔ یہی حال سب اچھوت ذاتوں کا تھا۔ ان کی تہذیب بہت اچھی تھی۔ یہ بہادر بھی ہوتے ہیں اگر انکی قدر کی جائے۔

آریہ ہندو دوسرے کے کاندھے پر سے بندوق چلانا جانتے ہیں۔ اسی لئے اس وقت مطلب نکالنے کیلئے شودروں کو ملا رہے ہیں اور انکی شدھی کر رہے ہیں۔ مطلب پرستوں، خود غرضوں اور بت پرستوں کے خلاف ہندوستان میں ایک ایسا مذہب اور ایسی قوم آئی جس نے شودروں کو ظلم سے بچا کر آزادی اور برابری کا مرتبہ دیا۔ راجپوتوں کے ظلم برہمنوں کے دغا فریب بنیوں کی لوٹ سے بچایا۔ اس دیس میں جب ظلم انتہا کو پہنچیگا تو شودر کو بادشاہ بنا دیا جائے گا۔

محمد غوری ایک مسلمان نے ہندوستان کے برہمنوں اور راجپوتوں سے لڑائی کی اور یہ ملک جیت کر ایک شودر (غلام) ایبک نامی کو بادشاہ بنا دیا۔ یہ شودر ذات (غلام خاندان) کے دس بادشاہ ہندوستان میں ہوئے ان کا راج ایک سو سال تک رہا۔ محمود غزنوی بادشاہ جسکی لڑائی ان لوگوں سے ہوئی جو کہ شودروں اچھوتوں کو مندروں میں نہیں جانے دیتے ہیں۔ یعنی برہمن اور راجپوت جو شودروں کا چارپائی پر بیٹھنا نہیں دیکھ سکتے۔ ان کو اچھے صاف کپڑے پہننے نہیں دیتے ہیں۔

ان شودروں سے کالیستھ قوم کو اعلیٰ مرتبہ پر بٹھا دیا۔ ایک نائی کے لڑکے کو اسقدر پڑھایا لکھایا کہ وزیر تک بنا دیا۔ ہندوؤں کی فوج کا سپہ سالار بنا کر اپنے سامنے گھوڑے پر بٹھایا۔ اعلیٰ قیمتی کپڑا خلعت اور گلے میں ہیرے جواہرات کے ہار اپنے ہاتھ سے بادشاہ نے پہنائے۔ یہ سلوک تلک کوٹی کے ساتھ کیا گیا۔ اس تلک کو پہلے ٹھاکر کا خطاب پھر راجہ تلک کا خطاب دیا۔ تلک جب وفادار ثابت ہوا۔ تب ہندو اور مسلمان دونوں کی فوج کا سپہ سالار اعظم بنا دیا گیا۔ اس نائی کی ذات کو آریہ ہندو "نو کا نوا" اور شودر کہا کرتے ہیں۔ یہی کارنامے ہیں جنکی بنا پر آریہ ہندو سلطان محمود غزنوی کو "ہندو کش، ظالم و ستمگر" کہتے ہیں۔ وید، رامائن، گیتا، پوران سب نے شودر کو ہمیشہ کے لئے شودر بنا دیا۔ یہاں تک حکم ہے کہ شودر کو اگر جان سے مار ڈالا جائے۔ خواہ بے خطا بے قصور مار ڈالے برہمن یا اوپر کی ذات کا آدمی تو اس کے بدلہ میں سزا تک معاف ہے۔

اگر شودر کسی اونچ ذات کے آدمی کا نام لے کر پکارے یا گالی دے تو اسکی سزا راجہ یہ دے کہ زبان کاٹ لے
جب یہاں تک ظلم اور بے انصافی کی حد ہو گئی تو مسلمانوں کا مذہب **اسلام** آیا۔ جسکی تعلیم یہ ہے۔ اور یہ قانون ہے کہ جو کوئی مرد اور عورت سے پیدا ہو وہ سب برابر ہیں۔ کوئی شودر نہیں نہ کوئی اونچی ذات ہے اور نہ کوئی اچھوت اور کمین اور نیچ ذات ہے۔

اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ یعنی جان کے بدلے جان جائے۔ کوئی کسی کو قتل نہ کرے۔ مسلمانوں کے پیغمبر مہارشی حضرت محمد رسول اللہ (ایک قافلہ) جتھے کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ سب کو کھانے کا انتظام کرنا ہوتا تھا۔ جسمیں حضرت مہارشی محمد رسول اللہ جنگل سے لکڑی جلانے کے لئے خود کاٹ کر اور لاد کر لائے۔

آپ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ دوم جو بادشاہ وقت تھے اپنے نوکر کو اونٹ پر بٹھا کر خود نکیل لیکر پیدل چلتے تھے اور آدھے راستہ تک نوکر پیدل چلتا تھا۔ اور انصاف یہاں تک تھا کہ جب شہر میں جا پہنچے۔ نوکر کے بیٹھنے کی باری تھی۔ نوکر نے بہت کہا کہ آپ بیٹھیں میں پیدل چلوں۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور آپ نے کہا کہ یہ انصاف کے خلاف ہے۔ حضرت عمرؓ بادشاہ ہوئے تو ایک حبشی غلام جنکا نام حضرت بلالؓ ہے ان کو آپ آبا یعنی مالک کہا کرتے تھے۔ حضرت بلالؓ حضرت سلمانؓ حضرت صہیبؓ یہ سب مشہور غلام حبشی تھے۔ جنکی عزت تمام مسلمان کرتے تھے۔ اور مسلمان انہیں بہت ہی بزرگ مانتے ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں نے یہ ملک فتح کرکے شودر جو اس دیش ہندوستان کے مالک اور اصلی باشندے ہیں انکو آزادی اور برابری دی۔ فوج کا سپہ سالار وزیر بلکہ خزانچی اور بادشاہ تک بنایا۔

اسلام کا حکم ہے کہ اپنی مسجدوں کے علاوہ دوسری قوم و دوسرے مذہب کے عبادت خانوں کی حفاظت کرو آریہ ہندوؤں نے بدھ مذہب کے عبادت خانے انکے قیمتی مندر سینکڑوں کی تعداد میں تباہ و برباد کرکے ان کی نیو تک یادگار کے لئے باقی نہیں رکھی۔ اسی حرکت کو روکنے کے لئے مسلمانوں کے لئے اسلام میں غیر مذاہب کی عبادت گاہوں اور مندروں کی حفاظت کا حکم ہے۔

ایک مرتبہ میری ملاقات بدھ مذہب کے ایک لیڈر سے ہوئی۔ اس نے کہا کہ مسلمان بادشاہوں پر یہ الزام ہے کہ مندروں کو کھدوا دیا۔ پھر اس نے کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو کیا برا کیا۔ بت خانے کی جگہ خانہ خدا تو ہے۔ لیکن آریوں نے (ہمارے بدھوں) کے مندر کھدوا کر انکی جگہ بطور یادگار پاخانہ تک نہیں بنائے۔

ایک عورت کو بادشاہ بنا دیا رضیہ سلطان نامی ایک عورت کو ہندوستان میں مسلمانوں نے ملکر بادشاہ بنایا۔ یہ رضیہ عورت بھی شودر (غلام) خاندان سے تھی جیسے سلطنت کی یہ عورت مردانہ لباس پہنکر جنگوں

میں بھی خود لڑنے جاتی تھی۔

اس عورت کو بادشاہ بنانے کی غرض یہ ہوگی کہ دنیا کے لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ عورت ذات بھی انسان ہے۔ عورت کا بھی خیال کرنا چاہیئے۔ اس عورت نے دنیا میں نسلی امتیاز کالے گورے کے فرق کو مٹانے کے لئے اپنی جگہ پر ایک حبشی کو جسکا نام جمال الدین تھا بادشاہ بنا دیا۔

آج امریکہ میں نیگرو قوم حبشی ہے۔ اسکے آدمی کو بجلی کے ذریعہ سے جلا کر اسکی خاک کو اڑاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ کہاں ہیں امریکن مشن کے پادری اور امریکہ کی حکومت جو اسکے ظلم کو نہیں روکتی۔ مس میو صاحبہ بھی اسلام کی تعلیم سے سبق حاصل کریں اور رضیہ سلطانہ کے نقش قدم پر چلیں۔

برہمنی مذہب کے احکام کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیمات

اسلام اور دیگر مذاہب کا اگر موازنہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام جن مستحکم بنیادوں پر قائم ہے اسکی نظیر کسی اور مذہب میں تلاش کرنا محال ہے۔ اور چونکہ خوبی کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب مقابل پر ایک ناقص وجود ہو۔ اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت اسلام کا موازنہ ہندو ازم سے کیا جائے اور بتلایا جائے کہ اسلام اپنی تعلیمات میں کسقدر محاسن و فضائل رکھتا ہے۔

ہندوؤں میں چار ذاتیں ہندوؤں میں چار ذاتیں ہیں۔ برہمن۔ چھتری۔ ویش اور شودر۔ پرانوں میں لکھا ہے کہ برہمن پرمیشور کے منہ سے۔ چھتری اسکے بازوؤں سے ویش اسکی رانوں سے اور شودر اسکے پاؤں سے پیدا ہوئے۔ غالباً اس تفاوت کی وجہ سے ہندوؤں نے اپنی تمدنی اور مذہبی سوسائٹی کی بنیاد رکھتے ہوئے ہر ذات کے لئے جدا گانہ کام تجویز کئے ہیں۔

برہمن کی قدر و منزلت ہندو دھرم کے مطابق مجسٹریٹ کے دل میں کسی برہمن کو سزا دینے کا خیال بھی نہیں آنا چاہیئے اور نہ ہی اسے سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا جلا وطن کر دیا جائے۔ یا اسکا سر مونڈ دیا جائے۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی حاکم وقت اسکی جان پر ہاتھ ڈال سکے۔

شودر کے لئے غیر معمولی سزائیں پھر پرانے زمانہ میں دستور تھا کہ اگر کوئی شودر جنیؤ پہن لے تو اسپر بھاری ڈنڈ لگتا اور اگر وہ کسی برہمن کو زیادہ تکلیف دیتا تو اسے قتل کر دیتے۔ اگر کوئی شودر کسی برہمنی سے زنا کرتا اور پکڑا جاتا تو اسکا عضو کاٹ ڈالتے اور گرم لوہے سے باندھ کر اسے جلا دیتے۔ پھر اگر کوئی شودر کسی برہمن کی مسند پر بیٹھ جائے تو لوہا گرم کرکے

اسکے چوتڑوں پر داغ دیتے یا ان کو کاٹ ڈالنے کا حکم ہے۔ اگر کوئی شودر کسی برہمن پر تھوک دے تو اسکے ہونٹ کاٹ دینے کا حکم ہے۔ اگر کوئی شودر کسی برہمن کے خلاف کسی دوسرے سے بھی گالی گلوچ سن لے تو اسکے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دینے کا حکم ہے۔ اگر کوئی شودر کسی مجسٹریٹ کو مار بیٹھتا تو لوہے کی گرم سلاخ اسکے بدن سے پار نکال کر اسی پر اسکے کباب کرتے۔ لیکن اگر یہی جرم برہمن سے سرزد ہو تو اُسے ہلکا سا جرمانہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پھر اگر کوئی شودر وید سننے کی جرأت کر بیٹھتا تو اسکے لئے بھی سنگین سزا مقرر ہے۔

شودر اور عبادتِ الٰہی | ان روح فرسا مظالم کے علاوہ شودروں کو زیادہ دولت جمع کرنے کی ممانعت ہے برہمن کو اجازت نہیں کہ شودر کو کسی مذہبی معاملہ میں ہدایت کرسکے یا اُسے گناہوں کی معافی کا راہ بتلا سکے۔ شودروں کو ایسی مذہبی رسوم ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں جنمیں خیرات دعائیں سوختنی اور غیر سوختنی قربانیاں شامل ہوں۔ اگر شودر کو اپنی حالت کے سدھارنے کا کوئی ذریعہ بتلایا گیا تو وہ صرف برہمنوں کی خدمت میں لگا رہنا ہے

برہمنوں کی حد سے زیادہ عزت | دراصل منو نے ہندو قوم کی جو تقسیم کی ہے۔ اس میں براہمنوں کو اگر ایک طرف حد سے زیادہ درجہ دیا گیا ہے تو دوسری طرف شودروں کو قعر مذلت میں گرا دیا گیا ہے۔ براہمنوں کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دنیا و مافیہا صرف انہی کے فائدہ کی خاطر پیدا کئے گئے ہیں اور اگر دوسرے لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں تو صرف براہمنوں کی وجہ سے۔ براہمنوں کی ملکیت کا روپیہ پیسہ چرا لینا غیر معمولی سزا کا مستلزم ہے۔ اور بعض حالتوں میں ایسے جرم کی سزا قتل سے کم نہیں۔ پھر برہمنوں کے مال کی سخت ترین قوانین سے حفاظت کی گئی ہے۔ یہانتک کہ ان کے مواشی کو تکلیف دینے والا بھی اسقدر سزا پاتا کہ اس کا نصف پاؤں کاٹ دیا جاتا۔

اسلامی رواداری اور مساوات | برہمنی مذہب کے ان ظالمانہ خلاف انسانیت اور اخلاق سوز احکام کے مقابل میں اسلام کے قوانین کو رکھ کر دیکھو تو بے اختیار زبان سے نکلیگا "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"۔ اسلام میں ذات پات کی تمیز نہیں۔ اور کسی شخص کی شرافت بزرگی اور بڑائی کا معیار اسکی پیدائش یا اسکی قوم یا اسکی خاندانی وجاہت نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ہم نے قومیں اور قبائل صرف اسلئے بنائے ہیں تا تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم سب میں سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے"۔ پھر اسلامی قوانین کے نفاذ میں کوئی امتیاز نہیں۔ امیر غریب چھوٹے اور بڑے سب کے لئے ایک ہی قانون ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عدل

احادیث میں آتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک اعلیٰ خاندان کی عورت نے چوری کی۔ شریعت کے مطابق اسکا ہاتھ کاٹنا ضروری تھا۔ مگر بعض صحابہ رضؓ نے خیال کیا۔ چونکہ وہ ایک شریف اور اعلیٰ خاندان کی عورت ہے۔ اسلئے اسکے معاملہ میں نرمی کرنی چاہیئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور جب یہ سفارش کی گئی تو آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا تم میں سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ اگر کوئی ان میں سے بڑا چوری کرتا تو اسے معمولی سزا دیتے اور اگر کوئی چھوٹا کرتا تو اسکے ہاتھ کاٹ ڈالتے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ چوری کرے تو میں اسکا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔

قصاص کے متعلق شریعت کا حکم

زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں دستور تھا کہ وہ شریف اور کمین گھرانے میں فرق کرتے۔ اور اعلیٰ خاندان کے آدمی کو ادنیٰ خاندان کے آدمی کے بدلہ میں نہیں مارتے تھے لیکن اگر کوئی ادنیٰ آدمی اعلیٰ خاندان کے آدمی کو مار ڈالے تو اُسے ضرور قتل کیا جاتا۔ اسی طرح اعلیٰ اور ادنیٰ خاندان کی عورتوں میں بھی تمیز کی جاتی تھی۔ آزاد اور غلاموں میں فرق کیا جاتا۔ مگر اسلام نے ان تمام قوانین کو جڑھ سے اُکھاڑا اور فرمایا اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی۔ آزاد آزاد کے بدلے۔ غلام غلام کے بدلے اور عورت عورت کے بدلے مارو اور ہرگز رعایت سے کام نہ لو۔

مسلمانوں کا قابلِ تقلید نمونہ

مسلمانوں کا ان زرین اصول پر اسقدر سختی سے عملدرآمد رہا ہے کہ تواریخ اسلامی میں لکھا ہے۔ ایک شامی سردار نے مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا اس نے ایک مسلمان کے منہ پر تھپڑ مارا۔ لوگوں نے کہا حضرت عمرؓ شریعت کے معاملہ میں تم سے کوئی نرمی کا برتاؤ نہیں کرینگے۔ بلکہ وہ ضرور تمہارے منہ پر بھی ایسا ہی تھپڑ لگائیں گے۔ یہ سُنکر وہ سردار مدینہ سے شام کی طرف بھاگ گیا۔

اسلام میں ہر شخص کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرے۔ مذہبی کتب پڑھے سب مسلمان خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں پانچ وقت مسجد میں اکٹھے ہو کر اپنے مولا کے حضور سربسجود ہوں۔ اور ایسا امام مقرر کریں جو شریعت سے زیادہ واقف ہو۔ خواہ وہ ادنیٰ قوم سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ پھر شریعت یہ بھی کہتی ہے کہ آخرت کی نجات قوموں یا خاندانوں پر منحصر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ جس کے اعمال اچھے ہوں گے وہ نجات پا جائے گا۔ اور جس کے اعمال اچھے نہ ہوں وہ ہلاک ہوگا۔ خواہ امیر ہو یا بڑے خاندان کا۔

شیومت

ہندو دھرم میں اتنی کے قریب فرقے ہیں۔ ہر ایک کے عقائد اور اصول ایک دوسرے سے اسقدر مخالف اور متباین ہیں کہ ایک اگر وید کو الہامی کتاب مانتا ہے تو دوسرا اس کو نشا چر اور دھورت کا کلام یقین رکھتا ہے اور اگر ایک کا یہ عقیدہ ہے کہ شراب پینے سے انسان نرگ اور دوزخ میں بھیجا جاتا ہے تو دوسرے فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جو آدمی شراب جیسی پوتر اور پاک چیز کا استعمال نہیں کرتا وہ کبھی بھی سورگ اور جنت کی ہوا نہیں کھا سکتا۔ اگر بعض ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کی شکل میں اوتار لیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم مورتی پوجا کرو۔ تو ایک فرقہ اس کی زبردست تردید کرتا ہے۔ غرض ہندو دھرم ایک ایسے مجموعہ کا نام ہے جو مختلف اور متضاد چیزوں سے مرکب ہو۔

ان فرقوں میں سے اسوقت صرف ایک یعنی شیومت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس مذہب میں اس قدر خلاف عقل وانسانیت باتیں ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کہ اس ترقی اور علم کے زمانہ میں ایسے گندے اور گھناؤنے اعتقاد رکھنے والے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں۔

تلک لگانے سے سورگ شیومت در اصل وام مارگ کا ایک حصہ ہے۔ یہ لوگ ماتھے پر ایک ٹیکا لگاتے ہیں جو شیو جی مہاراج کے پاؤں کی شکل کا ہوتا ہے۔ انکا اعتقاد ہے کہ جس آدمی کے ماتھے پر یہ ٹیکا ہوگا خواہ اسکے چال چلن اور اعمال کیسے ہی گندے ہوں وہ ضرور سورگ میں داخل ہوگا۔ چنانچہ ان کی ایک کتاب بھگت مال نامی میں لکھا ہے کہ کوئی شخص ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا۔ سوتے سوتے ہی مر گیا۔ اس درخت پر ایک کوا بیٹھا تھا۔ اس نے اسپر بیٹ کر دی اور وہ ماتھے پر تلک کی شکل ہو گئی۔ اس کو لینے کے لئے یم کے فرشتے آئے کہ اس کو اٹھا کر دوزخ میں ڈالدیں۔ اتنے میں وشنو مہاراج کے بھی فرشتے پہنچ گئے۔ اور کہا ہمارے آقا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اسکے ماتھے پر چونکہ تلک کا نشان ہے اسلئے اس کو سورگ میں لیجانا ہے۔ آخر لڑائی تک نوبت پہنچی جس میں وشنو بھگوان کے فرشتے جیت گئے۔ اور اس کو سورگ میں اٹھا کر لے گئے۔

شیومت کی عبادت یہ لوگ عموماً شیو لنگ کی پوجا کرتے ہیں۔ اور انکا اعتقاد ہے کہ جو آدمی شیو لنگ کی عمر بھر میں ایک دفعہ بھی پوجا کر لے اسکے ساری عمر کے پاپ نشٹ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہ کبھی بھی دکھ نہیں پاتا۔ اور اسکی تائید میں وہ ایک نہایت ہی خلاف تہذیب واقعہ پیش کرتے ہیں جو پورانوں میں درج ہے۔ مگر تہذیب ہمیں اسکے درج کرنے کی اجازت نہیں دیتی اسلئے اسے چھوڑتے ہیں۔

شیومت کے عقائد یہ شیوپران کو اپنی الہامی کتاب مانتے ہیں۔ اور انکا یہ عقیدہ ہے کہ جو آدمی ماتھے پر تلک اور گلے میں ۳۲ عدد موٹے موٹے منکوں کی مالا پہن لے۔ اور سر میں چالیس۔ کانوں میں چھ چھ۔ ہاتھوں میں بارہ بارہ، بازوؤں میں سولہ سولہ منکے ڈال لے۔ وہ ہو بہو مہادیو بن جاتا ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جان جائے تو جائے مگر دوسرے مذہب کی زبان نہ بولی جائے۔ اگر راستہ میں چلتے وقت مست ہاتھی ملے اور بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہو سوائے اسکے کہ پاس ایک جینیوں کا مندر ہو۔ اس میں دوڑ کر اپنی جان بچائی جائے۔ تو ایک شیومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی جان دیدے۔ لیکن جینیوں کے مندر میں جو کہ پاپی اور دُشٹ ہیں ہرگز داخل نہ ہو۔

ویشنو مت شیومت کی ایک اور شاخ ہے جسے ویشنو مت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسکا بانی ایک راماج برہمن ہوا ہے۔ یہ لوگ بھی ویشنو پران کو اپنی الہامی کتاب مانتے ہیں۔ اور اسکے بیان کردہ احکام پر عمل کرتے ہیں ان کے عقائد اور شیومت کے عقائد میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ یہ بھی اپنے ماتھے پر تلک لگاتے ہیں لیکن ان کا تلک شیومت کے تلک کے خلاف ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ تلک لگاتے ہیں تو جو لگانے والا ہوتا ہے وہ یہ بڑے زور سے پڑھتا ہے اور اسکے بعد اور لوگ جو وہاں موجود ہوتے ہیں اونچی آواز سے اُسے دُہراتے ہیں۔

"بانا برا دیال کا تلک چھاپ اور مال   جم ڈرپے کالو کہے بھٹے نے بھوپال" ؎

یعنی خدا بطور لباس تلک چھاپ اور مالا پہنتا ہے جس سے لاٹک اور بڑے بڑے راجہ مہاراجہ ڈرتے ہیں۔

ویشنو مت کی عبادت یہ لوگ بھی ویشنو لنگ کی پوجا کرتے ہیں۔ اور اسی کو وہ مدار نجات یقین کرتے ہیں۔ باقی اسکے تمام وہی عقائد ہیں جو شیومت کے ہیں۔ یہ لوگ عموماً سادھوؤں کا لباس پہنے رہتے ہیں اور بڑے بڑے تیرتھوں پر اپنا اڈا جمائے رکھتے ہیں۔ لوگ جس وقت نہانے یا تیرتھوں کی زیارت کو جاتے ہیں۔ تو انکی خیرات سے یہ اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

پیدائش دنیا کے متعلق ویشنو مت کا عقیدہ ویشنو مت اور شیومت والوں کا عقیدہ ہے کہ اگر اس دنیا کی خلق کی کوئی علت ہے تو وہ شیوجی مہاراج ہیں۔ اور انہوں نے ہی اس دنیا کو پیدا کیا ہے چنانچہ شیو پران میں لکھا ہے کہ:۔ "شیوجی نے دنیا بنانے کی خواہش کی۔ تو ایک نارائن نامی پانی ٹھہرنے کی جگہ کو پیدا کر کے اسکے ناف میں سے کمل اور کمل میں سے برہما پیدا کیا۔ پیدائش کے بعد برہما نے دیکھا کہ پانی ہی پانی چاروں طرف دکھائی دیتا ہے۔ تب اس نے ایک چلو پانی کا لیکر پھر اسی پانی میں ڈال دیا جس سے ایک بلبلہ بنا۔ اور پھر اس میں سے ایک آدمی پیدا ہوا۔ اس نے برہما سے کہا کہ اے بیٹے دنیا کو بنا۔ برہما نے کہا

تو میرا بیٹا ہے۔ میں تیرا بیٹا نہیں ہوں۔ آخر ان میں جھگڑا شروع ہوا۔ اور یہ جھگڑا قریباً دو ہزار برس تک رہا۔ تب شیو جی نے سوچا کہ میں نے تو ان کو دنیا بنانے کے لئے بھیجا تھا۔ اور یہ دونوں آپس میں لڑنے لگ گئے تب شیو جی نے ان دونوں کے درمیان ایک لنگ کو پیدا کیا۔ جو کہ فوراً آسمان کو چلا گیا۔ یہ دونوں ڈر گئے۔ اور سوچنے لگے کہ آؤ اسکی ابتداء اور انتہاء کو معلوم کریں۔ چنانچہ یہ دو ہزار برس تک چلتے رہے۔ لیکن یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی اثناء میں کہ وہ چل رہے تھے۔ ایک گائے اور کیتکی کا درخت آسمان سے اترا۔ برہما نے ان دونوں سے اسکی ابتداء اور انتہاء کے متعلق سوال کیا۔ گائے اور کیتکی کے درخت نے گواہی دی کہ ہمیں اسکی ابتداء اور انتہاء کا علم ہے۔ برہما ان دونوں کو ساتھ لیکر وشنو سے ملا۔ اور کہا کہ میں نے تو اسکی ابتداء اور انتہاء معلوم کر لی ہے۔ اسلئے اب تم میرے لڑکے بن جاؤ۔ وشنو نے کہا کہ گواہ لاؤ۔ برہما نے کہا یہ گائے اور کیتکی کا درخت گواہ ہیں۔ آخر جب ان دونوں نے گواہی دی تو وشنو نے ناراض ہو کر ان کو بد دعا دی۔ گائے کو کہا کہ تو منہ سے پاخانہ کھائے گی۔ اور کیتکی کو کہا کہ تو ہرگز ہاروں میں نہ پرویا جائیگا۔ اسکے بعد اس لنگ سے ایک بڑی مہیب شکل نکل آئی۔ اور وشنو اور برہما کو مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ میں نے تو تمہیں دنیا کے بنانے کے لئے بھیجا تھا اور تم آپس میں جھگڑنے لگ گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم دنیا کس چیز سے بنائیں۔ تب مہادیو نے اپنے بالوں سے ایک راکھ کا گولہ نکالکر دیا۔ اور کہا کہ جاؤ اس سے دنیا پیدا کرو۔

حقوق ذمیین

ذمی وہ غیر مسلم ہوتے ہیں جو کسی اسلامی سلطنت کی رعایا بنکر رہنا منظور کریں۔ اور ایک خفیف سا خراج جسے جزیہ کہتے ہیں حکومت کو ادا کرتے رہیں۔ سلطنت ان کی ہر طرح حفاظت و حمایت کرتی ہے۔ جو نادان لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں۔ مذہب اسلام ہر نا مسلم کو تلوار یا قرآن پیش کرتا ہے۔ جسکے معنے یہ ہیں کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ یا لڑو اور مارے جاؤ۔ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد الزام ہے۔ اسلام نے اپنی غیر مسلم رعایا کے لئے بڑے انصاف اور حمایت کے احکام وضع کئے ہیں جو قابل غور ہیں۔ اور جو ذمی مسلمانوں کی رعیت بنکر وہ خفیف ٹیکس جسے جزیہ کہتے ہیں دینا منظور کرے تو عملاً مسلم اور اس غیر مسلم رعایا میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا سوائے اسکے کہ مسلم رعایا سے فوجی خدمت لی جائے اور اسے زکوٰۃ دینی پڑے جو یقیناً جزیہ سے بھاری رقم ہوتی ہے۔ ان اوراق میں حقوق

ذمیتین پر بحث ضروری تھی۔ اس لئے اسے دو حصّوں میں یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ حصّہ اوّل میں نواب اعظم جنگ مولوی چراغ علی مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ مضمون درج کیا جاتا ہے۔ نواب صاحب دولت آصفیہ کے فنانشل و ریوینیو سکرٹری اور کئی اسلامی عالمانہ تصانیف کے مصنف تھے۔ اور دوسرے حصّہ میں مختلف کتب و رسائل سے ذمیوں کے حقوق کے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں۔

جزیہ ادا کرنے پر ذمیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر ہو جاتے ہیں

(نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب مرحوم)

(۱) علامہ برہان الدین مرغینانی بدایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔ "اگر وہ جزیہ قبول کرلیں تو ان کا وہی حق ہے جو مسلمانوں کا ہے۔ اور ان پر وہی ذمہ داری عائد ہوگی جو مسلمانوں پر ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ انہوں نے جزیہ اس لئے قبول کیا ہے کہ ان کا خون ہمارے خون کے برابر اور انکا مال ہمارے مال کے برابر ہو جائے۔ (ہدایہ جلد ۲۔ کتاب السیر باب کیفیۃ القتال)۔

(۲) علامہ بدر الدین عینی نہایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ "مسلمان ذمّی کے بدلے قتل کیا جائے گا یہی قول نخعی اور شعبی کا ہے۔ (نہایہ شرح ہدایہ)۔

(۳) یحییٰ بن آدم القرشی اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:۔ عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آپ نے کہا جو معاہد اور ذمّی ہو اُسکا خونبہا وہی ہے جو مسلمان کا ہے۔"

(۴) امام ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں:۔ "اس پر اتفاق ہے کہ ایک ذمّی دوسرے ذمّی کو مار ڈالے پھر قاتل مسلمان ہو جائے تو اس ذمّی کے بدلے وہ قتل کیا جائے گا جس کو اپنے کفر کی حالت میں مار ڈالا تھا۔ اور اُسکے مسلمان ہونے سے قصاص باطل نہ ہو گا۔" (شرح معانی الآثار)

اہل مدینہ نے کہا مسلمان اگر ذمّی کو اسکا مال لینے کے لئے اچانک مار ڈالے تو وہ اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔" (شرح معانی الآثار)

(۵) علامہ بدر الدین عینی نہایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ "امام مالک رحؒ سے منقول ہے اگر مسلمان ذمّی کو اچانک مار ڈالے تو اسکے بدل قتل کیا جائیگا۔ اسلئے کہ روایت کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں ایسا ہی حکم دیا تھا۔

(۶) امام ابویوسفؒ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :۔ "حاکم کو نہ یہ جائز ہے اور نہ اسکی گنجائش ہے کہ ایک کو چھوڑ دے اور ایک سے جزیہ لے۔ اسلئے کہ ان کے جان و مال کی حفاظت جزیہ ہی کے ادا کرنے سے عمل میں آتی ہے۔ اور جزیہ بمنزلہ مال خراج کے ہے۔

(۷) علامہ بدرالدین عینی نہایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :۔ "ابوالجنوب الاسدی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا حضرت علی کے پاس ایک مسلمان لایا گیا جس نے ایک ذمی کو مار ڈالا تھا۔ اور اس پر شہادت قائم ہو گئی تو انہوں نے اسکے قتل کا حکم دیا۔ بعد ازاں مقتول کا بھائی آیا اور اس نے کہا میں نے معاف کر دیا۔ حضرت علی نے کہا شاید لوگوں نے تجھکو ڈرایا دھمکایا ہے۔ اس نے کہا نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اسکے قتل سے مجھکو میرا بھائی مل نہ جائیگا۔ اور انہوں نے مجھے معاوضہ بھی دے دیا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ تو خوب واقف ہے کہ جس سے ہمارا معاہدہ ہوتا ہے اسکا خون ہمارے خون کے برابر اور اسکا خونبہا ہمارے خونبہا کے برابر ہوتا ہے۔"

مسٹر لین نے اپنی کتاب قاموس میں یہ غلط لکھا ہے کہ جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا بلکہ جزیہ ذمیوں کے مال جان کی حفاظت کا ٹیکس تھا۔ اور جزیہ سے ہی مسلمانوں پر ان کے مال و جان کی حفاظت لازم آتی تھی۔

ذمیوں کے مال و جان کا معاوضہ مسلمانوں سے لیا گیا

(۱) امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں روایت کرتے ہیں کہ "عبدالرحمٰن بن البیلمانی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسا مسلمان مرد لایا گیا جس نے ایک ذمی کو مار ڈالا تھا تو آپ نے اسکے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ اسکی گردن ماری گئی۔ اور فرمایا ہم ان سے بڑھ کر ہیں جو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔"

(۲) یحییٰ بن آدم القرشی اپنی کتاب الخراج میں نقل کرتے ہیں۔ (قریباً روایت بالا کی طرح)۔

(۳) علامہ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں نقل کیا ہے :۔ "ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ایک ذمی معاہد شخص کے بدلے قتل کیا۔ اور فرمایا کہ ہم ان سے بزرگتر ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا۔"

(۴) علامہ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں نقل کیا ہے :۔ "عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح سے روایت ہے

کہ اُنہوں نے کہا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں ایک مسلمان کو کہ جس نے ایک کافر کو اچانک مار ڈالا تھا اُسکے بدلے قتل کیا۔ اور فرمایا کہ ہم اُن سے زیادہ حقدار و سزاوار ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا۔

(۵) امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :۔ "حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی نے آکر کہا۔ یا امیر المؤمنین میرے کھیت میں زراعت تھی۔ اُسکو اہل شام کی ایک فوج نے پامال کر دیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے اُسکو بیت المال سے دس ہزار درہم دلوائے۔

ذمیوں کی حفاظت نہ ہوسکنے کی صورت میں جزیہ و خراج واپس دیا گیا

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :۔ "ابو عبیدہ نے اُن سب حکام کے نام جن کو اُنہوں نے ایسے شہروں پر اپنا نائب مقرر کیا تھا کہ جہاں کے باشندوں نے صلح کر لی تھی۔ یہ فرمان بھیجا کہ ان لوگوں سے جو کچھ بابت جزیہ و خراج لیا گیا ہے واپس کر دیا جائے۔ اور یہ بھی کہا کہ یہ بھی اُن سے کہدو کہ ہمنے تمہارا مال اسلئے واپس دے دیا ہے کہ ہم کو اسکی خبر ملی ہے کہ ہمارے مقابلے کے لئے فوج جمع کی گئی ہے اور تم نے ہم پر شرط لگائی تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں۔ چونکہ ہم اسپر قادر نہیں اسلئے ہمنے جو کچھ تمسے لیا تھا وہ تمکو واپس دے دیا۔ لیکن ہم تمہارے حق میں اس شرط پر اور شرط جو کچھ ہمارے اور تمہارے درمیان میں لکھا گیا ہے اسپر قائم رہیں گے۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ ہمکو اُن پر فتحیاب کرے۔" (کتاب الخراج امام ابو یوسفؒ)

ذمیوں کے حق میں ظلم و تعدی کی ممانعت

مذہب اسلام نے ذمیوں کے حق میں مساوات حقوق کے علاوہ مسلمانوں کو سخت تاکید کی ہے کہ کسی اہل معاہدہ کے ساتھ کسی قسم کا جابرانہ و ظالمانہ برتاؤ نہ کریں۔ اور اُن کو کوئی تکلیف بالایطاق نہ دیں۔ اور اُنکے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔

(۱) ابوداؤد روایت کرتے ہیں :۔ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ

آپ نے فرمایا کہ خبردار جو شخص اہل معاہدہ پر ظلم کریگا یا اُسکو نقصان پہنچائیگا۔ یا اُسکو اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا۔ اس سے کوئی چیز بغیر اسکی مرضی کے لیگا۔ میں قیامت کے روز اُسکا دامنگیر ہونگا۔

(۲) امام بخاری صحیح بخاری میں روایت کرتے ہیں:۔ "کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں خدا اور رسول کو ضامن کرکے وصیت کرتا ہوں کہ اُن سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے۔ اُنکی حمایت میں لڑا جائے اور انکو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

(۳) یحییٰ بن آدم القرشی کتاب الخراج میں نقل کرتے ہیں:۔ "حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جو شخص میرے بعد خلیفہ ہو میں اسکو ذمیوں کے حق میں ایک نیکی کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ انکا عہد پورا کیا جائے۔ انکی حمایت میں لڑا جائے اور انہیں انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

(۴) امام ابو یوسف کتاب الخراج میں روایت کرتے ہیں:۔ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص اہل معاہدہ پر ظلم کرے یا اُسکو اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف دے میں اُسکا دامنگیر ہونگا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت جو تقریر کی اس میں یہ فرمایا کہ جو شخص میرے بعد خلیفہ ہو میں اسکو حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ضامن دے کر وصیت کرتا ہوں کہ ان ذمیوں سے جو عہد ہے پورا کیا جائے۔ انکی حمایت میں لڑا جائے اور انکو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔ کہا امام نے ہمسے۔ ان سے ہشام بن عروہ نے ان سے ان کے باپ نے۔ ان سے سعید بن زید نے بیان کیا کہ ان کا گذر شام میں ایک ایسی قوم پر ہوا جو دھوپ میں کھڑی کی گئی تھی۔ انہوں نے پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا ماجرا ہے۔ کہا گیا کہ یہ لوگ جزیہ کے بارہ میں دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں۔ کہا امام نے کہ انہوں نے اس امر کو ناپسند کیا اور ابراہیم کے پاس جا کر کہا۔ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے جو شخص لوگوں کو عذاب دیگا اسکو خدا عذاب دیگا۔ کہا امام نے کہ ہم سے بعض شیوخ نے ان سے عروہ نے ان سے ہشام بن حکیم بن حزام نے بیان کیا کہ انہوں (ہشام) نے عیاض بن غنم کو دیکھا کہ وہ ذمیوں کو در بارہ جزیہ دھوپ میں کھڑا کئے ہوئے ہیں۔ اسپر انہوں نے کہا کہ او عیاض یہ کیا حرکت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دینگے ان پر آخرت میں عذاب ہوگا۔

(۵) یحییٰ بن آدم القرشی اپنی کتاب الخراج میں نقل کرتے ہیں:۔ "عمر بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے

کہا کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس اُن کے شہید ہونے سے تین دن پہلے حاضر ہوا۔ اسوقت انکے پاس حذیفہ اور عثمان بن حنیف تھے۔ حضرت عمرؓ نے حذیفہ کو حدود دجلہ پر اور عثمان کو حدود فرات پر حاکم مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں سے کہا کہ شاید تم نے اپنی رعایا کو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف دی ہے۔ تب حذیفہ نے کہا کہ میں نے فضل یعنے زیادتی کو چھوڑ دیا ہے۔ اور عثمان نے کہا میں نے دوچند کو ترک کر دیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اسپر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آگاہ رہو۔ خدا کی قسم اگر میں اہل عراق کے غرباء کے لیے زندہ رہگیا تو میں انکو ایسا چھوڑوں گا کہ وہ میرے بعد کسی امیر کے محتاج نہ رہیں گے۔"

(۶) نیز یحیی بن آدم القرشی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:" حسن نے کہا ان میں سے جو لوگ صلح کر لیں انکے ذمہ وہی چیز ہے جسپر صلح ہوئی ہے۔ اسکے بعد انکی زمین انکے قبضہ میں چھوڑ دی جاویگی اور اسپر کچھ نہ مقرر کیا جائیگا۔ یہ بات اُسوقت تک رہے گی جب تک کہ وہ صلح پر قایم رہ کر مسلمانوں کو بدل صلح ادا کرتے رہینگے۔ یحیی نے کہا میں نے حسن سے پوچھا۔ اگر وہ ادا نہ کر سکیں۔ کہا اسکے دوش کر دئے جائیں گے۔ اور اگر بدل صلح سے زیادہ ادا کرنے پر قادر ہوں۔ تو اضافہ کیا جائیگا۔ اگر باہم ظلم و ستم کے مرتکب ہوں تو مسلمانوں کے امام کو چاہیئے کہ انکو عدل و انصاف پر قایم کرے۔ بدل صلح کا بار اُن تمام لوگوں پر ڈالا جائیگا۔ لیکن اسی قدر جتنی کہ مال و زمین میں انکی حیثیت ہے۔ اور بدل صلح کا کوئی حصہ اُنکے مرنے یا مسلمان ہونے سے کم نہ کیا جائیگا۔ بلکہ جو لوگ باقی رہیں گے اُنہیں سے بقدر انکی طاقت و برداشت کے وہ سب وصول کیا جائیگا۔"

غیر مستطیع ذمیوں کا جزیہ معاف کر دیا گیا

حضرت عمرؓ نے ذمیوں سے ہر طرح نرمی کا برتاو کرنے کے ساتھ انکی مفلسی و ناداری کی صورت میں اُن کا جزیہ تک معاف کر دیا۔

(۱) امام ابو یوسف کتاب الخراج میں روایت کرتے ہیں:" ہمسے ہشام بن عروہ نے اُن سے اُن کے باپ نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام سے واپس آ رہے تھے تو شام کے راستہ میں ایسے لوگوں سے ملے جو دھوپ میں کھڑے کئے گئے تھے اور اُن کے سروں پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا۔ پوچھا ان لوگوں کا کیا ماجرا ہے۔ بیان کیا گیا کہ ان کے ذمہ جزیہ ہے۔ انہوں نے اسکو ادا نہیں کیا ہے۔ اسلئے جب تک کہ وہ اُسے ادا نہیں کرینگے ان پر سختی کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور جزیہ کے

متعلق کیا عذر کرتے ہیں۔ کہا گیا وہ کہتے ہیں ہمارے پاس نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ان کو چھوڑ دو۔ اور طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دو۔ کیونکہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو۔ کیونکہ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں انکو قیامت کے دن اللہ تعالی عذاب دیگا۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے انکو چھوڑوا دیا۔

بقائے معاہدہ میں ذمیوں سے اہم رعایت

ذمیوں سے معاہدہ ہونے کے بعد اسلام نے ان سے جو رعایت ملحوظ رکھی ہے وہ انکے ظلم کرنے کی حالت میں بھی واپس نہیں لی جاتی۔ کسی دوسرے مذہب میں ایسے انصاف کی نظیر نہیں ملیگی۔

(۱) علامہ برہان الدین مرغینانی ہدایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :۔ جو شخص جزیہ دینے سے باز رہا۔ یا کسی مسلمان کو قتل کیا۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) گالی دی۔ یا کسی مسلمان عورت سے زنا کیا۔ اسکا عہد نہ ٹوٹے گا۔ اسلئے کہ جس غرض کی وجہ سے جدال و قتال منع ہوا ہے وہ جزیہ کا التزام نہ اسکا ادا کرنا۔ اور التزام باقی ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کتاب الامّ میں ذمیوں کے حقوق کی ذیل میں فرماتے ہیں۔ "امام شافعیؒ نے کہا جب کسی قوم سے جزیہ لیا جائے۔ پھر اس میں سے ایک جماعت نے رہزنی کی۔ یا کسی مسلمان سے لڑے بھڑے یا کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کیا یا ان میں سے کسی نے زنا کیا یا کسی مسلمان یا ذمی کے حق میں فساد برپا کیا۔ تو جو جرم قابل سزا نہیں ان میں حد جاری ہوگی۔ اور جو قابل سزا ہیں ان میں سزا دی جائے گی۔ اور اس سے نقض عہد نہ ہوگا جس سے کہ خون مباح ہوتا ہے۔ نقض عہد کی صورت یہ ہے کہ جزیہ یا حکم کے اقرار کے بعد منکر ہو جائے اور اس سے باز رہے۔

(۲) علامہ محمد بن علی شوکانی نیل الاوطار میں نقل کرتے ہیں :۔ "انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودن (بروز غزوہ خیبر) ایک زہر کی پلی ہوئی بکری (اتت بشاة مسمومة) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی۔ اور آپ نے اسکا گوشت تناول فرمایا۔ بعد ازاں وہ عورت آپ کی خدمت میں حاضر کی گئی۔ اور آپ نے اس سے اس معاملہ کو دریافت فرمایا۔ اس نے کہا میں آپ کو ہلاک کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ خدا تجھکو اسپر قادر نہ کرے گا۔ انسؓ نے کہا۔ تب لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اس کو

قتل نہ کر ڈالیں۔ آپ نے فرمایا نہیں (انس کا بیان ہے کہ) اس (زہر کو) میں آنحضرتؐ کے حلق بیضے کو ٹے سکمہ برابر دیکھتا رہا۔ اس حدیث کو امام احمد و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی کا عہد اس طرح کے کام سے نہیں ٹوٹتا۔ اور اس روایت سے مصنف نے یہ استدلال کیا ہے کہ ذمی اگر قتل کا ارادہ کرے تو اس سے اس کا عہد نہ ٹوٹے گا۔

کافروں کو سلام کرنے میں علما کا اختلاف رائے

اس سے پتہ لگتا ہے کہ غیر مسلموں کو سلام نہ کرنے اور سلام کا جواب نہ دینے پر بھی اکثر علمائے اسلام اختلاف رکھتے ہیں

(۱) علامہ بدرالدین عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں: "عامہ سلف اور جماعت فقہا کا مذہب یہ ہے کہ اہل کتاب کو پہلے سلام نہ کرنا چاہئے۔ مگر ابن عباس و صدی بن عجلان اور ابن محیریزؒ اس کو جائز رکھا ہے۔ نووی نے کہا یہ صورت ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک ہے جیسا کہ ماوردی نے نقل کیا ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ علیک بصیغہ واحد کہے۔ علیکم بصیغہ جمع نہ کہے۔ اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے صرف وعلیکم السلام کہنا جائز رکھا ہے اور رحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے کی ممانعت کی ہے۔ یہ قول ضعیف اور حدیثوں کے خلاف ہے۔ اور دوسروں کا مذہب یہ ہے کہ پہلے سلام کرنا اُسوقت جائز ہے جب کوئی مجبوری ہو یا اہل کتاب سے سخت حاجت یا تعلق و قرابت ہو۔ یہ قول ابراہیم اور علقمہ سے مروی ہے۔ اور اوزاعی نے کہا ہمارا سلام کرنا اور نہ کرنا دونوں درست ہے۔ کیونکہ بعض صالحین نے سلام کیا ہے اور بعض نے ترک کیا ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ انکو پہلے سلام نہ کرنا چاہئے۔ اسکی تاویل ہم یہ کرتے ہیں کہ انکو اسطرح سے پہلے سلام نہ کرو جس طرح مسلمانوں کو کرتے ہو۔ اہل کتاب کے سلام کے جواب میں بھی اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ سلام کا جواب دینا مسلمانوں اور کافروں پر فرض ہے اور آیت فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا (النساء ۸۶ آیت) کا یہی مطلب ہے۔ ابن عباس قتادہ اور دیگر علما نے کہا یہ آیت مسلمانوں اور کافروں دونوں کے سلام کے جواب کو شامل ہے۔ اور بلحاظ قول باری اَوْ رُدُّوْهَا کافر کو وعلیکم کہنا جائز ہے۔ ابن عباس نے کہا مخلوق خدا میں سے جو تجھکو سلام کرے تو اسکے سلام کا جواب دے اگرچہ وہ مجوس ہو۔ ابن عبدالبر نے ابوامامہ باہلی سے روایت کی ہے کہ وہ جس مسلمان یہودی اور نصرانی سے ملتے تھے اسکو پہلے سلام کرتے تھے۔ ابن مسعود، ابوالدرداء اور فضالہ بن عبید سے منقول ہے کہ یہ لوگ اہل کتاب کو پہلے سلام کیا کرتے تھے۔ ابن عباس نے ایک کتابی کو

السلام علیک لکھا اور کہا کہ اگر فرعون (بھی) مجھے نیک بات (سلام) کہتا تو میں اسکو (بھی) اسکا جواب دیتا۔ محمد بن کعب سے کہا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز اہل کتاب کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور انکو پہلے سلام نہیں کرتے! انہوں نے کہا میرے نزدیک انکو پہلے سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاصْفَحْ الخ یعنی ان سے درگذر کرا ور سلام کہہ۔ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ کتابی کے سلام کا جواب نہ دینا چاہئے۔ اور آیت مذکور فَحَیُّوْا مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہی قول اکثر علما کا ہے۔ ابن طاؤس سے منقول ہے کہ علیک السلام کہے۔ اور بعضوں نے یہ پسند کیا ہے کہ ان کے سلام کے جواب میں سلام بکسر سین کہا جائے جسکے معنے پتھر کے ہیں۔ اور امام مالکؒ سے یہ قول منقول ہے کہ اگر تم ذمّی کو مسلمان سمجھکر سلام کرلو اور پھر معلوم ہو جائے کہ وہ ذمّی ہے تو اس سے سلام واپس نہ لو۔ اور ابن عربی نے کہا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سے سلام واپس لیتے اور یہ کہتے تھے کہ مجھکو میرا سلام واپس کردے۔

(۲) فقیہہ ابو اللیث سمرقندی بستان العارفین میں لکھتے ہیں۔ ذمیوں کے سلام کی نسبت اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انہیں سلام نہیں کرنا چاہئے اور جب وہ سلام کریں تو انہیں جواب دینا چاہئے۔ ہم اسی مسئلہ کو لیتے ہیں۔ جو لوگ جواز سلام کے قائل ہیں انکی دلیل یہ ہے کہ ابو امامہ باہلی جب یہودی اور نصرانی سے ملتے تھے اسکو سلام کرتے تھے۔ اور انکا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو ہر مسلمان اور ذمّی میں سلام پھیلانے کا حکم دیا ہے۔ اور علقمہ نے کہا میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقام سلطین کے پاس پہنچا تو وہاں کے نو دہقان انکے ہمراہ ہوئے۔ جب وہ لوگ کوفہ پہنچے تو انہوں نے اپنا راستہ لیا۔ اسوقت عبداللہ بن مسعود نے انکو سلام کیا۔ میں نے کہا کیا آپ ان کافروں کو سلام کرتے ہیں۔ کہا ہاں۔ یہ لوگ ہماری صحبت میں رہے ہیں۔ اور صحبت کا حق ہوتا ہے۔

کفّار شرعًا نجس ہیں

کافروں کو نجس جاننے کا مسئلہ بھی تمام علما کا مسلّمہ ہے۔ بلکہ اکثر کی رائے ہے کہ کفّار کا جسم طاہر ہے۔ صرف اعتقاد نجس ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (التوبہ ۹۔ آیت ۲۹)

مگر علما کے گروہ کثیر کی یہ بھی رائے ہے کہ یہاں نجاست سے نجاست اعتقادی مراد ہے نہ جسمانی۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود سرورِ کائناتؐ نے صاف فرما دیا ہے کہ غیر مسلم نجس نہیں۔

(۱) امام جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں روایت کرتے ہیں:۔ "قوم ثقیف کا وفد جب حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسکے لئے مسجد میں خیمہ نصب کرایا۔ اسپر لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ قوم نجس ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی آدمی نجس نہیں ہے البتہ آدمی نجاست کو اپنے اوپر لاتا ہے (شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۲۷ مطبوعہ کانپور سن ۱۳۱۲ھ)

(۲) امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔ "فقہا نے اسپر اتفاق کیا ہے کہ کفار کے بدن پاک اور طاہر ہیں۔

(۳) علامہ برہان الدین مرغینانی ہدایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ "ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قوم ثقیف کے وفد کو اپنی مسجد میں اُتارا حالانکہ وہ کافر تھے۔ دوسری یہ کہ نجاست ان کے اعتقاد میں ہے۔ اور اس نجاست سے مسجد آلودہ نہیں ہوئی۔ اور آیت قرآنی اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ میں تسلط اور علو کے طور پر مسجد میں حاضر ہونے کی ممانعت ہے یا اس امر کی کہ وہ برہنہ طواف کرتے ہوئے آئیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں انکا دستور تھا (ہدایہ جلد ۴۔ کتاب الکراہیت)۔

(۴) شیخ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قوم ثقیف کے وفد کو اپنی مسجد میں اُتارا حالانکہ وہ لوگ مشرک تھے۔ اگر مشرک خود نجس ہوتے تو آپ ایسا نہ کرتے۔ اور اسکا معارضہ آیت اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ ۹۔ آیت ۲۸) سے نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ اس آیت میں نجاست سے نجاست اعتقادی مراد ہے"۔

(۵) شیخ زین الدین بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں:۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بعض مشرکین کو مسجد میں اُتارا اور اُن کو اس میں ٹھیرنے کا موقع عطا فرمایا۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ آیت اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ میں نجاست سے نجاست اعتقادی مراد ہے۔

کافروں کو ساتھ کھلانا شرعاً منع نہیں

شریعت اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں جس سے ممانعت پائی جائے کہ کافروں کو اپنے ساتھ نہ کھلاؤ۔ بلکہ اسکا جواب بوجوہ ذیل ہے:۔

(۱) کفار نجس نہیں۔ (۲) کافروں کا جوٹھا پاک ہے۔

(۳) اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔
(۴) ذبیحہ کے علاوہ مطلق طعام ہر ایک کافر کا حلال ہے۔
(۵) کافروں سے ضرورۃً راہ ورسم رکھنا اور ملنا جلنا مباح ہے۔
(الف) کفار نجس نہیں پہلے بحث ہو چکی ہے۔
(ب) کافروں کا جوٹھا پاک ہے۔
(۱) علامہ برہان الدین مرغینانی ہدایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ "آدمی اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اُن سب کا جوٹھا پاک ہے اسلئے کہ اس میں لعاب مخلوط ہوتا ہے اور وہ پاک گوشت سے پیدا ہوا ہے۔ اس حکم میں جُنب اور حیض والی عورت اور کافر بھی داخل ہے"۔
(۲) علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی کنز الدقائق میں لکھتے ہیں:۔ "آدمی اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے سب کا جوٹھا پاک ہے"۔
(۳) علامہ بدرالدین عینی حنفی شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں:۔ "لفظ "آدمی" کو اسلئے مطلق رکھا کہ جنب اور حیض والی عورت مسلمان اور کافر سب کو شامل ہے"۔
(ج) اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ یہ مسئلہ مسلّم ہے۔ تاہم ایک حوالہ یہ ہے۔ علامہ برہان الدین مرغینانی ہدایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ "(الف) مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔
(ب) لفظ کتابی جو مطلق ہے ہر قسم کے اہل کتاب یعنی ذمی حربی عربی اور تغلبی کو شامل ہے۔ اسلئے کہ شرط حلت قیام ملت ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔
(د) مطلق طعام ہر ایک کافر کا حلال ہے۔
(۱) علامہ زیلعی تخریج الهدایہ میں لکھتے ہیں"۔ آیت وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (المائدۃ) میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ کیونکہ ذبیحہ کے علاوہ مطلق طعام تو ہر ایک کافر کا حلال ہے۔ اس میں اہل کتاب ہونے کی شرط نہیں ہے۔
(۲) مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی کے مجموعہ فتاویٰ میں فتاویٰ حمادیہ سے منقول ہے:۔ "جو کھانے مشرکین تیار کرتے ہیں۔ اور ان میں نجاست لگنے کا شبہ ہوتا ہے تاوقتیکہ نجاست کا یقین نہ ہو۔ انکے طاہر ہونیکا حکم لگایا جاویگا۔

(۵) کفار سے ضرورۃً راہ و رسم رکھنا مباح ہے۔

(۱) مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی اپنے فتاویٰ میں خزانۃ الروایات سے نقل کرتے ہیں:۔ "دستور القضاۃ میں ینابیع سے منقول ہے کہ ذمیوں کی عیادت کرنے۔ انکے جنازوں میں شریک ہونے۔ انکا کھانا کھانے اور انکے ساتھ معاملہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور مضمرات میں ہے کہ انکی تعزیت اور انکے بیماروں کی عیادت کرنا اور انکا کھانا کھانا مسلمانوں کے لئے مکروہ نہیں ہے۔

(۲) علامہ برہان الدین مرغینانی ہدایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ "یہودی اور نصرانی کی عیادت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسلئے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی نیکی ہے۔ اور ہمکو اسکے کرنے کی ممانعت نہیں ہوئی ہے۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے پڑوس کے ایک بیمار یہودی کی عیادت فرمائی ہے۔

(۳) فقیہہ ابواللیث سمرقندی بستان العارفین میں لکھتے ہیں:۔ "مسلمان کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ضرورت کے وقت اس میں اور ذمی میں راہ و رسم ہو۔ اور اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ بیماری میں اسکی عیادت کرے۔ اور اسکو کلمہ توحید کی تلقین کرے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کی عیادت فرمائی۔ اور اسکے سامنے اسلام کا ذکر کیا۔ تو وہ مسلمان ہو کر مر گیا۔ جب آپ وہاں سے نکلے تو فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے ذریعہ سے ایک جان کو دوزخ کے عذاب سے نجات بخشی۔ اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک نصرانی کے پاس حالت نزع میں تشریف لے گئے تو فرمایا کہ تو خدا کی طرف رجوع ہو یعنی توبہ کر۔ چونکہ اسکی زبان نے یاری نہ دی۔ اسلئے اس نے اپنی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ اس بات سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔

جب مسلمان کی کسی ذمی سے قرابت ہو تو اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ اسکے پاس ہدیہ بھیجے اور اسکی عزت کرے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماموں کو ایک جاریہ عطا فرمائی۔ جبکہ وہ مکہ میں کفر کی حالت میں تھے۔ اور مروی ہے کہ ام المومنین حضرت صفیہ نے مرتے دم اپنے یہودی بھائیوں کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور میمون بن مہران سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا لوگ تین قسم کے ہیں ایک وہ جنکو میں خدا کے واسطے ناپسند اور اپنے واسطے پسند کرتا ہوں۔ دوسرے وہ جنکو میں خدا کے لئے اور اپنے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔ تیسرے وہ جنکو میں خدا کے واسطے اور اپنے لئے بھی ناپسند کرتا ہوں۔ پس

پس وہ شخص جس کو خدا کے واسطے اور اپنے لئے بھی پسند کرتا ہوں یہ وہ مسلمان ہے جو مجھے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ کہ جسے میں خدا کے لئے اور اپنے لئے بھی ناپسند کرتا ہوں یہ وہ کافر ہے جو مجھے ایذا دیتا ہے اور وہ شخص جسکو میں خدا کے واسطے ناپسند کرتا اور اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ یہ وہ کافر ہے جو مجھے فائدہ پہنچاتا ہے۔ کیونکہ میں اسکو اسکے کفر کے سبب سے برا جانتا ہوں۔ اور مجھے جو فائدہ پہنچاتا ہے اسکی وجہ سے اُسے دوست رکھتا ہوں۔

(۷) محمد بن سعد کاتب الواقدی اپنے طبقات کبیر میں لکھتے ہیں:۔ "ہمسے محمد بن عمر (واقدی) نے ابن ہارون بن محمد بن سالم بن مولیٰ خویطب بن عبدالعزیٰ نے ان سے ان کے باپ ان سے ابی سلمہ بن عبدالرحمن نے یہ بیان کیا کہ حضرت صفیہ زمین اور اسباب کی قیمت کے بدلے سو ہزار (ایک لاکھ) درہم کی وارث ہوئیں۔ اور اُنہوں نے اپنے ایک یہودی بھانجے کے لئے اس مال سے ایک تہائی حصہ کی وصیت کی۔ لوگوں نے اسکے دینے سے انکار کیا تب اُنہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے کہا۔ حضرت عائشہؓ نے کہلا بھیجا کہ خدا سے ڈرو اور اسکو وصیت کا مال دیدو۔ چنانچہ اس نے تہائی مال ۳۳ ہزار درہم اور کچھ اوپر ہوتا ہے حاصل کر لیا۔

یہودیوں کی شہادت

شیخ ابو الفتح بن ابو الحسن السامری اپنی کتاب تاریخ آبار الیہود (صفحہ ۸۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۵۹ء) میں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی بے تعصبی کی نسبت لکھتے ہیں:۔ "ان بنی اسمٰعیل نے تمام مقامات گھیر لئے اور خراج زمین کے علاوہ چار درہم اور ایک تھیلا جو جزیہ مقرر کیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب شریعت میں سے کسی کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔

عربوں نے عیسائیوں کو مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا

ایک عیسائی بطریق مسلمانوں کی نسبت لکھتا ہے:۔ "عرب جنکو خدا نے اسوقت دنیا کی سلطنت دے رکھی ہے دیکھو وہ تم میں ہیں۔ جیسا کہ تم بھی جانتے ہو۔ لیکن وہ ہتی دین پر حملہ نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ہمارے مذہب پر مہربانی کرتے ہیں۔ اور گرجاؤں اور خانقاہوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ پھر کیوں تمہارے مرد کے مانند دل

نے ان عربوں کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دیا۔ اور مذہب بھی ایسی حالت میں چھوڑتے ہیں۔ اور مرو کے باشندے خود بھی اس بات کو کہتے ہیں کہ عربوں نے انکو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا" (دی پریچنگ آف اسلام مصنفہ ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ کا اردو ترجمہ دعوت اسلام از محمد عنایت اللہ بی۔ اے)۔

ذمیوں اور غیر مسلموں سے مراعات

بے آزار غیر مسلم کا قتل گناہ ہے۔

مسٹر گلام نے حدیث شریف پر ایک مضمون لکھکر کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اس میں غیر مسلم کے قتل کے گناہ میں یہ سند بیان کی ہے۔" جو غیر مسلم مسلمانوں کو تکلیف نہ دیتا ہو۔ اور معاہد ہو اسکا مار ڈالنا گناہ ہے" حدیث یہ ہے:۔ جو کوئی کسی معاہد کو قتل کرتا ہے وہ بہشت کی خوشبو سے محروم رہ جائیگا۔ حالانکہ یہ خوشبو چالیس سال کی راہ کے فاصلہ سے محسوس ہوتی ہے" ابوالدرداء کی روایت ہے" کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جسے جسمانی چوٹ پہنچے۔ اور وہ اس چوٹ مارنے والے کو معاف کردے تو خدا اسکا درجہ بلند نہ کرے اور اسکا گناہ کم نہ کرے۔ (کتاب حدیث از گلام صفحہ ۱۱۰)

غیر مسلم عین حالت جنگ میں بھی ایمان لاکر جان بر ہو سکتا ہے

مسلمانوں پر ناواقف مخالف الزام لگاتے ہیں کہ یہ قتل و غارت کے بڑے شایق ہیں۔ اور کافروں کو مولی و گاجر کی طرح کاٹتے پھرتے ہیں۔ وہ ذرا غور سے دیکھیں۔ ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا ہے۔ اگر میں کسی کافر کو ملوں اور ہم لڑنے لگیں۔ اور وہ اپنی تلوار سے میرا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اور پھر جب میں اسے قتل کرنے لگوں تو وہ ایک درخت کے پیچھے جاکر پناہ لے۔ یا کہدے کہ میں مسلمان ہوگیا اور کلمہ پڑھ دے۔ تو کیا اسکے بعد میں اسے قتل کروں؟ تو آپ نے فرمایا۔ اُسے مت قتل کرو۔ مگر اس آدمی نے کہا یا رسول اللہ اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے۔ تو آپ نے فرمایا اُسے ہرگز قتل نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم اسے اسوقت قتل کروکہ جس وقت وہ تمہارے جیسا مسلمان ہو جائے۔ تو تم اس حالت میں ہو جاؤ گے کہ جس میں وہ ایمان کا اقرار کرنے سے پہلے تھا۔ (کتاب حدیث گلام صفحہ ۱۰۹)۔

امیر معاویہؓ یہ کارمی عیسائیوں سے ایفائے عہد

کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے باب الامان میں بعض ایسی دلچسپ حدیثیں ہیں جو متحاربین کے مابین پرائیویٹ اور قومی معاہدات

کی وفاداری سے پابندی کرنے کی تاکید کرتی ہیں۔ ان سے اعلیٰ پایہ کا اعزاز ظاہر ہوتا ہے۔

امیر معاویہ اور روم کے درمیان ایک معاہدہ تھا۔ مگر وہ اس خیال سے سرحد کو کوچ کر رہے تھے کہ جب معاہدہ کی میعاد ختم ہو جائے تو وہ جھٹ رومیوں پر حملہ کر دیں گے۔ ایک آدمی گھوڑے پر سوار "اللہ اکبر اللہ اکبر وفائے عہد نہ کہ بدعہدی" کے نعرے لگاتا ہوا آیا۔ اور جب انہوں نے دیکھا تو وہ عمرو بن اسباط تھا۔ اور جب اس سے پوچھا گیا کہ تم کیا کہتے ہو۔ تو اس نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ جس نے لوگوں سے کوئی عہد کیا اُسے نہیں توڑنا چاہئے۔ جبتک کہ مقررہ وقت نہ گذر جائے یا برابری کے شرائط پر معاہدہ توڑنے کی پہلے اطلاع نہ دیدے۔ اس پر امیر معاویہ اپنی فوج سمیت واپس چلے گئے"

یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔ مگر ترمذی اور ابو مسلم دونوں میں موجود ہے۔

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں سے جو مسیلمہ کذاب کے قاصد بنکر آئے تھے فرمایا خدا کی قسم اگر قاصدوں کو قتل کرنا منع نہ ہوتا تو میں تمہارے سر اُڑا دیتا" (مسٹر گلام کی کتاب حدیث صفحہ ۱۱۵)۔

تصویر کی آنکھ کے بدلے گورنر نے اپنی آنکھ پیش کر دی

مصر کے بشپ یوٹیکسٹن نے جس کو عربی میں سعید ابن البطریق کہتے ہیں مصر کی تاریخ عربی زبان میں لکھی ہے جو یورپ میں شائع ہو چکی ہے۔ اور لیٹن میں بھی اسکا ترجمہ ہو چکا ہے۔

یہ شخص ۳۲۸ھ میں موجود تھا۔ اس نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے اسکندریہ فتح کیا۔ وہاں حضرت عیسیٰؑ کی تصویر تھی۔ کسی صحابی یا کسی فوجی سپاہی نے ایک تیر مارا۔ جس سے اس تصویر کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ عیسائی جمع ہو کر گورنر مصر عمرو بن العاص کے پاس شکایت لے گئے۔ تمہارے آدمیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی آنکھ کو خراب کر دیا ہے۔ ہم اسکا معاوضہ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے پیغمبر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تصویر بنا کر دو تو ہم بھی اسکی آنکھ پھوڑ دیں۔

اس پر عمرو بن العاص نے جواب دیا کہ یہ تو بے کار ہوگا۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم لوگ موجود ہیں۔ تم جسکی چاہو آنکھ پھوڑ ڈالو۔ ایک عیسائی راضی ہو گیا۔ عمرو بن العاص نے اپنا ہتھیار اسکے ہاتھ میں دیا۔ اور اپنی آنکھیں سامنے کر دیں جب اس نے دیکھا کہ خود گورنر عمرو بن العاص اپنی آنکھ پھوڑ ڈالنے کو تیار ہے تو تلوار ہاتھ سے گر پڑی اور اس نے اس ارادے سے باز ہو کر کہا کہ ایسی قوم سے جو اس درجہ دلیر فیاض اور بے تعصب ہو انتقام لینا سخت بے رحمی اور ناقدری ہے۔

غیر مسلم سے ایفائے وعدہ کی تاکید

جس طرح مسلمانوں کے درمیان آپس میں ایفائے عہد کی سخت تاکید ہے۔ ایسے ہی کافر سے بھی ایفائے عہد کی تاکید کی گئی ہے۔ اور ایفائے عہد کے بارہ میں بھی مسلم اور کافر کو یکساں سمجھا گیا ہے۔ جیسا کہ عدل و انصاف کے بارہ میں سمجھا گیا ہے۔ حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں۔

ثَلٰثَةٌ اَلْمُسْلِمُ وَالْکَافِرُ فِیْهِنَّ سَوَاءٌ۔ مَنْ عَاهَدْتَهٗ فَوَفِّ بِعَهْدِهٖ مُسْلِمًا کَانَ اَوْ کَافِرًا فَاِنَّمَا الْعَهْدُ لِلّٰهِ وَمَنْ کَانَ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ رَحِمٌ فَصِلْهَا مُسْلِمًا کَانَ اَوْ کَافِرًا وَمَنِ ائْتَمَنَکَ عَلٰی اَمَانَةٍ فَاَدِّهَا عَلَیْهِ مُسْلِمًا کَانَ اَوْ کَافِرًا۔

تین چیزیں ہیں جن میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں یعنی برابر ہیں۔ ایک یہ کہ تم کسی سے معاہدہ کرتے ہو تو اسکو پورا کرو۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ کیونکہ عہد تو اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتا ہے۔ تم میں اور کسی دوسرے میں قرابت ہو تو صلہ رحمی کرو خواہ وہ شخص مسلمان ہو یا کافر۔ کوئی شخص تمہارے پاس امانت رکھتا ہے تو اسکو لوٹا دو خواہ وہ مسلم ہو یا کافر۔

امور مذکورہ بالا میں خصوصیت کے ساتھ مسلم اور کافر میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہئے اسلام مساوات کا حامی ہے اور وہ ہر موقعہ پر مساوات کا سبق دیتا ہے۔

کافر حربی سے رواداری

مسلمانوں کو تمام دنیا کے باشندوں کے ساتھ رواداری مسالمت اور معاملات میں میل جول اور سلوک کا حکم و اجازت ہے جبکہ وہ دین کے باعث مسلمانوں کے مخالف نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝

جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی۔ اور تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا انکے ساتھ نیکی اور منصفانہ اچھا سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اچھا سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مگر اسکے بعد ارشاد فرمایا ہے:۔

اِنَّمَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ

جن لوگوں نے دین کے بارہ میں تم سے جنگ کی اور تمہیں

وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالے جانے میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے دوست بنانے سے منع فرماتا ہے۔ اور جو کوئی اسپر بھی اُنہیں دوست بنائے وہ ظالموں سے ہے۔

تو گویا جو کافر مومنوں سے برسرِ جنگ نہیں نہ اُن کے آزار کے درپے ہیں اُنکے ساتھ مسالمت اور رواداری کے سلوک کی اجازت ہے۔ اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کا اسی پر عملدرآمد چلا آیا ہے۔ بالخصوص جس حالت میں کہ وہ مسلمانوں کے پناہ گیر ہوں تو ان کے دنیاوی حقوق بالکل مسلمانوں کے مساوی ہوں گے۔ اور اُن کے مال و جان کی حفاظت مسلمانوں پر واجب ہوگی۔

کافر کو بھی امان دیکر پھر قتل نہ کرو

اسکے ساتھ ہی ابن ماجہ کی یہ حدیث ملاکر پڑھنے کے لائق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کافر کو بھی جان کی امان دے دو تو پھر اُسے قتل کرنا برا ہے۔

اَيُّمَا رَجُلٌ اَمَّنَ رَجُلًا عَلٰى ذِمَّتِهٖ ثُمَّ قَتَلَهٗ فَاَنَا مِنَ الْقَاتِلِ بَرِیْٓءٌ وَاِنْ كَانَ الْمَقْتُوْلُ كَافِرًا ۔

جس کسی شخص نے دوسرے کو اسکی جان کا امن دیا۔ پھر (امن دینے کے بعد) اسکو قتل کر ڈالا تو میں قاتل سے بری (الذمہ) ہوں۔ اگرچہ مقتول کافر ہو۔

کافر معاہد کو قتل کرنا سخت گناہ ہے

اور اگر کوئی کافر بھی تمہارا معاہد ہو۔ یعنے اسکے اور تمہارے درمیان امن اور دوستی کا عہد ہو چکا ہو تو اسے قتل کرنا سخت گناہ ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اور بخاری میں موجود ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَّمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا يُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ۔

جو شخص اپنے معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی بُو تک بھی نہ سونگھنے پائے گا۔ حالانکہ (جنت کی مہک) چالیس سال کی مسافت تک ہوگی۔

یہودی اور عیسائی پڑوسی کے حقوق

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرابت کے پڑوسی اور پاس والے پڑوسی سے سلوک کیا کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرابت کے

پڑوسی سے مسلمان اور پاس والے سے یہودیا کافر مراد ہیں۔ قرابت والے پڑوسی کے تین حق ہیں۔ حق ہمسائگی۔ حق قرابت اور حق اسلام۔ اجنبی ہمسایہ کے دو حق ہیں۔ حق ہمسائگی اور حق اسلام۔ البتہ یہودی یا کافر ہمسایہ کا ایک حق یعنی حق ہمسائگی تو ضروری ہے۔

غیر مسلم کا حق شفع اگر کسی مسلمان کے ہمسایہ میں کوئی غیر مسلم مثلاً ایک ہندو رہتا ہو اور مسلمان اپنا مکان فروخت کرنا چاہے کہ جسکے خریدار کئی مسلمان بھی ہوں لیکن مکان کا شفع کسی ہندو کو پہنچتا ہو۔ تو شریعت اسلام کا فیصلہ ہے کہ مکان ہندو شفیع کو دیا جائیگا۔ نہ کہ کسی مسلمان کو جو حق شفع نہ رکھتا ہو۔

ذمیوں سے کس حد تک رعایت کا خیال تھا

ایک عیسائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی۔ غرفہ ایک صحابی تھے اور یہ واقعہ انہی کے سامنے ہوا۔ انکو طیش آیا اور اس عیسائی کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ عیسائی نے عمرو بن العاص سے انکی شکایت کی انہوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے اسلیے انکے ساتھ سختی نہ کرو۔ غرفہ نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ۔ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیں۔ ان سے تو یہ معاہدہ ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں۔ اور اگر ان پر کوئی دشمن حملہ کردے تو ہم انکی حفاظت کریں۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے۔

علامہ مقریزی نے اپنی کتاب کے جلد اول میں بالتفصیل اس واقعہ کو لکھا ہے کہ مصر میں اسکندریہ کا پیٹر یارک بنیامین تیرہ ۱۳ برس تک رومی عیسائیوں کے ڈر سے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرا۔ جب عمرو بن العاص نے مصر فتح کیا تو ۲۰ھ میں بذریعہ تحریر اسکو امان دی۔ وہ نہایت ممنون ہوا اور پیٹر یارک کی کرسی دوبارہ اسکو نصیب ہوئی۔

نرم گفتگو کرے اور بکشادہ پیشانی پیش آئے

انسان کو چاہیئے کہ مخلوق سے نرم کلام کرے اور نیک و بد صالح و فاجر سب سے بکشادہ پیشانی پیش آتا رہے۔ البتہ مداہنت نہ کرے۔ اور ایسی گفتگو نہ کرے جس سے بدعتی و فاسق یہ گمان کرے کہ یہ شخص میرے عقائد و افعال کو پسند کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں موسیٰ و ہارون کو حکم دیا کہ اس سے نرم

گفتگو کرنا۔ تو اے مخاطب! تو نہ موسیٰ وہارون سے افضل ہے اور نہ کوئی فاسق وفاجر فرعون سے بدتر ہے۔ پھر فرعون تک سے نرم گفتگو کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ (فقیہ ابو اللیث سمرقندی باب حسن المعاشرت)۔

ذمیوں کو پوری مذہبی آزادی دے دی گئی تھی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی حاصل تھی وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ علانیہ ناقوس بجاتے تھے صلیب نکالتے تھے۔ ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے۔ ان کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔ معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے:۔

لَا یُغَیَّرُوْنَ عَنْ مِلَّتِهِمْ وَلَا یُحَالُ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ شَرَائِعِهِمْ۔	ان کا نہ مذہب بدلا جائے گا نہ ان کے مذہبی امور میں دست اندازی کی جائے گی۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا تھا:۔

لَهُمُ الْاَمَانُ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَمِلَلِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ وَلَا یُغَیَّرُ مِنْ شَیْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ	ان کی جان اور مال اور مذہب وشریعت کو امان ہے۔ اور ان میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائیگا۔

آذربائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی:۔

اَلْاَمَانُ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَمِلَلِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ۔	جان اور مال اور مذہب وشریعت کو امان ہے۔

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے:۔

اَلْاَمَانُ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ	جان ومال۔ مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

مشرکوں کے بچے کیوں دوزخ میں نہ ہوں گے

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ جنت میں ہوں گے یا دوزخ میں۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں۔ اور امام محمد سے جب یہی سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا میں سکوت کرتا ہوں لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ خدا کسی کو بغیر خطا عذاب میں مبتلا نہیں کرتا یعنے جب انہوں نے شرک کیا ہی نہیں تو دوزخ میں کیسے ڈالے جائینگے (بستان فقیہ ابو اللیث سمرقندی باب اطفال المشرکین)۔

مسلمان یہودی و نصرانی کو بھی پہلے سلام کرتے

حضرت ابو امامہ باہلی جب کسی یہودی و نصرانی کے پاس سے گذرتے تو اسے سلام کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ہم کو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم سلام بکثرت کیا کریں۔ اور ہر مسلمان اور ہر معاہد کافر کو (فقہ ابو اللیث باب التسلیم)

یہودی و نصرانی سے بھی نرم بات کرو

طلحہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عطار سے کہا کہ تمہارے پاس ہر قسم کے لوگ آتے رہتے ہیں۔ اور میں تیز مزاج آدمی ہوں۔ میں ایسے اشخاص سے تیز کلامی کر بیٹھتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ کہ خدا نے فرمایا ہے قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (لوگوں سے نیک بات کہو)۔ پس جب اس حکم میں یہودی و نصرانی سبھی شامل ہیں تو پھر دین حنیف کے کسی ماننے والے سے سخت کلامی کیونکر روا ہو سکتی ہے (ایضاً)۔

عیسائیوں کو گرجا واپس دلا دیا

دمشق میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا جو خاندان بنو نضیر کی جاگیر میں آگیا تھا۔ عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں اسکا دعویٰ کیا۔ انہوں نے اس کو واپس دلا دیا۔ ایک مسلمان نے ایک گرجے کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ اگر یہ عیسائیوں کے معاہدہ میں داخل ہے تو تم اس کو نہیں پا سکتے (سیرت عمر بن عبد العزیز۔ از عبد السلام)۔

انصاف کی نظر میں ذمّی و مسلم برابر کر دئے

ایک بار مسلمہ بن اسحاق کے چند ذمّی ان کے دربار میں فریق مقدمہ کی حیثیت سے آئے تو مسلمہ آکر فرش پر بیٹھ گئے۔ اور ذمّی بیچارے کھڑے رہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے دیکھا تو بولے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہیں اپنے فریق کے برابر کھڑا ہونا گوارا نہیں تو کسی کو وکیل کر دو۔ مسلمہ نے ایک شخص کو وکیل کر دیا۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے مقدمہ کو ان کے خلاف فیصل کیا۔ اسی طرح جب ہشام بن عبد الملک پر ایک عیسائی نے مقدمہ دائر کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسکو اپنے فریق کے برابر کھڑا کیا۔ ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے ڈانٹا۔ اور سزا دینے کی دھمکی دی۔ (ایضاً)۔

مسجد گرجا کر زمین گرجا کے لئے واپس دیدی

دمشق میں عیسائیوں کا سب سے بڑا گرجا کنیسہ یوحنا تھا حضرت امیر معاویہؓ اور عبدالملک بن مروان نے اس کو بیش قرار قیمت پر لیکر مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن عیسائی راضی نہیں ہوئے۔ ولید نے بھی یہ کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بالآخر اس نے جبراً گرجے کو منہدم کراکے مسجد میں شامل کرلیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ خلافت آیا تو عیسائیوں نے اسکی واپسی کی درخواست کی۔ انہوں نے اسکو واپس کردیا۔ (ایضاً)

ذمی کے قتل پر بھی مسلمان کو قتل کرنا چاہیئے

گو محدثین اور امام شافعیؒ کا فتویٰ ہے کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو مار ڈالے تو قاتل صرف دیت کا ذمہ دار ہوگا۔ مگر حقیقت آگاہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ موجب قصاص ہوگا۔ شافعیہ کا اعتراض یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے صحیفہ میں تحریر تھا کہ یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ (رواہ مسلم) مگر حنفی کہتے ہیں کہ مراد کافر سے کافر حربی ہے۔ کیونکہ امام نسائی نے قیس بن عباد سے روایت کی ہے کہ صحیفہ علیؓ میں یہ الفاظ تھے اَلَا لَا یُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِکَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ بِعَهْدِهٖ جس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور کافر جسکے ساتھ معاہدہ ہوا ہو بعوض کافر کے قتل نہ کیا جائے۔ ذمی کا بعوض قتل ذمی کے مارا جانا مسلمہ فریقین ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کافر سے مراد کافر حربی ہے۔ یہ تو تردید حجت مخالف کا بیان تھا۔ خود حنفیہ کو اوپر عمل نبی علیہ السلام و علی و عمر بن الخطاب و عمر بن عبدالعزیزؒ کے استدلال ہے۔

قاتل کو مقتولوں کے سپرد کردیا

عبیداللہ بن خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے قاتلوں میں سے دو کو قتل کر ڈالا۔ اسپر صحابہ نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ خلیفہ سابق کے بیٹے کو مقتولوں کے ورثاء کے سپرد کردیا جائے تاکہ جیسا چاہیں اس سے سلوک کریں۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ مقتولوں کے ورثاء نے اس سے بجائے قصاص خونبہا لینا پسند کرلیا۔ ورنہ اسلام کے فتوے نے تو قاتل کو مقتولوں کے سپرد کردیا تھا۔ کہ جس طرح چاہیں اس سے بدلہ لیں۔ ہر چند کہ وہ خود سابق خلیفہ عمر کا فرزند تھا۔

جنگ کا مقصد دین کو بجبر قبول کرانا نہیں

جنگ کے لئے اتنی مہلت کا دیا جانا ہی رحمت ہے۔ لیکن جنگ شروع ہو جانے کے بعد مستثنیات کا خاص طور پر ذکر ہے۔

(۱) جو لوگ ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا عہد ہے۔

(۲) یا وہ حاضر ہو کر ظاہر کر دیں کہ وہ تم سے یا اپنی قوم سے جنگ کرنے میں رک گئے ہیں"۔ (النساء ع ۲۔)

تو وہ جنگ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ چنانچہ صاف لفظوں میں فرمایا کہ

"پھر یہ لوگ اگر علیحدہ ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں۔ اور تم سے صلح کی درخواست کریں۔ تب خدا نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی" (النساء ع ۱۲)۔

خیال کرو کہ یہ احکام کس طرح پر ظاہر کرتے ہیں کہ جنگ کا مقصد دین کو بہ جبر قبولوانے کا ہرگز نہیں۔

معاہد قوم کی عزت

خیال کرو کہ ایک معاہد قوم کا وجود بھی تم کو نظر آتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اگر مسلمان ہوتے تو ان سے مسلمانوں کا تعلق بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ ہی کا نہ ہوتا بلکہ وہ توفَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ کے درجے میں ہوتے۔ پھر اس معاہد قوم کی بھی اتنی عزت ہے کہ اگر فریق جنگ میں سے کوئی شخص اسکے پاس چلا جائے تو وہ فریق جنگ کے حکم سے نکل جائیگا۔

پھر وہ شخص بھی جنگ سے مستثنیٰ ہو جائیگا جو مسلمانوں سے عہد کرلے کہ وہ نیوٹرل (غیر جانبدار) رہیگا۔ نہ مسلمانوں کا طرفدار رہیگا نہ انکے مخالفین کا۔ دیکھو۔ اگر جنگ کی بنیاد مذہب کا بہ جبر قبولوانا ہوتا۔ تو ان غیر مذاہب والوں کے لئے یہ ضوابط کبھی نہ ہوتے۔

مشرکوں اور ہندوؤں سے سلوک کا امکان

سنہ ۱۹۱۷ء میں جبکہ سیاسی وجوہات سے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے باہمی محبت واخلاص میں بہت ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ اسپر مدراس کے ایک مولوی صاحب نے قرآن مجید کی ایک آیت کا حوالہ دیکر

جو ذیل میں درج کی جاتی ہے علما سے استفتا کیا تھا کہ جبکہ یہود اور مشرک اسلام کے سخت دشمن ہیں اور نصاریٰ دوستی میں سب سے قریب ہیں۔ تو کیا اگر ہندوستان میں حکومت خود اختیاری مل جائے جو ہندوؤں (مشرکین) کی حکومت کے مرادف ہوگی۔ تو مسلمانوں کے لئے نصاریٰ کی حکومت پر ہندوؤں کی حکومت کو ترجیح دینا مذہبًا جائز ہوگا۔ وہ استفتا بجنسہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"**استفتاء**۔ ما قولکم ایھا العلماء۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰی ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُھْبَانًا وَّاَنَّھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ○ (سورہ مائدہ رکوع ۱۱) ترجمہ۔ اے پیغمبر دشمنی کے اعتبار سے یہود اور مشرکین کو آپ سب لوگوں میں بڑا سخت پاؤ گے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں میں ان کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ میلان اس سبب سے ہے کہ ان میں علماء و مشائخ ہیں۔ اور نیز یہ لوگ تکبر نہیں کرتے" (تفسیر فیض الکریم از قاضی بدر الدولہ مغفور)۔

بالا مذکورہ آیت سے صاف ظاہر و روشن ہے کہ دنیا کی قوموں میں مسلمانوں کے سخت دشمن یہود اور مشرکین یعنی بت پرست ہیں۔ اور دوستی کے اعتبار سے قریب تر نصاریٰ۔ یعنی مسلمانوں کے جانی دشمن یہود و بت پرست ہیں اور دوست نصاریٰ ہیں۔ اس حکم الٰہی کے موافق یہاں پر یہ خیال اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہم مسلمانان موجودہ زمانہ اور موجودہ حالت میں زیر حکومت برٹش جو حکومت نصاریٰ ہے رہنا اور زندگی بسر کرنا بہتر اور افضل ہے؟ یا یہ کہ آجکل جیسا کہ ہنود (مشرکین) کا برٹش گورنمنٹ سے مطالبہ ہے کہ ہندوستان کا انتظام حکومت ہنود (مشرکین) کے تحویل کردیں۔ ہندوؤں (مشرکین) کی حکومت خود اختیاری میں ہم مسلمانوں کا زندگی گذارنا مناسب و ممکن ہے؟ اور کیا ہم نصاریٰ کی دوستی کے عوض ہندی (مشرکین) سے دوستی کر سکتے ہیں؟ یا مشرکین کو اپنا دوست بنا سکتے ہیں کہ نہیں جنکو خداوند کریم نے مسلمانوں کا سخت دشمن بتلایا ہے۔

بیّنوا توجروا۔

یہ ایک دلچسپ امر ہے کہ مولانا فخری نے بھی اپنے تازہ رسالہ میں اس آیۂ قرآنی کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:- قرآن مجید کھلے الفاظ میں منادی کرتا ہے کہ یہود اور بت پرست مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں اور عیسوی دوست۔ چنانچہ سورہ مائدہ کے رکوع ۱۱ میں ہادی برحق نے الخ۔

اسپر مشیر مرحوم نے اپنے اخبار قومی رپورٹ میں بڑی وضاحت سے لکھ دیا تھا کہ قرآن مجید کی اس آیۃ کا

مطلب کیا ہے۔ اور اس سے جن حالات میں نصاریٰ کی دوستی کی ہدایت ہے یہود و مشرکین کی عداوت سے کیا مراد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سر سید احمد خان مرحوم غدر ۱۸۵۷ء کے بعد اسبات کے قائل ہو گئے تھے کہ مسلمانان ہند کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ انگریزوں سے نفرت نہ کریں۔ بلکہ انکی زبان سیکھیں اور ان سے مذہبی بدظنی ترک کریں۔ انہوں نے ۱۶ مارچ ۱۸۸۵ء کو میرٹھ کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اس آیت شریف کو اپنے خیال کی تائید میں پیش کیا تھا اور کہا تھا۔

"کوئی مسلمان اسبات سے انکار نہیں کر سکتا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ کوئی غیر مذہب والے مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے ہیں اگر ہو سکتے ہیں تو وہ عیسائی ہیں وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا جس شخص نے قرآن پڑھا ہوگا۔ اور جسکو اسپر یقین ہوگا۔ وہ جان سکتا ہے کہ ہماری دوستی ہماری محبت کسی دوسرے مذہب والی قوم سے اس قدر نہیں ہو سکتی جیسی کہ عیسائیوں سے"۔

چنانچہ اس نص قرآنی سے بعض لوگوں نے نتیجہ نکالا جیسا کہ اس استفتا میں بھی نکالا گیا ہے کہ مذہب اسلام ہندوؤں سے جو مشرک ہیں عداوت رکھنے کا مشورہ دیتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ چنانچہ مولانا شرر مرحوم نے اپنے رسالہ قومی روایت ۲۴ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس فتویٰ کا حسب ذیل جواب دیا ہے:۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مشرکین سے عداوت رکھنی چاہئے۔ اول تو آیت کی ابتدا جملہ خبریہ انشائیہ ہے اور ایسا جملہ امر کے لئے مفید نہیں۔ وَلَتَجِدَنَّ کے معنے ہیں "اور تو ضرور انہیں پائیگا"۔ اس میں صرف یہود اور مشرکین کے دلی ارادہ سے خبر دی گئی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ بعض یہود اور بعض مشرکین عرب میں باہم حلیف تھے۔ انہوں نے حضور (امّی فداہ روحی) اور اسلام کی دشمنی پر آپس میں اتحاد کر لیا تھا۔ خدا نے اس واقعہ کی خبر دی کہ عرب میں یہود اور مشرک اسلام کے مقابلہ میں اتحادی ہیں۔ مگر نصاریٰ اُن سے الگ ہیں۔ چنانچہ امام رازی فرماتے ہیں۔

(۱) عبد اللہ ابن ابی واصحابہ کانوا یقولون الیهود والمشرکین ویخبرونهم بالاخبار و یرجون ان یکون لهم الظفر علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر ج ۲ ص ۶۴۳)	عبد اللہ بن اُبی اور اسکے یار یہودیوں اور مشرکوں کے اتحادی تھے اور انہیں خبریں پہنچاتے اور چاہتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر انہیں کامیابی حاصل ہو۔

(۲) عبادہ بن صامت کے بہت سے حلیف (اتحادی) یہود میں بھی تھے۔

اس تاریخی شہادت سے ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں مشرکوں اور یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر ایکا کر لیا تھا۔ اور اس آیت میں بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ہمارے مفتیوں نے نہ شان نزول پر غور کیا اور نہ جملہ خبریہ انشائیہ کا مقصد سمجھا۔ سر سید مرحوم کی دلیل نقل کر دی۔ اور اسپر یہ نادر شاہی حکم دیدیا کہ ہندوؤں کو اپنے شہر محبت سے باہر نکال دو۔ سورۂ مائدہ کے اخیر میں خدا کا ارشاد ہے کہ:-

وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (سورۂ مائدہ)

تو پائیگا سب لوگوں میں زیادہ دشمنی مسلمانوں سے یہود کو اور مشرکوں کو اور تو پاویگا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ کس واسطے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب سنیں جو اترا رسول پر تو دیکھے ان کی آنکھیں ابلتی ہیں آنسوؤں سے اسپر جو پہچانا ہیں بات حق کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم نے یقین کیا سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں میں۔ اور ہمکو کیا ہوا کہ یقین نہ لائیں اللہ پر اور جو پہنچا ہمیں حق اور ہمکو توقع ہے کہ داخل کرے ہمکو اب ہمارا ساتھ نیکبختوں کے (موضح القرآن)

آیت کا بیان بہت صاف ہے۔ اول خدا نے نصاریٰ کا ذکر کیا ہے اور پھر ان میں عالم اور درویش کا نام لیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ یہ نصاریٰ وہ ہیں جو قرآن سنکر روپڑتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ ہم کو کیا ہوا جو مسلمان نہ ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں تاریخ و تفسیر کو دیکھا جائے تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ عہد رسالت میں زمین پر عیسائی عالم اور درویشوں نے اسلام قبول کیا۔ یہود کی طرح یہ لوگ مشرکین کے ساتھ سازش نہیں کرتے تھے۔ اور نہ قتل رسول پر جرأت کرتے تھے۔

عہد سعادت و خلفائے راشدین

حضرت سرورِ کائنات صلعم کے احکام و ارشادات غیر مسلموں کے متعلق

اس باب میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکام اور بعدہٗ آپ کے اسی بارہ میں برتاؤ کی حکایات و واقعات جمع کئے گئے ہیں۔ اور اسکے بعد خلفائے راشدین نے اس بارہ میں جو کچھ فرمایا عملاً کرکے دکھایا ہے۔ جستہ جستہ بترتیب درج کیا جاتا ہے۔

اسلام کی رواداری اور فرمان نبوی ؐ

چند سال کا عرصہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری نے ملک فلسطین کی سیر و سیاحت کے دوران میں بیت المقدس (یروشلیم) میں کلیسائے مقدس کو جاکر دیکھا جس میں حضرت مسیحؑ کی قبر ہے۔ چنانچہ دخانی جہاز مالوہ میں سے ڈاکٹر صاحب نے ۲۶ اگست ۱۹۲۵ء کو اخبار کامریڈ دہلی کے نام ایک مکتوب ارسال کیا جس میں کلیسائے مذکور کا حال توضیح کے ساتھ لکھکر بھیجا ہے جسکا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مقبرۂ مقدس (ہولی سیپلکر) کے کلیسا میں وہ جگہیں اب تک محفوظ ہیں۔ جہاں حضرت عیسےٰ مسیحؑ کو کیلوں کے ساتھ صلیب میں ٹھونک کر آپ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ جہاں صلیب سے اُتار کر آپکا جسم رکھا گیا اور جسم پر تیل یا مرہم لگایا گیا۔ اور جہاں آپ کو مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ یہ تمام مسیحی دنیا میں نہایت ہی متبرک اور دولتمند کلیسا ہے۔ اسکے خوبصورت نقش و نگار۔ قیمتی نذر و نیاز کے چڑھاوے۔ جواہرات۔ جڑاؤ تصاویر۔ اور زینت و تزئین کے سامان واقعی بیش بہا ہیں۔ مگر سب سے زیادہ نہایت ہی حیرت انگیز امر یہ ہے کہ کوئی ایسا مذہب دنیا میں نہیں ہے جہاں کہ اسکے پیرووں نے اپنی محبت کی سرگرمی میں بانی مذہب کی حیات کے مختلف درجوں کو اسکی پیدائش سے لیکر اسکی اس دنیوی زندگی کے اختتام تک ایسے حیرت انگیز طریقہ

لہ میں نے بھی اپنے سفر حج کے آخر میں بیت المقدس اور مدینۃ الخلیل کی زیارات کے دوران میں عیسائی دنیا کی اس سب سے مقدس زیارت کی زیارت کی تھی جسے عربی زبان میں وہاں کنیسۃ القیامت کہا جاتا ہے۔ اسوقت اسکے مجاور ایک مسلمان خاندان کے ارکان تھے کہ جب تمام دنیا کے عیسائی مطمئن تھے کیونکہ آپس میں وہ کسی ملک یا کسی فرقہ کے عیسائی پر اعتبار نہیں کر سکتے تھے۔ (محبوب عالم)

محفوظ رکھا ہوا ہو۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی اُمت نے اس مقبرہ میں رکھا ہوا ہے۔
ذیل میں ایک سند کی نقل درج کی جاتی ہے جسے ریچرڈ پوکوک شہر میتھ کے پادری نے اپنی کتاب میں درج کیا تھا جسکا نام "مشرق اور دیگر ممالک کا تمام حال" ہے۔ یہ کتاب ۱۷۴۸ء میں چھپی تھی۔ اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۶۸ سے یہ سند نقل کی گئی ہے۔ اس کتاب کے مؤلف کی زہد و تقوٰی۔ خدا ترسی۔ پارسائی۔ دیانت و امانت اور علم و فضیلت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اسلئے وہ اس سند کی صحت کی وزن دار ضامن ہیں۔

وہ سند یہ ہے:۔

جناب محمد (صلعم) نے جو فرمان مبارک جبل سینائی کے راہبوں اور علی العموم مسیحیوں کو عطا کیا۔ اسکا ترجمہ انگریزی سے حسب ذیل ہے:۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ دنیا میں اُسی کی حکمرانی ہے۔ اُسی کے پاس سے تمام پیغمبر خلعت پیغمبری سے سرافراز ہو کر اس دنیا میں آئے۔ انسان کو جسقدر انعامات عطا کئے گئے ہیں اُن سب سے حکومت کو کسی قسم کی بے انصافی کا خوف باقی نہیں رہتا۔ محمدؐ بن عبداللہ اس خدا کے رسول ہیں جو تمام دنیا کا کامل محافظ ہے۔ اُنہوں نے یہ سند تحریر فرمائی ہے۔ یہ سند اُن تمام لوگوں کے نام ہے کہ جو انکی قوم کے لوگ ہیں۔ یا انکے مذہب کے پیرو ہیں۔ یہ ایک محفوظ اور قطعی عہد نامہ ہے۔ اور عیسائی مذہب اور قوم نصاریٰ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ خواہ یہ نصرانی کوئی ہوں۔ شرفا ہوں یا عام لوگ۔ خواہ معززین ہوں یا نہ ہوں۔ یہ عہد سب کے لئے یکساں واثق ہے۔

۱۔ اس عہد نامہ میں جو اقرار اور حلف میں نے کیا ہے اسکو میری قوم (اُمت) کا جو شخص توڑنے کا ارادہ کرے گا۔ وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا۔ حلف کے خلاف عمل کیا اور مذہب اسلام سے روگردانی کی (خدا نہ کرے کہ ایسا ہو) کیونکہ پھر وہ لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ خود بادشاہ ہو۔ یا کوئی غریب آدمی ہو یا کوئی شخص ہو۔

۲۔ جب کبھی کوئی مسیحی درویش اپنی سیاحت کے دوران میں کسی پہاڑ۔ پہاڑی۔ گاؤں۔ یا کسی اور دوسری بستی میں۔ سمندر میں یا جنگل بیابان میں۔ یا کسی خانقاہ۔ کنیسا۔ یا عبادت خانہ میں آباد ہو جائے تو میں ان کے درمیان میں بطور انکے محافظ اور نگہبان کے رہوں گا اور انکے مال و جائداد کا محافظ اور نگہبان اپنی روح کے ساتھ ہونگا۔ اور اپنے تمام ہمقوم لوگوں کے ساتھ ملکر انکی مدد کروں گا۔ اور انکی حفاظت کرونگا۔ کیونکہ یہ میری ہی قوم کے لوگوں کا ایک جزو ہیں اور میری عزت کا باعث ہیں۔

۳۔ علاوہ ازیں میں تمام مسلمان افسروں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ ان لوگوں سے جزیہ یا کسی قسم کا خراج طلب نہ کریں کیونکہ انکو جزیہ یا خراج دینے پر کسی قسم سے مجبور نہیں کیا جائیگا۔ نہ اُن پر زبردستی کی جائے گی۔

۴۔ انکے ججوں یا حاکموں کو تبدیل کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے عہدوں پر قائم رہینگے اور انکو معزول نہیں کیا جائیگا۔

۵۔ جب وہ سڑک پر سفر کر رہے ہوں تو انکو کوئی دق نہ کرے۔

۶۔ جن جن کلیساؤں پر انکا قبضہ ہے۔ کوئی شخص انکو اُنپر سے بیدخل نہ کرے۔

۷۔ جو کوئی میرے ان احکام میں سے کسی حکم کو منسوخ کرے گا تو اسکو قطعی طور سے یہ جان لینا چاہیئے کہ وہ خدا کے احکام کو منسوخ کر رہا ہے۔

۸۔ اسکے علاوہ انکے قاضیوں۔ حاکموں۔ راہبوں۔ ملازموں۔ شاگردوں وغیرہ سے کوئی بھی کہ جس کا انحصار انپر ہو۔ کوئی جزیہ ادا نہیں کریگا۔ نہ جزیہ ادا کرنے کے لئے حیران کیا جائیگا۔ اسلئے کہ جہاں کہیں یہ لوگ ہوں چاہے خشکی پر ہوں یا سمندر میں۔ مشرق میں ہوں یا مغرب میں۔ شمال میں ہوں یا جنوب میں۔ میں انکا محافظ ہوں۔ اسلئے کہ یہ اور وہ سب چیزیں کہ جو اُن سے متعلق ہیں وہ سب میری اس اقراری حلف اور سند میں شامل ہیں۔

۹۔ جو لوگ کہ امن و امان کے ساتھ اور چپ چاپ پہاڑوں پر تنہائی میں رہتے ہیں وہ نہ تو جزیہ دینگے۔ نہ اپنی آمدنی کا عشر دینگے۔ نہ اُنکے کسی مال و اسباب میں کوئی مسلمان شریک ہوگا۔ کیونکہ وہ صرف اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے محنت کرتے ہیں۔

۱۰۔ جب کبھی زمین کی فصل اپنے مناسب وقت پر نہایت ہی افراط کے ساتھ پیدا ہو تو باشندے ہر ایک بشل (۳۲ سیر پختہ) میں سے کچھ مقدار غلہ کی انکو لاذماً دیا کرینگے۔

۱۱۔ جنگ کے وقت میں مسلمان انکو انکے مکانوں سے باہر نہیں نکالیں گے۔ نہ انکو جنگ پر جانیکے لئے مجبور کرینگے۔ بلکہ وہ اُن سے کسی قسم کا جزیہ بھی نہ لیں گے۔

ان گیارہ دفعات میں تو وہ سب حال درج ہے کہ جو مسیحی رُہبانوں سے متعلق ہے۔ اور باقی سات دفعات میں ہر ایک عیسائی کے متعلق ہدایتیں درج ہیں۔

۱۲۔ وہ عیسائی جو کسی جگہ آباد ہیں اور اپنی دولت اور تجارت کے سبب سے جزیہ ادا کرنیکے قابل ہیں وہ بارہ درہم

سے زیادہ ادا نہیں کرینگے۔

۱۳۔ سوائے اسکے ان سے اور کچھ نہیں لیا جائیگا جسکے متعلق حکم موجود ہے۔ جو لوگ اُن کتابوں کا ادب و احترام کرتے ہیں کہ جو منزّل من اللہ ہیں اُن لوگوں کو نہ ستاؤ۔ بلکہ بطریق شفقت انکو اپنی اچھی چیزیں دو۔ اور ان سے باتیں کرو۔ اور ہر ایک شخص کو انکے ستانے سے باز رکھو۔

۱۴۔ اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان سے شادی کرلے تو مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کو اسکی رغبت کے مطابق کلیسا میں جانے اور اُسکے مذہب کے موافق عبادت کرنے سے باز نہ رکھے۔

۱۵۔ کوئی شخص انکو اپنے کلیساؤں کی مرمت کرنے سے منع نہ کرے۔

۱۶۔ جو کوئی میرے اس عطیہ (عہد) کے خلاف عمل کریگا۔ یا اسکے مخالف کسی بات کا یقین کرے گا وہ اصل میں مُلحد اور مُنکر خدا اور منکر رسول اللہ ہوگا۔ کیونکہ میں نے اُن لوگوں کو اپنی حفاظت اپنے اقرار کے مطابق عطا کی ہے۔

۱۷۔ اُنکے برخلاف کوئی ہتھیار نہیں اُٹھائیگا۔ بلکہ اسکے برعکس مسلمان انکی حفاظت کے لیے انکے دشمنوں سے جنگ کرینگے۔

۱۸۔ اس عہد نامہ کی رُو سے میں قطعی طور سے یہ حکم دیتا ہوں۔ کہ اس دنیا کے اختتام (قیامت) تک میری قوم کا کوئی آدمی میرے اس عہد کے برخلاف ہرگز کوئی عمل نہ کرے۔

فہرست گواہان :۔ تمام پسران ابو طالب[1]

عمر بن خطاب۔ — زبیر بن ابو سفیان۔
سعد بن معاذ۔ — ثابت بن نبیس۔ — اسماعیل بن حسن۔ — سفیان بن قصودی۔
ازور بن جوسیا۔ — ابوبکر بن ابو قحافہ۔ — عثمان بن عفان۔ — عبداللہ بن مسعود۔
فضل بن عباس۔ — طلحہ بن اسفتن لک۔ — سعد بن عباس۔ — قاسم بن [illegible]۔
عبداللہ بن عمر۔

یہ عہد نامہ ابو طالب کے تمام بیٹوں کے پیشوا اور جانشین نے لکھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں اپنے ہاتھ سے اس پر نشان بنا دیا۔ یہ عہد نامہ سال [illegible] محرم کی [illegible] تاریخ کو حوالۂ قلم کیا گیا۔ (مترجم)

[1] چونکہ یہ نام قدیم انگریزی تحریر سے نقل کئے گئے ہیں اور قیاس ہے بعض صحابہ کے عربی ناموں کے مطابق لکھے گئے ہیں اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے صحیح نام عربی یا اردو میں املا نہیں کئے جاسکتے۔

جان ڈیون پورٹ مشہور منصف مزاج عیسائی مصنف نے بھی بشپ پوکوک کی کتاب موسومہ ذکر مشرقی مطبوعہ ۱۷۴۳ء سے اس عہد نامہ کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائی قوم سے کیا تھا نقل کیا ہے۔ اور اپنی کتاب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس حکمنامہ کو خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے بھی منظور کیا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں اسکی تعمیل ہوتی رہی۔ اس زمانہ میں چونکہ تاریخ لکھنے کا رواج نہ تھا اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بعد میں اسپر ۳ محرم سنہ ۲ھ کی تاریخ ثبت کر دی ہے اس عہد نامہ کا لفظ لفظ ثابت کر رہا ہے کہ بانی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کسقدر رحمدل اور صلح جویانہ تھی اور جنگجوئی سے نفور۔ اور اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ اسلام جہانگیری اور جہانداری کے پرانے اصول کو تباہ کرنے کے بعد نوع انسانی کو ایک نئے فلسفہ سیاست و تمدن کا عادی بنانا چاہتا تھا۔

فرمانِ مصطفوی راہبانِ کوہ سینا اور عام عیسائیوں سے رواداری کی تائیدیں

بشپ آف میتھ کے حوالہ سے جو فرمان نبوی درج ہو چکا ہے اسی کی تائید انگلستان کے مشہور رسالہ نائنٹینتھ سنچری کے ایک مضمون میں حسب ذیل الفاظ میں کی گئی ہے :-

رچرڈ پوکوک بشپ آف میتھ کہ جسکے زہد و اتقاء دیانتداری اور علم و فضل کی اعلیٰ شہرت اسکے اس بیان کی کافی ضمانت ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے کوہ سینا کے راہبوں کی حمایت میں جو فرمان عنایت کیا تھا وہ صحیح اور واقعی ہے۔ اور بشپ صاحب نے اپنی تصنیف بنام "مشرق و دیگر ممالک کے حالات" جلد اول صفحہ ۲۶۸ مطبوعہ ۱۷۴۳ء میں اس مکتوب کی صحت کی تصدیق کی ہے۔ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو ہدایت کی ہے کہ راہبان کوہ سینا اور عام عیسائیوں سے رواداری کا برتاؤ ملحوظ رکھیں۔ یہ تاریخ دوم محرم سنہ ۲ھ کی تحریر ہے۔ اور اس میں عیسائیوں سے رواداری اور حفاظت کرنے کا وعدہ ہے جو دنیا کے خاتمہ تک جاری رہیگا۔ اس میں یہ بھی صفائی سے درج ہے کہ جو کوئی اسکے خلاف عمل کریگا وہ واقعی خدا اور اسکے سچے نبی کی طرف سے مردود ہوگا۔ یہ مکتوب خدا کے صریح کلام پر مبنی ہے کہ ان لوگوں کو مت تکلیف دو جو خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں کی عزت کرتے ہیں۔ بلکہ مہربانی کے طریقہ سے انہیں اپنی اچھی چیزیں دو۔ ان سے بات چیت کرو اور ہر شخص جو انہیں دق کرتا ہے اسے روکو۔" اور یہی روح خلیفہ عمرؓ کے اس عمل میں نظر آتی ہے کہ وہ سنہ ۶۳۶ء میں شہر یروشلیم کو فتح کرنیکے بعد بطریق سوفرونیئس کی ہمراہ شہر میں داخل ہوئے اور اس شہر کی قدامت کے متعلق بطریق مذکور سے گفتگو کرتے رہے۔

ملک شام کی عیسائی عبادت گاہوں کی حفاظت کا فرمان

اسی فرمان نبوی کی تصدیق ایک اور ذریعہ سے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل بیان محمد اسعد[1] آفندی صاحب جج عدالت سمرنا اور بعد میں قسطنطنیہ کے مدرسہ قضاۃ کے استاد اعلیٰ نے اس فرمان نبوی کو انگریزی میں ترجمہ کر کے انگلستان کے ایک اخبار میں چھپوایا جو ۸ ستمبر ۱۸۹۵ء کے اسلام آگرہ میں بھی شائع ہوا تھا۔

نقل فرمان کا ترجمہ "میں محمد بن عبداللہ خدا کا پیغامبر نیک کاموں کے لئے جزا کا وعدہ کرتا ہوں اور بُرے کاموں کی سزا کا حکم سنا کے لوگوں کو خبردار کرتا ہوں۔ خدا نے انسان کے لئے جو رحمت عطا فرمائی ہے اُسکی حفاظت کرتا ہوں۔ میں نے یہ فرمان جاری کیا ہے۔ اور یہ سب عیسائیوں اور تمام دور و نزدیک اور معلوم و نامعلوم دنیا اور مشرقی و مغربی شہروں کے مسیحیوں کی بابت ہے۔ یہ ایک کتاب مثل عہد نامہ کے اُن کے لئے ہوگی۔

اگر اس دین اسلام کے بادشاہ یا عام لوگ اس عہد نامہ کی مخالفت کرینگے اور میرے نبوت کے حکم کو ٹالیں گے تو خدا کے حکموں کو توڑینگے۔ اور دوامی عذاب کے مستحق ہوں گے وہ مثل اُن لوگوں کے ہیں جو سچے مذہب پر ہنستے ہیں۔

اگر کوئی عیسائی پادری یا مسافر جنگل سے گذرتا ہو یا پہاڑ پر جاتا ہو یا گرجے میں ہو یا کسی بنجر میدان یا ریگستان میں ملے۔ یا دیہات یا مزروعہ میدان میں پایا جائے۔ قصہ مختصر کسی جگہ ہو تو میں اور میری اُمت اسکی حفاظت کرینگے اور انہیں ہر مصیبت سے نکالیں گے۔ وہ میرے ہی آدمی ہیں اور میں انکا محافظ ہوں۔

جو جزیہ میں نے غیر مذاہب کے لوگوں پر لگایا ہے اُس سے عیسائی بری ہیں کوئی اُنہیں [illegible]

جو ٹیکس وہ اپنی خوشی سے دیدیں وہ لے لیا جائے۔ مگر اُن پر جبر ہرگز نہ ہو۔

اُنکے پیشوں کے کاروبار میں حرج نہ ڈالا جائے وہ آزادی سے اُسے ادا کر سکیں۔ اُنکے پادریوں کو [illegible]

---

[1] ملک میں سعد آفندی صاحب کی پہلے کئی سال سے راقم الحروف سے خط و کتابت تھی جبکہ میں نے "دی کریسنٹ" نامی ایک انگریزی اخبار لاہور سے شائع کیا تھا۔ کرسٹیم آفندی صاحب خریدار تھے۔ اور بعد ازاں قسطنطنیہ میں میری آپ سے ملاقات ہوئی تھی آپ نے میری بہت مدد کی اور مجھے سیرت و خطوط و کتابیں جو میں نے انہیں لکھے تھے۔ (مجید عالم)

سے اپنے اپنے کام کرنے دو۔ انکے عابد لوگ اپنی عمر عبادت میں گذار سکیں اور مسافر امن سے اپنے سفر طے کریں۔ مسلمانوں کی مسجدیں اور مکانات بنانے کے لئے عیسائیوں کے گرجے اور عبادتگاہیں نہ مسمار کی جائیں۔

جو ان احکام کو توڑیگا اس نے گویا خدا اور رسولؐ سے سرکشی کی۔ کوئی مسلمان ان کے بشپوں پادریوں اور اُن لوگوں سے ٹیکس نہ لے جنہوں نے اپنی عمر عبادت میں بسر کرنا چاہی ہو۔ وہ کہیں ہوں میں انکے استحقاق کی حمایت کرتا ہوں

مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ بحر میں ہوں یا بر میں جنوب میں ہوں یا شمال میں مشرق میں ہوں یا مغرب میں انکے لئے سینہ سپر رہیں اور اُنہیں ہر بلا سے بچائیں۔ کیونکہ وہ میری پناہ اور حفاظت میں ہیں۔

جو عیسائی عابد پہاڑوں پر رہتے ہیں انکی پیداوار سے عشر نہ لیا جائے نہ اُنکی خانقاہوں کے رہنے والوں سے۔ نہ کوئی انکا شریک وسہیم بنے۔ وہ اپنی زمین اپنی ہی گذران کے لئے بوتے جوتے ہیں۔

اوقات جنگ یا اندرونی جھگڑے فسادوں میں وہ اپنے مسکنوں سے نہیں نکالے جاسکتے۔

جن عیسائیوں کے پاس مال و جائداد ہو یا وہ تاجر ہوں اُن سے بارہ درہم سالانہ سے زیادہ ہرگز نہ لینا چاہیئے۔ لینے کے وقت اُنپر جبر نہ کیا جائے۔ ہر شخص آزادانہ اُن سے گفتگو کرنے کا مجاز ہے لیکن کسیکو یہ اجازت نہیں ہے کہ اُنہیں ذلیل کرے یا انکے مذہب کو بُرا کہے۔

وہ ہمیشہ فیاضی اور محبت کے پروں کے سایہ کے تلے رکھے جائیں۔ جہاں کہیں وہ ہوں انکے ساتھ بدسلوکی کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ اور جب ہر وہ جائیں انکی خاطر کی جائے۔

اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان کے نکاح میں آوے تو اس عورت کے حقوق مدنظر رہیں۔ کوئی امر اسکے مزاج کے خلاف نہ کیا جائے اُسے اپنے فرائض مذہبی ادا کرنے کی آزادی دی جائے۔ گرجے بنانے یا انکی مرمت کرنے یا دیگر مقدس مقامات کی تعمیر میں عیسائیوں کی مدد کی جائے۔

جو لوگ میرے ان حکموں کو توڑینگے وہ باغی اور سرکش ہیں۔ اُنہوں نے گویا اپنے نبی کے عہد نامہ کو جھٹلایا۔ یہ عہد نامہ دنیا کے اخیر تک اور قیامت تک جاری رہیگا۔

اسلامی بے تعصبی جرمن علما کی نظر میں

مسٹر صلاح الدین خدابخش صاحب بیرسٹر اور جرمن عالم اپنی اپنی انگریزی کتاب اسلامک سولیزیشن (تہذیب اسلام) میں لکھتے ہیں :- (۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایلہ کے عیسائی حاکم کے ساتھ حسب ذیل معاہدہ کیا تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا اور اسکے رسول محمدؐ کی طرف سے امن کا معاہدہ یوحنا ولد رُبایح اور باشندگان ایلہ

کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جو لوگ گھر میں رہیں یا جو بحر و بر کا سفر کریں انکے ساتھ خدا اور اسکے رسول محمدؐ کی طرف سے ضمانت کی جاتی ہے۔ اور اُن سب لوگوں کے لیے جو اُن کے ساتھ ہوں۔ خواہ ملک شام میں ہوں یا ملک یمن میں یا ساحل بحر پر۔ جو کوئی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا اسکی دولت اُسے کچھ فائدہ نہ دے گی۔ بلکہ یہ اسکا مرنج حق ہوگی جو اُسے چھین لے۔ اب باشندگان ایلہ کو ان چشموں سے کہ جہاں سے وہ پانی لیا کرتے ہیں روکنا جائز نہیں ہوگا۔ نہ کسی سفر سے انہیں روکا جائیگا جو وہ خشکی یا تری پر کرنا چاہیں۔" (از گبن۔ بری ایڈیشن جلد پنجم ص ۵۳۹)

اس معاہدہ میں ایک لفظ بھی قابل اعتراض نہیں ملسکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نامہ

یہ وہ خریطہ ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سنٹ کتھرین کی خانقاہ (جو کوہ سینا کے قریب واقع ہے) کے مجاوروں بلکہ بالفاظ صحیح تر روئے زمین کے عیسائیوں کو عطا کیا۔ جسے رواداری کی ایک ایسی عمدہ دستاویز کہا جاتا ہے جسکی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ اس عہد نامہ میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کو وہ مراعات اور معافیاں عطا کیں جو انکو کسی اپنے ہم مذہب بادشاہوں کے عہد میں بھی حاصل نہ ہوئی تھیں۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ جو مسلمان اس عہد نامہ کی کسی شرط کی خلاف ورزی یا توہین کریگا وہ خدا کا نافرمان اُسکے احکام سے تجاوز کرنے والا اور اپنے مذہب کی ہتک کرنے والا سمجھا جائے گا"۔

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو حکم دیا کہ وہ عیسائیوں ان کے گرجوں۔ انکے مذہبی پیشواؤں کے مکانوں کی حفاظت کریں۔ اور انہیں کسی قسم کا گزند نہ پہنچنے دیں۔ اُن پر نامناسب ٹیکس نہ لگائے جائیں۔ کسی پادری کو اسکے گرجے سے خارج نہ کیا جائے۔ کسی عیسائی کو ترک مذہب پر مجبور نہ کیا جائے۔ کسی مسیحی زائر کو بیت المقدس کے سفر سے باز نہ رکھا جائے۔ عیسائیوں کے گرجے مسلمانوں کے مکان اور مسجدیں تیار کرنے کی خاطر منہدم نہ کئے جائیں۔ جو عیسائی عورتیں مسلمانوں سے شادی کرلیں انکو اپنے مذہب کی پیروی کی پوری اجازت دی جائے۔ اور اُن کو مجبور کیے یا ستا کر ترک مذہب پر آمادہ نہ کیا جائے۔ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجوں اور خانقاہوں کی مرمت یا کسی اور مذہبی معاملہ میں امداد کی ضرورت ہو۔ تو مسلمان ان کی مدد کریں......"

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ایک بار اعلان کیا تھا:۔ "یاد رکھو ! میں روزِ جزا کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اُس مسلمان کے دشمن کی حیثیت سے کھڑا ہوں گا جو کسی ذمّی سے بُرا سلوک کرے گا۔ یا اسکی طاقت سے باہر اس سے کوئی کام لیگا۔ یا اس سے نفرت وحقارت کرے گا۔"

ہر زمان اور ہر عہد میں ذمّیوں سے برتاؤ کرتے وقت مسلمانوں کے سامنے یہی اصول اور قواعد ہوتے تھے کیا ان سے بھی بڑھ کر زوردار الفاظ کی ضرورت ہے ؟ کیا دنیا میں کوئی شخص اس سے زیادہ اس موضوع پر کہہ سکتا ہے ؟ ان دستاویزات میں جس وسیع النظری۔ روشن خیالی اور کامل مذہبی رواداری کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ بیسویں صدی کے مغرور و متکبر یورپ کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔ ان محیر العقول دستاویزات کے مطابق ذمّیوں سے خواہ وہ عیسائی ہیں یا یہودی۔ آتش پرست ہیں یا ہندو۔ روادارانہ سلوک کیا جانا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم صرف عیسائیوں کے لئے تھا جو اہل کتاب ہیں۔ اسلئے اس حکم کا اطلاق ہندوؤں پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں اسلئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کے آتش پرستوں سے وہی سلوک کیا جو وہ اہل کتاب سے روا رکھتے تھے۔ (از خطوط ڈاکٹر سید محمود)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدۂ امن ایلہ کے عیسائیوں سے

بیت المقدس یعنی ایلہ کے عیسائیوں سے یہ معاہدۂ امن ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سینا کے عیسائی راہبوں وغیرہ سے کیا ہے جو درج ہو چکا ہے۔ یہ معاہدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ایلہ کے عیسائی حکام سے قرار دیا تھا جو حسب ذیل ہے۔ جسکی گبن جیسا متعصب انگریز مورخ بھی تصدیق کرتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جو امن کا معاہدہ پاس اللہ و محمد رسول اللہ اور حاکم ایلہ یوحنا بن رُباح اور اہل ایلہ کے درمیان منعقد ہوا:۔ اُن عیسائیوں کے لئے جو گھر میں رہیں یا بحری یا بری سفر اختیار کریں۔ خدا تعالےٰ اور اسکے رسول محمدؐ کی طرف سے معاہدہ امن ہے۔ اور ان سب لوگوں کے لئے جو انکے ساتھ ہیں خواہ شام کے ہوں یا یمن کے یا ساحل بحر کے۔ جو کوئی اس معاہدہ کے خلاف کریگا اسکی دولت اسکے کچھ کام نہ آئیگی اور جو بھی اسے لے لیگا یہ ٹھیک اسی کا مال ہوگا۔ اب اہل ایلہ کو ان چشموں سے کہ جہاں وہ جانے کے عادی رہے ہوں۔ روکا نہیں جائیگا۔ نہ انہیں کسی سفر سے روکا جائیگا جو وہ بحری یا خشکی کا کرنا چاہیں (مورخ گبن کا بیانیہ)

مسٹر صلاح الدین خدا بخش اپنی انگریزی کتاب اسلامک سولیزیشن میں لکھتے ہیں کیا اس معاہدہ میں ایک بھی لفظ ایسا ہے جسکی صحت پر کوئی اعتراض وارد ہوسکتا ہے۔

عیسائی وفد نجران نے مسجد نبوی میں عیسائی نماز پڑھی

نجران مدینہ کے جنوب کی طرف ایک وسیع علاقہ تھا جہاں ایک عظیم الشان گرجا تھا۔ جسکی شان اور منزلت کا تمام عرب میں کوئی عیسائی معبد نہ تھا۔ اسکے سردار عبد المسیح اور عبد المحارب وہ نامور پادری تھے جنکے القاب سائیلا اور غالب تھے۔ جب انہیں اسلام کا پیام پہنچا تو انہوں نے آمد و رفت شروع کی۔ دوسری مرتبہ سنہ ۱۰ھ میں انکا وفد منتخب اشخاص کا مدینہ میں آیا تو اتوار کا دن تھا اور شام قریب تھی۔ مسجد نبوی میں پہنچے تو انہوں نے چاہا کہ پہلے اپنی نماز ادا کرلیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی مسجد میں نماز پڑھ لینے کی اجازت دی۔ بعض صحابہ پر یہ بات ناگوار گذری کہ مسلمانوں کی مسجد میں عیسائیوں کو اپنی عبادت کی اجازت کیوں دیجائے۔ انہوں نے روکنا چاہا۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں مت روکو اور نماز پڑھنے دو۔ چنانچہ وفد کے تمام عیسائیوں نے رو بمشرق ہوکر اپنے طریقہ کے مطابق اپنی نماز پڑھی۔

زاد المعاد میں ہے۔ لما قدم وفد نجران علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علیہ مسجدہ بعد العصر فحانت صلوتهم فقاموا يصلون في مسجده فاراد الناس منعهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم دعوهم فاستقبلوا المشرق فصلوا صلاتهم الخ۔ روایت ہے کہ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے۔ تو ظاہر ہے کہ اتنے آدمیوں کی جماعت نے نماز پڑھی ہوگی تو انکی نماز خاصی نمایاں ہوئی ہوگی۔

(اسکی نسبت سورۂ آل عمران کی آیت مباہلہ و احتجاج اہل کتاب بالاتفاق نازل ہوئیں) لارڈ ہیڈلے صاحب نے اپنی کتاب "اسلام اور عیسائیت کے باہمی رشتہ" میں اس معاہدہ یا فرمان نبوی کی نقل حسب ذیل درج کی ہے۔

فرمان نبوی۔ اللہ کی امان اور اسکے رسول کی ضمانت ان کی جانوں۔ انکے مذہب اور انکے مال [illegible] حاضروں اور غیر حاضروں اور انکے قافلہ و دوسروں کے لیئے ہے [illegible] کی جاتی ہے۔ ان کے مذہب اور رسوم میں کوئی مداخلت نہیں کی جائیگی۔ ان کے حقوق اور مراعات میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ کوئی اسقف راہب یا پادری اپنے منصب سے علیحدہ نہیں کیا جائیگا۔ وہ ہر چھوٹی اور بڑی شے سے پہلے کی طرح متمتع ہوتے رہینگے۔ کوئی صلیب یا بت مسمار نہیں کیا جائیگا۔ نہ وہ کسی پر زبردستی کریں نہ ان پر زبردستی کی جائیگی۔ جہالت کے زمانے کی طرح قصاص لینے کا انہیں کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ ان سے عشر [illegible] وصول نہیں کیا جائیگا نہ انہیں فوج کی خوراک مہیا کرنے کے لیئے مجبور کیا جائیگا۔

مشرکین مسجد نبوی میں ٹھہرائے گئے

فتح مکہ کے بعد جب قبیلہ ثقیف کا وفد آیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو نہ صرف مسجد میں آنے دیا بلکہ بحیثیت مہمان مسجد میں ٹھہرایا۔

بعض مسلمانوں نے اعتراض کیا "انزلھم فی المسجد وھم مشرکون"؟ آپ انکو مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ فرمایا "ان الارض لا ینجس" زمین انسانوں کے مس سے ناپاک نہیں ہوتی۔ نجاست دل کی نجاست اور گندگی اعتقاد کی گندگی ہے۔ ابو داؤد اور امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے (جو خود شریک وفد تھے) روایت کی ہے۔ ان وفد ثقیف لما قدموا علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم انزلھم فی المسجد لیکون ارق لقلوبھم۔ اسی روایت کو بہ تبدیل الفاظ طبرانی نے بھی اوسط میں لیا ہے۔ اور ابو داؤد نے اسپر اسقدر زیادتی کی ہے ان وفد ثقیف اتو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فضرب قبة فی المسجد لینظروا الی صلوٰة المسلمین۔ فقیل لھم یارسول اللہ انزلھم فی المسجد وھم مشرکون۔ فقال ان الارض لا تنجس انما ینجس ابن آدم۔ (جب ثقیف کا وفد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے انہیں مسجد میں خیمہ لگوا دیا تاکہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھیں۔ صحابہ نے کہا یارسول اللہ آپ انہیں مسجد میں اتارتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ زمین ناپاک نہیں ہوتی۔ البتہ ابن آدم اسے ناپاک کرتا ہے)۔

غیر مسلم کا داخلہ اور تقریر مسجد میں

مہاتما گاندھی کے ترک موالات کے زمانہ میں دہلی اور لاہور کی جامع مسجدوں میں مسلموں کے ساتھ غیر مسلم نے بھی تقریریں کیں۔ ایسا کرنے پر سوال پیدا ہوا کہ آیا از روئے مذہب اسلام ایسا ہونا جائز ہے کہ کوئی غیر مسلم مسجد میں آکر منبر یا کٹہرے پر تقریر کرے۔ چونکہ یہ ایک مذہبی سوال تھا اسلیئے مذہبی جرائد نے اسکے جوابات پر توجہ کی۔ چنانچہ رسالہ معارف میں ایک مضمون مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کا لکھا ہوا نکلا جس میں موصوف نے بڑی طوالت سے بحث کر کے ثابت کیا کہ ایسا ہونا جائز ہے۔ مضمون مذکور میں دلائل حدیثیہ اور تاریخیہ سے استدلال کیا ہے جن میں سے بعض دلائل غریب الماخذ اور بعض بعید بھی ہیں۔ مگر مجموعی طور پر دلائل کافی ہیں۔ میرے نزدیک اس دعوے پر ایک ہی دلیل کافی ہے جو نص صریح اور دلیل صحیح اسپر ہو سکتی ہے جسکی تفصیل یہ ہے:-

اسلامی پیلہ تعصبی ۲۱

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں اور کفار مکہ میں معاہدہ
مسلمانوں کے حلیف ہیں اور بنی بکر کفار عرب کے حلیف ہیں
لڑ پڑیں تو مسلمان اور کفار مکہ اپنے حلیف کی دوسرے ج
ہو جائے گی۔ چند دنوں کے بعد بنی خزاعہ (حلیف مسلمانان)
تو مشرکوں نے بنی بکر کی حمایت کی۔ اسکی اطلاع بنی خزاعہ
تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا ارادہ کیا۔ اسنت
کمزوری محسوس کر کے انکی طرف سے ابو سفیان مدینہ شریف آیا
کے لئے تجدید عہد کرے۔ اس غرض کے لئے حضرت ابو بکرؓ
کیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ وہ بھی منکر رہے۔ حضرت عثمانؓ
فاطمہؓ کے پاس گیا۔ بہت منت خوشامد کی تو حضرت علیؓ
تجویز بتاتا ہوں کہ تم کھڑے ہو کر پکار دو کہ میں فریقین
آگے بالاتفاق مورخین کے الفاظ یہ ہیں:-

فقام ابو سفیان فی المسجد فنادیٰ الا انی قد اجرنا

جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۶۔ تاریخ ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد

اس فقرے کا ترجمہ مولانا شبلی مرحوم کی سیرت نبوی میں
علیؓ کے ایما سے مسجد نبوی میں جاکر اعلان کر دیا کہ میں معاہدہ
یہ واقعہ ایسا ہے کہ کل مورخین نے اسکو نقل کیا ہے۔
میں اپنے مطلب کی بات بھی کہہ سکتا ہے۔ گو وہ مسلموں یا
کہ مسلمانوں کے منشاء کے خلاف نہ ہو۔

اسلام ایسا تنگ مذہب نہیں ہے کہ اپنی عبادتگاہ
نہ دے۔ بلکہ اسلام تو ایسا وسیع الحوصلہ مذہب ہے کہ غیر مسلم
کی بھی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ نجران کے عیسائیوں کو
خود حضور علیہ السلام نے بخشی۔ اور انہوں نے اپنے طریق

ہدہ ہوا۔ اس معاہدہ میں یہ بھی داخل ہوا کہ بنی خزاعہ
بول گے۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں حلیف آپس میں
کے برخلاف مدد نہ کریں۔ اگر کرینگے تو عہد شکنی ثابت
ن) اور بنی بکر (حلیف مشرکین) میں جنگ ہو گئی۔
نے مدینہ شریف پہنچکر دربار رسالت میں پہنچا دی۔
میں مشرکین مکہ کو خبر ہوئی تو بمقابلہ مسلمانان اپنی
آیا تاکہ گذشتہ فعل پر ندامت کا اظہار کرکے آئندہ
کے پاس بغرض سفارش کرانے گیا۔ انہوں نے انکار
کے پاس گیا وہ بھی نہ مانے آخر حضرت علیؓ اور حضرت
نے جواب دیا کہ میں سفارش نہیں کر سکتا مگر ایک
معاملہ کو سلجھا دیا اور اسے امان کرا دیا ہے۔ اسکے

ت بین الناس (ابن خلدون بقیۃ الجزء الثانی صفحہ ۔ تاریخ طبری
عاد جلد ۲ صفحہ ۲۲۹۔ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۵ وغیرہ)

یوں کیا گیا ہے: "بالآخر ابو سفیان نے حضرت
ہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی" صفحہ ۱۴۳

اس سے یہ نتیجہ صاف برآمد ہوتا ہے کہ غیر مسلم مسجد
انکے امام کے منشاء کے بھی خلاف ہو۔ کجا یہ

میں غیر مسلموں کو آنے یا آنے پر بولنے کی اجازت
مسلموں کو اپنی مساجد میں اپنے طریق پر نماز پڑھنے
مسجد نبوی میں اپنی عبادت ادا کرنے کی اجازت
پر نماز پڑھی۔

رسول خدا کا ظالم کافر دشمنوں سے حسن سلوک

کفار مکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عزیزوں اور مسلمانوں کو اس قسم کے صدمات پہنچائے تھے کہ ان کی پاداش میں کیسی ہی سخت سے سخت سزائیں انکو دی جائیں تو انکے جرائم کی نوعیت کے مقابلہ میں انکی کچھ بھی حقیقت نہ سمجھی جاتی۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔ چنانچہ ان میں سے بعض کے نام ذیل میں درج ہیں۔

عکرمہ بن ابوجہل ہمیشہ اسلام کے قلع و قمع کے لئے مسلمانوں سے برسرپیکار رہا۔ بالآخر مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ کی بربادی و تباہی کا باعث بھی وہی ہوا۔

حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہودج میں بیٹھی جارہی تھیں کہ ہبار نے انکے نیزہ مارا اور کجاوہ گرا دیا۔ اس صدمہ سے انکا حمل ساقط ہوگیا۔ اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

عبداللہ بن ابی سرح کافر انام میں کہا کرتا تھا کہ نزول وحی مجھ پر ہوتا ہے۔ یہ شخص (حضرت محمدؐ) میری سنی سنائی باتیں لکھوایا کرتا ہے۔

وحشی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا امیر حمزہ کو دھوکے سے قتل کیا۔ اور پھر نعش کو بے حرمت کیا۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے امیر حمزہ کا کلیجہ سینہ سے نکالکر دانتوں سے چبایا۔ انکی ناک اور کانوں کو کاٹ کر تاگے میں پرو دیا اور گلے کا ہار بنایا۔

ایسے بے رحم درندوں پر ترحم و ملاطفت حسن سلوک و مدارات اسی عالیشان بادشاہ کا کام تھا جسکی شان میں حق سبحانہ و تعالی نے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ نازل فرمایا ہے اور جو بادشاہی میں فقیری کرتا تھا۔ داعی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام اور اہل اسلام کے غالی دشمن مشرکین مکہ تھے جنہوں نے کئی بیگناہ مسلمانوں کو صرف ربنا اللہ کہنے کی وجہ سے تیغ بے دریغ کیا تھا۔ جنہوں نے بیکس مسلمانوں پر طرح طرح کے جور و ستم ڈھا کر ان کو جلا وطن کیا تھا اور انکے خانہ ... ان پر قابض و متصرف ہوگئے تھے۔ جنہوں نے مہاجرین کو مکہ سے تین سو میل کے فاصلہ پر چین نہیں لینے دیا تھا اور بلا وجہ بدفعات مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جنہوں نے اسلام کے قلع و قمع اور مسلمانوں کے استیصال کے لئے حبش۔ شام۔ نجد اور یمن تک بادیہ پیمائی

سے پاک نہیں کیا تھا۔ اور جنہوں نے مسلسل ۲۱ سال تک زور سے زور سے تدبیر سے تدبیر سے مسلمانوں کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لیئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ایسے ظالم نا ہنجار جفا کیش و ستمگار موذیوں کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اسلام کے اولین مقدس بادشاہ نے جو مدارات و ملاطفت ظاہر فرمائی اسکی نظیر تاریخ عالم میں مفقود ہے۔ چنانچہ جب صنادید قریش آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انکو مخاطب کرکے حسب ذیل تقریر فرمائی :-

یا معشر قریش! ان اللہ قد ذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ و تعظمھا بالآباء الناس من آدم و آدم خلق من تراب۔ (ثم تلا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اذھبوا فانتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم۔

اے جماعت قریش! حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا۔ حق تو یہ کہ سب لوگ آدم کے فرزند ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا۔ (پھر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ پڑھی) خدائے عزوجل فرماتا ہے۔ لوگو! تمکو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے گوت اور قبیلے سب پہچان کے لیئے بنا دئیے ہیں۔ بلاشبہ خدا کے ہاں تو اسکی عزت زیادہ ہے جسمیں تقویٰ زیادہ ہے۔ پھر ارشاد فرمایا جاؤ تم آزاد ہو۔ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔

انہیں حالات سے متاثر ہو کر دشمنوں تک نے بھی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے رحم اور صبر کی تعریف کی ہے۔ فتح مکہ کے بعد اگر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ایسے سخت اور ظالم دشمنوں سے جیسا چاہتے انتقام لے سکتے تھے۔ مگر آپ نے ایسی عالی حوصلگی اور معافی کا ثبوت دیا۔ اور شروع میں یہی اسلام کی سب سے بڑی کامیابی اور ترقی کا موجب قرار پایا۔

مدارات و مداہنت

نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد (جیسا کہ مذکور ہوا) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انکی مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ انکو مسجد نبوی میں ٹھیرایا اور وہیں انکو انکے طور پر عبادت کرنے کی بھی اجازت دی لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق گفتگو ہوئی تو آپ نے اظہار امر حق میں مداہنت نہیں فرمائی بلکہ ان کو انکے عقائد باطلہ علی الخصوص الوہیت مسیح پر متنبہ کرکے اسلام کے اصل اصول توحید کی تلقین کی اور بحکم الٰہی مباہلہ کو تیار ہوئے۔ اسی واقعہ کے متعلق مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ (۳ ع ۶)

"اللہ کے نزدیک جیسے آدمؑ ویسے عیسٰیؑ کہ خدا نے مٹی سے آدم کے پتلے کو بنا کر اس کو حکم دیا کہ آدم بن! اور وہ آدم بن گیا۔ اے پیغمبر یہ ہے حق بات جو تمکو تمہارے پروردگار کی طرف سے بتائی جاتی ہے تو کہیں تم بھی شک کرنے والوں نہ ہو جانا پھر جب تمکو عیسٰیؑ کی حقیقت معلوم ہو چکی اسکے بعد تم بھی انکے بارہ میں کوئی کٹ حجتی کرنے لگے تو ایسے لوگوں سے کہو کہ اچھا تو میدان میں آؤ اور ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور نیز ہم اپنی بیٹیوں کو بلائیں اور تم اپنی بیٹیوں کو اور ہم اپنے تئیں بھی شریک کریں اور تم بھی اپنے تئیں شریک کرو پھر ہم سب ملکر خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔"

مسجد عیسائیوں کی عبادت گاہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض عیسائی بزرگان کلیسا آپ کے پاس سچے مذہب کی خوبیوں پر بحث کرنے کے لیئے آئے۔ اسلامی مہماں نوازی کو دیکھیے کہ ان عیسائیوں کو ان مکانات میں رکھا گیا جو مسجد نبوی کے چاروں طرف بنے ہوئے تھے۔ وہ کئی دنوں تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مہمان رہے اور اسی عرصہ میں اتوار کا دن آگیا جو عیسائیوں کے ہاں خدا کا دن سمجھا جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیئے تو ساری زمین ہی مسجد ہے۔ لیکن عیسائی مہمانوں کو اپنے خدا کی عبادت کے لیئے ایک گرجا کی تلاش تھی۔ اور گرجا اس جگہ کہاں تھا؟ اس وقت وہ محبت اور رواداری کا پیغمبر انہیں اس مصیبت سے نجات دلاتا ہے۔ آپ اپنی مسجد کو پیش کرتے ہیں کہ اسے بطور گرجا استعمال کیا جائے۔ اور یہ کسقدر حیرتناک بات ہے کہ وہی خدا کا گھر جہاں اس خدا کی جو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے عبادت کی جاتی ہے۔ ان لوگوں کی جائے عبادت بن جاتی ہے جو خدا کی ولدیت اور ابویت کے قائل ہیں۔

نجاشی عیسائی بادشاہ حبش کا احسان

اعلان نبوت کے پانچویں سال یعنی ۱۵ء میں جب کہ مسلمانوں کی مختصر جماعت پر کفار مکہ کی سختی اور ظلم بہت بڑھ گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پندرہ مسلمانوں (گیارہ مردوں اور چار عورتوں) کی ایک جماعت کو ملک حبش

کو ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی کہ جہاں ایک نیک عیسائی بادشاہ نجاشی حکمران تھا۔ اور فرمایا کہ گو اس بادشاہ کا مذہب عیسائیت ہے لیکن وہ رعایا کے مذہب سے تعرض نہیں رکھتا۔ چنانچہ جب یہ پہلا قافلہ مہاجرین حبش میں پہنچا تو کفار مکہ نے بھی انکی مخالفت میں اپنا ایک وفد نجاشی کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ بھیجدیا کہ یہ ہماری قوم کے غدار لوگ ہیں آپ انہیں اپنے ملک میں پناہ نہ دیں۔ اور ہمارے حوالہ کر دیں۔ اس پر نجاشی نے مہاجر مسلمانوں کو طلب کر کے اس الزام کا جواب پوچھا۔ تو مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ برادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک فصیح تقریر میں جواب دیا کہ "ہم ضلالت وجہالت کے عمیق گڑھے میں غرق تھے۔ ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ناپاک زندگی بسر کرتے اور مردار کھاتے تھے۔ ہم فحش بکتے تھے۔ اور انسانیت کی ہم میں بو تک نہ تھی۔ خدا نے ہمارے پاس اپنا رسول بھیجا جس نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی تعلیم دے کر ہمیں کفر اور شرک اور بت پرستی سے روکا۔ ہمیں سچ بولنے اور ایفائے عہد کرنے کی تعلیم دی اسوجہ سے ہمارے ہم وطن ہم پر ناراض ہو گئے۔ کہ ہم انکے بتوں کی اب پرستش نہیں کرتے" نجاشی پر اس تقریر کا بہت اچھا اثر پڑا۔ تو اس نے کہا کہ اس کلام کا اور موسیٰ والی کلام کا نور ایک ہی روشندان سے چمکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تم لوگ جاؤ میرے ملک میں خوشی سے رہو۔ اور قریش کے قاصدوں کو ناکام واپس کیا۔ مسلمانوں نے شاہ نجاشی کو یہ بھی یقین دلایا کہ ہمارے ہادی نے ہمیں ہدایت کر رکھی ہے کہ امورِ دنیا میں تمہاری تابعداری میں سرِ مو تعرض نہ کریں۔ اور تمہاری مہربانی کا شکریہ ادا کریں۔ کیونکہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جو انسان کا احسانمند نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر گذار نہیں ہوتا) چنانچہ نجاشی نے انہیں اپنی پناہ میں رہنے دیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دوسری کھیپ مسلمان مہاجرین کی بھی حبش میں گئی۔ اور حسب ہدایت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں نے عیسائی بادشاہ کی رعایا بنکر امن کا عہد کیا۔

پیغمبرؐ نے نوشیروان عادل کی تعریف فرمائی

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "منصف حاکموں کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے"۔ جو انصاف اور عدل مجوسی بادشاہ نوشیروان کے عہد میں تھا کون نہیں جانتا۔ اسی لئے اسکا نام دنیا میں نوشیروان عادل مشہور ہے حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت نوشیروان عادل کے زمانہ میں ہوئی تھی حالانکہ نوشیروان مجوسی تھا اور اسکی ملکہ اور ایک بیٹا عیسائی بھی ہو چکے تھے۔ مگر باوجود اسکے آتش پرست ہونے کے

اسکے عادل ہونے کو آپ نے تسلیم کیا۔ اور زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا۔ وُلِدتُ فِی زَمَانِ المَلِكِ العَادِلِ (میں عادل بادشاہ کے عہد میں پیدا ہوا ہوں) پس اس سے ثابت ہے کہ عادل حکومت کا مذہب وملت خواہ کچھ ہو رعیت کے واسطے وہ باعث افتخار ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس شعر میں اسی فرمان کا ذکر کیا ہے۔

سزد گر بدورت بنازم چناں ✿ کہ سید بدوران نوشیرواں

شاہ نجاشی کے انتقال پر دعائے مغفرت

نجاشی عیسائی بادشاہ حبش کے انتقال کی خبر سنکر حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو شامل کر کے اسکے لیئے نماز جنازہ پڑھ کر دعائے مغفرت مانگی تھی۔

کافر کا مال بھی غدر سے چھین لینا جائز نہیں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اجازت نہیں دی کہ کافر دشمن کو دھوکا دیکر یا غافل پاکر اسکا مال غدر سے چھین لیا جائے۔ بلکہ کھلم کھلا اور مردانہ وار مقابلہ اور جنگ کے بعد دشمن پر اگر غلبہ حاصل ہو جائے تو اسکا مال چھین لینے کی اجازت ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں عروہ بن مسعود کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مغیرہ بن شعبہ کے حق میں فرمایا تھا۔ جب انہوں نے بنی ثقیف کے تیرہ آدمیوں کو شاہ مصر مقوقس کو ہدیہ دے کر لوٹتے وقت نیند میں غافل پاکر قتل کر ڈالا تھا۔ اور سب مال واسباب اور سلاح پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرکے اسلام لے آئے تھے۔ تو آپ نے فرمایا اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه بشیئ لکونه اخذ غدرا لانه لایحل اخذ مال الکفار غدرًا حال الامن لان الرفقة یصطحبون علی امانة وھی تودی الی اھلھا مسلمًا کان اوکافرًا وانما تحل اموالھم بالمحاربة والمغالبة (تمہارا اسلام لانا تو ہم قبول کرتے ہیں۔ لیکن مال کسی طرح ہم نہیں قبول کرتے کیونکہ یہ غدر سے لیا گیا ہے اور کافروں کا مال بحالت امن غدر سے لینا حلال نہیں۔ الخ۔

امن کی خاطر کس قدر نرمی اختیار کی

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے آخری حج سے پہلے جب مکہ معظمہ کو حج کے لئے تشریف لے گئے تھے تو کفار مکہ نے آپ کی بے انتہا مزاحمت کی۔ یہانتک کہ آپ کو مناسک حج نہیں ادا کرنے دئے۔ کفار نے آپ سے ایک معاہدہ لکھوانا چاہا۔ مگر اس میں آپ کے نام محمدؐ کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کیا۔ حضرت عمرؓ اس پر بگڑے کہ ہم صرف محمدؐ نہیں لکھنے دینگے۔ مگر خود پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے امن اور اتفاق کی خاطر

شرط مان لی۔ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کو یہ امر سخت شاق گذرا کہ باوجود مکہ شریف تک پہنچ جانے کے مسلمانوں کو حج نہیں کرنے دیا گیا۔ اور انہوں نے سختی استعمال کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا چنانچہ آپ محض آشتی کی خاطر کفار سے باوجود ایسے سخت اشتعال کے نہ لڑے اور بے نیل مرام مدینہ کو واپس چلے گئے۔

کیا جیسا کہ دشمنوں کا بیان ہے اگر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم شمشیر سے اسلام پھیلانا چاہتے تو اس سے زیادہ اشتعال دلانے والا اور کونسا موقعہ ہو سکتا تھا۔ مگر آپ نے نرمی کو جو آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں صفت تھا اسکا پورا ثبوت دیا۔

حاتم طائی کی بیٹی پر احسان

ایک مرتبہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ کفارِ عرب قید ہو کر لائے گئے تو معلوم ہوا کہ ان میں عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی بھی ہے جو مسلمہ نہ تھی۔ آپ نے اسکے آزاد کر دینے کا حکم دیا۔ مگر اس غیر تمند خاتون نے کہلا بھیجا کہ میں اکیلی آزاد ہونے پر رضامند نہیں۔ تو اسکی خاطر سے آپ نے اسکے سبھی ہمراہیوں کو بھی آزاد کر دیا۔ ہر چند کہ وہ کفار اور دشمن تھے۔

ایک یہودی کے قرضہ کی ادائگی

ایک یہودی سے آپ نے کچھ قرضہ لیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ فلاں مدت تک یہ قرض ادا کر دیا جائیگا۔ لیکن یہودی تین دن پہلے ہی تقاضا کے لیے آگیا۔ اس نے تقاضا میں سختی کی۔ آپ کی چادر اس سختی اور جھٹکے سے کھینچی کہ کاندھوں پر سے اتر گئی۔ ساتھ ہی گستاخانہ لہجہ میں سخت سست کہنے لگا کہ عبدالمطلب کی اولاد! تم سخت نادہند ہو اور ٹال مٹول کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ اسکی گستاخانہ حرکت دیکھکر لال پیلے ہو گئے۔ بڑی زور سے ڈانٹا اور نہایت سخت الفاظ میں لعنت ملامت کرنے لگے۔ حضور کھڑے مسکرا رہے تھے۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ عمر! مجھے تم سے دوسرے سلوک کی امید تھی۔ مناسب تو یہ تھا کہ تم مجھے مشورہ دیتے کہ میں خوش اسلوبی سے اسکا قرض ادا کردوں۔ اور اس سے کہتے کہ تقاضا کرنے میں تہذیب اور شرافت کا خیال رکھے۔ پھر فرمایا۔ وعدہ کی مدت میں ابھی تین دن باقی ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ قرض ادا کر دیا جائے۔ اور بیس صاع زائد دیئے جائیں۔ یہ زیادتی اس سختی کے بدلے میں ہے جو اسکے ساتھ کی گئی۔" یہودی آپ کے اس سلوک سے اسقدر متاثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

بعد فتح اہل مکہ سے حسن سلوک

مکہ کے لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی کیسی شدید مخالفت کی تھی۔ کیسی سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ حضور

کو ذلیل کرنے کی کیا کیا کوششیں کی گئیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے کس طرح سازشوں کے جال بچھائے گئے تھے۔ کیسے کیسے منصوبے باندھے گئے تھے۔ دلوں میں عداوت کی ایک آگ تھی جو کسی طرح نہیں بجھتی تھی۔

مگر آج مکہ فتح ہو چکا ہے۔ بڑے بڑے مغروروں کی اینٹھ اکڑ رخصت ہو گئی۔ ہر شخص سر نیچا کئے ہوئے ہے۔ دل دھڑک رہا ہے۔ پچھلے کارنامے آنکھوں کے سامنے ہیں۔ خوف و ہراس کی حالت ہے کہ دیکھیں آج کیا حکم ملتا ہے۔ اتنے میں رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے ہیں "تم مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو"۔ جواب ملتا ہے۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ اور سب کو معاف کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب آتش پرستوں سے حسن سلوک پر

یہ خط ہے[1] بجانب رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) بنام فرخ بن شخصان برادر سلمان (رض) اور اسکے اہل خاندان اور اولاد کے لئے جو دنیا میں زندہ ہیں۔ خواہ وہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے دین پر قائم رہیں۔

تحقیق کہ ہے اس (فرخ بن شخصان) کے لیے خدا کی حفاظت نیز اسکی اولاد کے لیئے انکی جانوں کے متعلق اور ہر جگہ انکی جائداد کے متعلق جہاں کہیں وہ رہیں۔ میدان میں یا جبل پر۔ اور جو کنوئیں اور چراگاہیں انکے قبضہ میں ہیں ان پر انہیں آزادی حاصل رہے گی۔ انکے ساتھ نہ بے انصافی ہونی چاہیئے اور نہ ظلم۔ اور جن لوگوں کے روبرو میرا یہ مکتوب پڑھا جائے انہیں چاہیئے کہ ان کی (یعنے فرخ شخصان اور انکی اولاد کی) حفاظت کرے انہیں آزاد رہنے دے اور دوسروں کو بھی انہیں نقصان نہ پہنچانے دے اور توہین یا تشدد کے ذریعہ سے ان سے عداوت نہ ظاہر کرے۔ میں انکے مخصوص سر منڈانے اور زنّار پہننے سے درگزر کرتا ہوں۔ اور ان کی

[1] بمبئی کے ذی علم پارسیوں نے ایران لیگ کے نام سے جو انجمن قائم کی ہے اسکی طرف سے ایک رسالہ عہد نامہ شائع ہوا ہے اس میں مجوسیوں (آتش پرستوں) کی حفاظت جان و مال و عزت سے متعلق دو اہم و دلچسپ فرمان درج ہیں جس میں سے ایک خود رسالت کی جانب سے ہے۔ اور دوسرا امیر المومنین علی مرتضیٰ کی جانب سے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں فرمان کس حد تک مستند ہیں۔ یہ اگر واقعی صحیح ہیں تو اپنی تشریح خود کر رہی ہیں۔ لیکن بالفرض اگر واقعی نہوں تو بھی اسلام کی رواداری کی معتبر شہادتیں اس کثرت سے موجود ہیں کہ وہ گواہیوں کے نامعتبر ٹھیرنے سے اس حقیقت پر کوئی اثر نہیں۔ ۱۲

ٹیکس بھی تا یوم حشر ونشر مع دیگر قیود و مکلفات کے معاف کرتا ہوں" (عہد نامہ شائع کردہ ایران لیگ بمبئی)۔
وہ بالکل آزادی سے اپنے آتشکدوں پر اور انکی متعلقہ زمین اور دوسری املاک ملحقہ پر قابض رہیں۔ انکو لباس فاخرہ استعمال رکاب تعمیر عمارات و اصطبل جنازوں کے لیجانے اور ہر اس کام کے کرنے سے جسکو انکا مذہب اجازت دیتا ہو کوئی شخص نہیں روک سکتا۔ ان کے ساتھ ہر فرقے سے بہتر برتاؤ ہوگا۔ بس کسی کو میری اس وصیت کی جو میں نے سلمانؓ کے ہم مذہبوں اور انکی آنے والی نسلوں کی آزادی و حفاظت کے لئے کی ہے مخالفت نہ کرنی چاہیئے۔ بلا لحاظ اسکے کہ وہ اسلام لاتے ہیں یا اپنے دین قدیم پر رہتے ہیں۔ جو شخص میرے اس حکم کی اطاعت کریگا اس پر خدا کا کرم ہوگا۔ لیکن جو خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا وہ یوم قیامت تک لعنت میں رہیگا۔ (ایضاً)

جس نے انکے ساتھ کرم کیا اس نے میرے ساتھ کرم کیا۔ اور ایسے شخص کو اللہ کے پاس اجر حاصل ہوگا۔ اور جو انہیں ستاتا ہے وہ مجھے ستاتا ہے اور میں روز قیامت اسکا دشمن ہوں گا۔ اسکی سزا نار جہیم ہے۔ اور میں اسکی شفاعت سے بری ہوتا ہوں۔

اور لکھا اس مکتوب کو بحکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب نے بموجودگی ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سلمان، ابوذر، عمار، مصعب، بلال، مقداد بن الاسود و جماعت من المؤمنین رضوان اللہ علیہم والصحابۃ اجمعین۔ (ایضاً)۔

دعوت اسلام کے مستند مواعید

ذیل میں تین مکاتیب حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سالنامہ رہبر دکن سے نقل کئے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہل اسلام کے بڑھے ہوئے دینوی تعلقات کی صحیح صدارت قائم کر[illegible] رسالت پناہ نے بعثت کے چھ سال بعد جزیرۃ العرب کے اطراف و جوانب کے [illegible] کے نام [illegible] مکتوب روانہ فرمائے اور ان سے محض رشتہ اخوت و مودت [illegible] پہلا خط قیصر روم کے نام روانہ فرمایا جسکے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

مکتوب روم	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ من محمد عبد الله ورسوله الی هرقل اعظم الروم۔ سلام علی من اتبع الهدی۔ اما بعد۔ فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم یؤتك الله اجرك

مرتین فان تولیت فعلیک اثم الاولیین ویا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فاشهدوا بانا مسلمون ہ

ترجمہ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس ہے۔ اسکو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اسکے بعد میں تجھکو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام لا۔ تو سلامت رہیگا۔ خدا تجھکو دوگنا اجر دیگا۔ اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تجھپر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی اور کو خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں"۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کے لئے حقوق سیاست کا دعوےٰ نہیں فرمایا اور نہ اہل روم کو بالجبر مورونہذیب اسلامی بنانے کی دہمکی دی ہے۔ بلکہ نہایت سادہ اور نرین الفاظ میں دعوت اسلام قبول کرنے کی پرامن تلقین فرمائی۔ موجودہ زمانہ کے طریق عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے چاہئے تو یہ تھا کہ اہل روم کو اسلامی دعاوی کی دعوت بصورت الٹیمیٹم دی گئی ہوتی۔ اور اگر اس الٹیمیٹم کا ایفاء مقررہ میعاد کے اندر نہ ہوتا تو ارض روم کو لشکر کشی کرکے پامال کردیا گیا ہوتا۔ مگر یہ طریق اسلامی سیاسیات کے منافی تھا۔ لہذا لفظی دعوت پر اکتفا کیا گیا۔

مکتوب پنجم

اسی مکتوب کے ساتھ ایک اور مکتوب خسرو پرویز والی ایران کے نام روانہ کیا گیا۔ جسے خدا کے خوف سے ڈرایا گیا نہ کہ اسلامی سیف وسنان سے اور اخوت اسلامیہ کے سلسلے میں منسلک ہونے کی دعوت دی گئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا:۔

بسم الله الرحمن الرحیم من محمد رسول الله الی کسری عظیم فارس۔ سلام علی من اتبع الهدی۔ وآمن بالله ورسوله واشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الی الناس کافة لینذر من کان حیا اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس۔ ترجمہ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد پیغمبر خدا کی طرف سے کسرےٰ رئیس فارس کے نام۔ سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اور خدا اور پیغمبر پر ایمان لائے۔ اور یہ گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھکو تمام دنیا کا پیغمبر کرکے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے تو اسلام قبول کر کہ تو سلامت رہیگا ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

مکتوب ششم

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا تیسرا مکتوب مقوقس والی مصر کے نام تھا جو حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ من محمد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم قبط ۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ ۔ اما بعد ۔ فانی ادعوک بدعاء الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط ۔ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۔ ترجمہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد اللہ کے بندے اور اسکے رسول کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کی طرف ۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی ۔ اما بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں ۔ مسلمان ہو جا تو محفوظ ہو جائیگا ۔ اور اللہ تعالیٰ تجھے اسکا دگنا اجر دیگا ۔ اور اگر تو پھر گیا تو قبطیوں کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا ۔ اے اہل کتاب آؤ ایسے کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے ۔ یہ کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا مالک نہ بنائے ۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو تم کہدو کہ گواہ رہو بیشک ہم مسلمان ہیں ۔"

ان مکاتیب کی روشنی میں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسلامی سیاست کسی [illegible] جبر اور منافی انصاف طرز عمل کو جائز قرار دیتی ہے ۔ غالباً اسلامی تاریخ ہی ایک ایسی چیز ہے جسکی ابتداء سے لیکر آج تک مسلمان ارباب حکومت اور غیر مسلم رعایا کے تعلقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اصولوں سے ذرہ بھر مجتنب نہیں ہوئے ۔ اسلامی دور ترقی و تمدن کے درمیان مسلمانوں کو ہر قسم کے سیاسی اور غیر سیاسی معاملات سے واسطہ پڑتا رہا ۔ مگر اس طویل عرصے کے درمیان غیر مسلم مورخین کی شہادت ہے کہ اہل اسلام نے اسوۂ محمدیہ کو ہر حالت میں مقدم سمجھا اور [illegible]

غیر مسلم محتاج و مظلوم کی بھی مدد کرنیکی تاکید ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کے [illegible] ملو تو السلام علیکم کہو ۔ جب وہ کھانے کی دعوت دے [illegible] ۔ اگر وہ بیمار ہو تو اسکی عیادت کرو ۔ اور جب وہ مر جائے تو اسکے [illegible] اور کمزور کو مدد دینا صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ مظلوم خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اسے مدد دینی چاہیئے ۔ کیونکہ قیامت کے روز حق تعالیٰ فرمائیگا ۔ [illegible]

عیادت نہیں کی۔ اور ابنائے آدم کہیں گے۔ اے ہمارے محافظ ہم کس طرح تیری عیادت کر سکتے تھے تو تو دنیا جہان کا خداوند اور مرض سے پاک ہے۔ تو خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ اے آدمیو! میرے بندوں میں سے فلاں بیمار تھا۔ اور تمنے اسکی عیادت نہ کی۔ تم نہیں جانتے تھے کہ اگر تم اس میرے بندے کی عیادت کرتے تو میں تمپر مہربان اور خوش ہوتا۔ اور خدا قیامت کے روز کہیگا۔ اے ابن آدم! میں نے تمسے کھانے کو مانگا تھا اور تمنے نہیں دیا۔ اور آدم کے بیٹے کہیں گے۔ اے ہمارے خداوند! ہم تمہیں کس طرح کھانا دے سکتے تھے تو تو دنیا جہان کا خداوند اور بھوک اور پیاس سے بالاتر ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کہیگا۔ تم نہیں جانتے کہ میرے بندوں میں سے فلانے نے تمسے روٹی مانگی تھی اور تمنے اُسے نہ دی۔ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ اگر تم اسے کھانا دیتے تو مجھ سے اسکا انعام پاتے۔ اور خدا تعالیٰ قیامت کے روز کہیگا۔ اے ابنائے آدم میں نے تمسے پانی مانگا تھا اور تمنے مجھے نہ دیا۔ اور وہ کہیں گے اے ہمارے آقا ہم تمہیں پانی کس طرح دے سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے تھے کہ تو دنیا جہان کا مالک اور پیاس سے بری ہے۔ خدا کہیگا۔ میرے بندوں میں سے فلاں نے تمسے پانی مانگا تھا مگر تمنے اُسے نہ دیا کیا تمکو معلوم نہ تھا کہ اگر تم اُسے پانی دیتے تو تم اسکا انعام مجھ سے پاتے۔

آنحضرتؐ نے قاتل دشمنوں کو معاف کر دیا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صبح کی نماز کے بعد کافروں میں سے اسّی (۸۰) آدمی تنعیم کی جانب سے بارادہ قتل رسول اللہ اُتر کر آئے اور وہ پکڑے گئے۔ مگر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے گئے تو آپ نے اُن سب کو معاف کر کے آزاد فرما دیا (شفا قاضی عیاض۔ باب ۲ فصل ۱۲)۔

باوجود زخمی ہونے کے دشمنوں پر لعنت نہ کی

جب جنگ اُحد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپکا روئے مبارک زخمی ہوا۔ تو آپ کے اصحاب کرام پر یہ امر بہت شاق گذرا۔ اور اُنہوں نے آپ سے عرض کی کہ آپ ان پر بددعا فرمائیے۔ مگر آپؐ نے جواب دیا کہ میں لعنت کرنے کو نہیں بھیجا گیا بلکہ دعوت و رحمت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اے اللہ تو میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ نہیں جانتے۔ (ایضاً)

بجائے لعنت کے قوم کے لئے رحمت کی دعا کی

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم پر بد دعا کی تھی۔ اگر آپ بھی ایسی ہی بد دعا فرمائیں تو ضرور یہ ساری قوم ہلاک ہوجائے۔ درانحالیکہ آپ کی پشت کے ساتھ بے ادبی کی گئی۔ آپ کا روئے مبارک خون آلود کیا گیا۔ آپ کے دندان مبارک شہید کیئے گئے۔ آپ نے اسپر بھی انکار فرمایا۔ اور صرف کلمۂ خیر منہ سے نکالا۔ اور دعا کی کہ اے پروردگار میری قوم کو بخشدے کہ وہ جانتی نہیں۔ آپ کے اس قول میں کیا کچھ فضل وکرم درجات احسان۔ حسن خلق۔ کریم النفسی اور رعایت حلم وصبر جمع ہو رہا ہے۔ کہ آپ نے اسپر بھی بس نہیں کی کہ آپ سکوت ہی فرماتے۔ بلکہ پہلے آپ نے ان حرکات ناشائستہ سے درگذر فرمایا۔ پھر آپ نے انکے حق میں دعا بھی فرمائی۔ (ایضاً)۔

دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری ایسی مثال نہیں

جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ جبکہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد کفار مکہ کو کسی قسم کی سزا نہ دی ہر چند کہ اس فتح کے حاصل کرنے میں لشکر اسلام کو بیحد تکلیف ہوئی تھی۔ اور اگر فتح پاتے تو وہ یقیناً مسلمانوں کو سخت ایذا دیتے۔ اسپر سر ولیم میور ایک انگریز مصنف نے جس نے اپنی تصنیف میں خلفائے اسلام پر خوب نکتہ چینی کی ہے متعجب ہوکر رائے دی ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی دوسری مثال موجود نہیں ہے کہ کسی سپہ سالار نے اس مشکل سے کسی ملک کو فتح کیا ہو۔ اور بعد فتح دشمن کو مطلق سزا نہ دی ہو۔" الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ ایسے ہی موقعہ پر کہتے ہیں۔ اگر واقعی اسلام میں بت پرستوں سے دشمنی رکھنے اور کفار کے ہلاک کرنے کا حکم ہوتا تو وہ اہل مکہ پر کامل فتح کرنے کے بعد کبھی نہیں بالکل معاف نہ کردیتے۔

آنحضرتؐ کی انصاف پسندی

چونکہ ملک میں پوری طرح امن قائم ہوچکا تھا۔ اور جہاں مسلمانوں کے لئے فریضۂ تبلیغ کی ادائگی کے لئے کافی فرصت تھی۔ وہاں لوگ بھی جنگ آزمائیوں سے اکتا کر اور اپنی ناکامی دیکھ کر اس قابل ہوچکے تھے کہ اسلامی تعلیمات پر ٹھنڈے دل سے غور کرسکیں۔ اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ملک کے مختلف حصص میں دعاۃ اسلام روانہ فرمائے تا لوگوں پر اسلام کے فضائل ومحاسن ظاہر کریں۔ اور اگرچہ انکی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ فوج بھی ساتھ کردی جاتی تھی۔ لیکن اس امر کے متعلق سخت تاکید تھی کہ دعوت اسلام کے بارہ میں کسی شخص پر جبر نہ کیا جائے۔ اور اس بات کی سخت احتیاط کی جاتی تھی۔

اس سلسلہ میں حضرت خالد بن ولید کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف بھیجا گیا۔ مگر وہ چونکہ تبلیغ سے زیادہ جہاد بالسیف کے اہل تھے۔ اسلئے کشت وخون کی نوبت آگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اسکی اطلاع ہوئی

تو آپ کھڑے ہو گئے۔ اور قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر فرمایا۔ خدایا میں خالد کے اس فعل سے بری الذمہ ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مقتولین کا خوں بہا ادا کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ آپ نے کتوں تک کا بھی خوں بہا ادا کر دیا۔

اجازت جنگ کے کیا وجوہ تھے؟

مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملنے کے وجوہ یہ ہیں۔

۱۔ مدافعت کرنے والوں کا مظلوم اور حملہ آوروں کا ظالم ہونا۔

۲۔ ان کے گھر بار سے نکالا جانا۔ املاک سے بے دخل کیا جانا۔ اور وہ صرف اختلاف عقیدہ کی بنا پر۔

۳۔ تیسری وجہ ایسی عام ہے جو ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی وجہ صرف انہیں کی ذاتی قومی اور مذہبی فوائد کے لحاظ سے نہیں دی گئی بلکہ اسلئے بھی دی گئی ہے کہ مسلمانوں نے جو معاہدات یہود یوں۔ عیسائیوں اور دیگر مختلف اقوام کے ساتھ ابھی حال میں کئے تھے اور جس فراخدلی سے ہر ایک مذہب کے لئے مذہبی آزادی عطا کی تھی۔ اب اگر اس معاہدہ کی حفاظت میں مسلمان اپنی جانوں کو نہ لڑا دینگے تو سب مذاہب کی آزادی ملیا میٹ ہو جائے گی۔ اور سب کے مندر اور سب کے گرجا نذر خاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ جب کوئی قوم معاہدہ کی حفاظت کرنے والی ہی نہ رہی تو معاہدہ پر عمل کس طرح کرایا جا سکے گا۔ (رحمۃ للعلمین صفحہ ۱۰۶)

کن کو جنگ کی اجازت دی گئی

اب اصول بالا پر رحمۃ للعلمین کے بتائے ہوئے احکام کو سنو! جن مسلمانوں سے قتال ہوا انکو جنگ کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ وہ مظلوم تھے۔ اور خدا انکی نصرت پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بلا کسی وجہ کے نکالے گئے ہیں۔ صرف اسلئے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ یہ اجازت دے کر بعض لوگوں (دشمنوں) کو بعض لوگوں (مسلمانوں) کے ذریعہ سے روک نہ دیتا تو عیسائیوں کے گرجا۔ یہودیوں کے معابد۔ پارسیوں کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا بہت نام لیا جاتا ہے ضرور گرائی جاتیں۔

۲۔ تم خدا کی راہ میں ضعیف مردوں اور عورتوں اور بچوں کے بچاؤ کے لئے کیوں جنگ نہیں کرتے حالانکہ وہ دعائیں کر رہے ہیں کہ خدا ہمکو اس بستی سے نکال جہاں کے باشندے بڑے ظالم ہیں۔

نجران کے عیسائیوں سے مصالحت کی شرائط

نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آکر مصالحت کی درخواست کی جسکو آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے منظور فرمایا۔ شرائط صلح یہ تھے کہ وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دینگے۔۔۔ اسکے معاوضہ میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے۔ نہ اُنکے گرجے ڈھائے جائیں گے۔ نہ اُنکے پادری نکالے جائیں گے نہ اُنکو اُنکے مذہب سے برگشتہ کیا جائیگا۔ (سیرۃ النبی مولانا شبلی۔ جلد ۲ ص ۹۵)

حضورؐ نے ایک کافر مہمان کو سات بکریوں کا دودھ پلایا

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ کے مہمان ہوتے تھے۔ اور آپ یکساں سب کی مہمان نوازی کرتے تھے۔ جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ نے خود اپنے یہاں مہمان اُتارا۔ اور خود بہ نفس نفیس اُنکی خدمت کی۔ ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ نے ایک بکری کا دودھ اُسے پلایا۔ وہ سارے کا سارا پی گیا۔ آپ نے دوسری بکری منگوائی وہ بھی کافی نہ ہوئی۔ غرض سات بکریوں تک نوبت آئی۔ جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ پلاتے گئے۔

مشرک ماؤں سے حسن سلوک کی تاکید

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اُنکی ماں جو مشرک تھیں اعانت خواہ مدینے حضرت اسماء کے پاس آئیں۔ اُنکو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ اُنکے ساتھ نیکی کرو۔ حضرت ابوہریرہؓ کی ماں کافرہ تھیں اور بیٹے کے ساتھ مدینے میں رہتی تھیں جہالت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی تھیں۔ ابوہریرہؓ نے خدمت اقدس میں عرض کیا آپ نے بجائے غیظ و غضب کے دعا کے لیئے ہاتھ اُٹھائے۔

یہودی غلام کی عیادت فرمائی

بیماروں کی عیادت میں دوست دشمن مومن و کافر کسی کی تخصیص نہ تھی سنن نسائی میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے تھے۔ بخاری و ابو داؤد میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ تو آپ عیادت کو تشریف لیگئے۔

مشرکین کے بچوں سے محبت و شفقت

آپ کی محبت و شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ

ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے۔ آپ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے۔ ایک صاحب نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ وہ تو مشرکین کے بچے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

یہودیوں سے نرمی اور عیادت

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا۔ تو آپ اُسکی عیادت کو تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ سرِ راہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ ایک دفعہ چند یہودی آپ کی خدمت میں آئے۔ اور شرارت سے سلام علیکم کی بجائے السام علیکم (تم پر موت) کہا۔ حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آکر انکو بہت سخت جواب دیا۔ لیکن آپ نے روکا اور ٹوکا اور فرمایا عائشہ! بدزبان نہ بنو۔ نرمی کرو۔ اللہ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودی کا سخت تقاضا

زید بن سعنہ یہودی تھا جو لین دین کا کاروبار کرتا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ قرض لیا میعاد ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے تقاضا کو آیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی چادر پکڑ کر کھینچی۔ اور سخت سُست کہکر کہا۔ عبد المطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یوں ہی حیلہ و حوالہ کیا کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ اور اسکی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ او دشمن خدا! تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا۔ عمر مجھ کو تم سے اور کچھ امید تھی۔ اسکو سمجھانا چاہیئے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے۔ اور مجھ سے کہنا چاہیئے تھا کہ میں اسکا قرضہ ادا کر دوں۔ یہ فرما کر حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دے دو (سیرۃ النبیؐ شبلی جلد دوم ص ۲۶۵)۔

یہودی کے مقابلہ میں مسلمان کو زجر و توبیخ

حضور یہودیوں سے دادوستد کرتے تھے۔ انکے سخت اور ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلا وجہ جنبہ داری نہ فرماتے۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ محمدؐ! دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے آپ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔ (حوالہ مذکور صفحہ ۲۹۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھاتے

بسا اوقات نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے جاتے تاکہ رات کے اندھیرے میں آپ کے

پانوئں زخمی ہوں۔ گھر کے دروازہ پر عفونتیں پھینکی جائیں تاکہ صحت وجمعیت خاطر میں خلل پیدا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انکے جواب میں صرف اسقدر فرمادیا کرتے کہ فرزندان عبد مناف حق ہمسائگی خوب ادا کرتے ہو۔

ابوسفیان کے سب قصور معاف کر دئے

جب ابوسفیان آپ کی خدمت میں لائے گئے اور وہ اس سے قبل آپ پر لشکر کشی کر چکے تھے۔ اور صحابہ کرام اور خود آپ کے چچا کو قتل کر چکے تھے۔ اور محض قتل ہی نہیں بلکہ نعش کو مسلہ کر چکے تھے۔ یعنے اسکے بعض اعضا کاٹ چکے تھے مگر آپ نے انکی سب تقصیرات کو نظر انداز کر کے قصور معاف فرمایا۔ ان سے بلا اذیت پیش آئے (شفا قاضی عیاض ۱۲۰)

بعد جنگ نہ کوئی لونڈی غلام بنایا نہ تاوان لیا

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اسی پاک تعلیم ہی کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین کے عہد میں اگر عراق و شام مصر عرب ایران و خراسان کے سینکڑوں شہر فتح کئے گئے۔ مگر کسی جگہ بھی حملہ آوروں۔ جنگ آزماؤں یا رعایا میں سے کسی کو لونڈی غلام بنانے کا مذکور نہیں ملتا۔ مغلوب دشمن سے تاوان جنگ لینے کا بھی کہیں اندراج نظر نہیں آتا۔ اگرچہ مسلمانوں کیلئے جنگ سخت آزمائش تھی لیکن رب العالمین کی اس میں بھی شاید یہ حکمت ہو کہ اسلام دنیا کیلئے جنگ کا وہ نمونہ پیش کر دے جو ہمدردی انسانی اور رحم والطاف سے لبریز ہو۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۱۱)

رحمۃ للعالمین کے اوصاف

رحمۃ للعالمینؐ وہ ہے جو اخوت ومحبت کا نام نعمت الٰہی رکھتا ہے اور فرماتا ہے "تم خدا کی محبت سے بھائی بھائی بن گئے ہو۔"

رحمۃ للعالمینؐ وہ ہے جو معاملات انصاف میں عدالت ونفرت کے تاثرات سے ہم کو علیحدہ رہنے کا حکم دیتا ہے۔ "کسی قوم سے مخالفت کا نہ ہونا تمہیں انصاف نہ کرنے کی طرف نہ کھینچ لے جائے۔ انصاف ہی کرو یہی خدا شناسی سے قریب تر ہے۔ اور تقوے اختیار کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو خدا خوب جانتا ہے قوم کی یہ مخالفت کہ انہوں نے تمکو مسجد الحرام سے روکدیا تھا۔ تمکو ادھر نہ لیجائے کہ انپر زیادتی کرنے لگو۔ تم نیکی اور تقوے کے کاموں میں انکی مدد کرو۔ اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں انکا ساتھ نہ دو۔ خدا سے ڈرتے ہو۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

قیدیوں کو کس لطف وکرام سے آزاد کیا

نبی الرحمۃ نے فرمایا کہ میں اپنے اور بنو عبد المطلب کے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے رہا کرتا ہوں۔ انصار و مہاجرین نے کہا کہ ہم بھی اپنے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے آزاد کرتے ہیں۔ اب بنی سلیم و بنی فزارہ رہ گئے۔ انکے نزدیک یہ عجیب بات تھی

کہ جو آزاد شخص ہو بجز خوش قسمتی سے زیر ہو گیا ہو۔ ایسا رحم و لطف کیا جائے۔ اسلئے انہوں نے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد نہ کیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا ہر ایک قیدی کی قیمت چھ اونٹ قرار پائی۔ یہ قیمت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ادا کر دی۔ اور اس طرح باقی قیدیوں کو بھی آزادی دلائی۔ پھر سب قیدیوں کو اپنے حضور نے لباس پہنا کر رخصت کیا۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)

اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون کریگا؟

بدر کی لڑائی کے بعد لوٹ کا مال مسلمانوں میں بٹ رہا تھا۔ ایک منافق نے اعتراض کے لہجہ میں آنحضرت سے کہا "مال کے بانٹنے میں ذرا انصاف سے کام لیجئے۔" رسول کی شان میں یہ ایک بڑی گستاخی تھی۔ مگر حضور نے اس پر ذرا بھی ناراضگی ظاہر نہیں کی۔ اور نرمی سے صرف اتنا کہا۔ "عقلمند! میں انصاف نہیں کرونگا تو پھر کون کرے گا؟" صد ہزار افسوس ہے میرے حال پر اگر میں انصاف سے کچھ ہٹ جاؤں۔ بعض صحابہ نے منافق کی اس گستاخی پر اسے سزا دینی چاہی۔ مگر حضور نے منع فرما دیا۔

کافر ایسی نرمی و تحمل دیکھ کر فوراً ایمان لایا

ایک لڑائی کے موقع پر دوپہر کے وقت تمام صحابہ آرام کر رہے تھے حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی تنہا ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے۔ ایک عرب کے دل میں جو پہلوان مشہور تھا آپ کو تنہا دیکھکر یہ سمائی کہ چپکے سے جا کر آپ کو قتل کر دے۔ وہ ایک دم آکر آپ کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ آپ سے کہنے لگا مجھ سے آپ کو اب کون بچائیگا۔ حضور نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ اللہ۔ یہ سنکر کچھ ایسی ہیبت اس پر طاری ہوئی کہ تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ نے وہی تلوار اٹھالی اور اس سے پوچھا۔ بتا اب کون تیری حفاظت کریگا۔ اس نے کہا کوئی نہیں۔ حضور کو رحم آگیا اور اسے معاف کر دیا۔ حضور کا یہ رحم و کرم دیکھ کر وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

ہر حالت میں دشمنوں کی خیر خواہی رہے

جب حضور کو قوم نے جھٹلایا۔ تو حضور کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ بات سنی جو انہوں نے آپ سے کہی۔ اور خدا نے پہاڑوں کے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ جو آپ چاہیں وہ اسکی تعمیل کریں۔ پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ کو آواز دی اور آپ پر سلام کہا اور عرض کیا کہ آپ جو چاہتے ہوں اسکا حکم مجھے دیجئے۔ اگر حکم دیجئے تو مکہ کے دونوں طرف کے پہاڑوں کو اہل مکہ پر ملا دوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ امید رکھتا ہوں اللہ انکی صلبوں سے وہ فرزند پیدا کریگا جو خدا

واحد کی پرستش کرینگے، اور کسی کو اسکا شریک نہ ٹھیرائیں گے۔ (شفا قاضی عیاض باب ۲ فصل ۱۷)

جتنی کوئی تکلیف دے اتنا ہی آپ صبر کیجئے

مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیہ کریمہ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ نازل ہوئی تو آپ نے جبریل علیہ السلام سے اسکے معنے دریافت فرمائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں عالم الغیب سے دریافت کر کے عرض کروں گا۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ اور جب واپس آئے تو کہا کہ اے محمد! اللہ حکم فرماتا ہے کہ جو آپ سے رشتہ توڑے آپ اُس سے رشتہ الفت جوڑئیے۔ جو آپ کو محروم کرے اسے عطا کیجئے اور جو آپ پر ظلم کرے اُس سے درگزر کیجئے۔

چنانچہ آپ کی ذات بابرکات ایسی ہے کہ جتنی آپ کی تکلیف بڑھتی گئی اتنا ہی آپ کا صبر زیادہ ہوتا گیا۔ اور جتنا کوئی جاہل آپ کے ساتھ حد سے تجاوز کرتا گیا اتنا ہی آپ کا تحمل ترقی کرتا گیا۔ (ایضاً)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے برتن سے پانی پی لیا

حضور اقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے برتن سے وضو فرمایا اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق نے ایک نصرانیہ عورت کے برتن سے وضو فرمایا تھا کہ اگر چاہتے ہوتے تو پانی بھی پی لیتے۔ اور ناپاک پانی حرام ہے اور یہ اس لئے تھا کہ مشرک اور نصاریٰ لوگوں کا ہاتھ پلید رہتا ہے اس واسطے کہ شراب پیتے ہیں اور مردار کھاتے ہیں۔

بعض نافہم دل کی پاکی پر اسقدر کوشش نہیں کرتے جتنی ظاہری طہارت پر کرتے ہیں۔ اگر غور کریں اور فہم سلیم ہو تو سمجھ جائیں کہ دل کی پاکی اللہ تعالیٰ کو چاہئے اور ظاہری طہارت بھی ضروری ہے۔ ایک خدا دوست کا قول ہے کہ جو خدا کے دوست ہیں وہ اصلی طہارت یعنی دل کے ظاہر کرنے میں باریک خیالات رکھتے ہیں اور صرف کپڑے دھونے اور پاک پانی کی جستجو اور فروعات طہارت میں اپنے اوقات عزیز کو ضائع نہیں کرتے ہیں۔

حقوق ہمسائگی نہایت قابل لحاظ ہیں

جو لوگ تعلیمات اسلام کا ... سے مطالعہ کرتے ہیں ... محروم ہوتی ہیں وہ حق و باطل میں امتیاز کر سکتی ہے وہ بھی اس حقیقت کے معترف ہیں ... انسانی حقوق کے متعلق ایک ایسا ... ضابطہ پیش کرتا ہے جو زندگی کے ہر پہلو ... ممتاز درجہ حاصل ہے۔ مثال کے طور پر حقوق جار (پڑوسی کے حقوق) ...

کہ اس معاملہ میں تعلیم اسلام کفر و اسلام کی سطح سے بہت بلند ہے۔ حقوق ہمسائگی کی جو ذمہ داریاں ایک مسلمان پر عاید ہوتی ہیں انکے لئے مسلم یا کافر کی کوئی قید نہیں۔ مراعات ہمسائگی کے لئے کسی شخص کا ہمسایہ ہونا کافی ہے۔

مختلف ادیان کی کتب مقدسہ اور معابد کی حفاظت کیلئے

ان احکام سے واضح ہے کہ اسلام میں جنگ کو اختیار کیا گیا تو نہ ملک گیری کے لئے۔ نہ ہوس حکمرانی کے لئے۔ بعض ضعیفوں۔ عورتوں۔ بچوں کو ظالموں کے پنجہ سے رہائی دلانے کے لئے جنگ کو اختیار کیا تھا۔ نہ تلوار کا خوف دلا کر کلمۂ اسلام پڑھوانے کو۔ بلکہ یہودیوں۔ عیسائیوں اور نصرانیوں کے معابد کو حفاظت و حمایت میں شامل مساجد لیکر ان سب کو انہدام سے بچانے کے لئے۔

کیا کسی اور مذہب کی پاک ترین کتاب میں بھی یہ بیان مل سکتا ہے کہ ادیان مختلفہ کے بچاؤ اور انکی عبادتگاہوں کے قیام کے واسطے کسی قوم نے جنگ کی ہو؟ اگر نہیں اور ہم کو وثوق کے ساتھ یقین ہے کہ ہرگز نہیں۔ تو سب کو اقرار کرنا پڑیگا کہ یہ رحمۃ للعالمین ہی کی رحمت قلبی کا نتیجہ ہے۔ اگر جنگ کا مقصد ایسا مقدس بنایا جس سے آج دنیا کا کوئی مذہب انکار نہیں کرسکتا۔

کفر کے ساتھ بھی انصاف کرو مسلمانوں کے ہادی برحق نے فرمایا ہے کہ انصاف و کفر کے ساتھ سلطنت کی بقا ممکن ہے۔ مگر ظلم اور اسلام کے ساتھ وہ ہرگز باقی نہ رہے گی یہی وجہ ہے کہ ہر اسلامی سلطنت اپنی رعایا کے ساتھ عام اس سے کہ مسلم ہو یا غیر مسلم یکساں انصاف کرنا بقائے سلطنت کا موجب سمجھتی ہے۔ اور شرع اسلام میں قضاۃ کو حکم ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے مابین وہ انصاف اور معدلت کے مطابق فیصلہ کریں۔ انصاف وہ مقدس عمل بلکہ عبادت ہے کہ جسکی بجا آوری میں ذات پات اور مذہب کچھ دخل نہ ہونا چاہیئے۔

الٹی میٹم کی لمبی میعاد کی وجہ

ایسی ضروری جنگ کے لئے رحمۃ للعالمین یہ بھی ضروری ٹھہراتے ہیں کہ الٹی میٹم ایک ایسے لمبے وقفہ کا دیا جائے تا کہ اس عرصہ میں باہمی سمجھوتے کی صورتیں نکل آئیں جس سے جنگ ٹل جائے۔ قرآن مجید میں

تمکو چار ماہ کی مہلت ہے۔ (ایضاً)۔

یہودیوں و عیسائیوں کے ساتھ معاہدات

ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جو یہودیوں کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کرتا ہے

۱۔ یہود بھی مسلمانوں کی طرح ایک قوم سمجھے جائیں گے۔

۲۔ جو کوئی ان سے لڑے مسلمان انکو مدد دیں گے۔

۳۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خیر اندیشی نفع رسانی و نیکی کے ہوں گے۔

۴۔ یہودیوں کے حلیف بھی اس معاہدہ میں انکے ساتھ شامل ہیں۔

۵۔ مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔

رحمۃ للعالمین وہی ہے جو خراج گذار اور مفتوح عیسائیوں کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کرتا ہے کہ :۔

۱۔ اہل نجران کو خدا کی حفاظت اور محمد رسول اللہ کی ذمہ داری حاصل ہوگی۔ ان کے جان اور مذہب اور ملک اور اموال کے متعلق تمام موجودہ اشخاص اور غیر موجودہ اور انکی قوم اور ان کے پیرو اس ذمہ داری میں شامل ہونگے

۲۔ ان کی موجودہ حالت تبدیل نہیں کی جائے گی۔

۳۔ ان کے حقوق میں سے کوئی حق نہیں بدلا جائے گا۔

۴۔ اور جو کچھ تھوڑا بہت ان کے قبضہ میں ہے اس میں کوئی تغیر نہ کیا جائیگا۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)

جنگ کس طرح سراپا رحمت ہو جاتی ہے

رحمۃ للعالمین وہی ہے جو ایک انسان کی جان کی قدر و قیمت ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے۔ "اگر کسی شخص نے ایک انسان کو بھی قتل کر دیا گویا اس تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی"۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو خونخوار لڑائیوں کو بند کرنا۔ حکمرانی کی آرزو یا توسیع ملک کی تمنا یا اظہار قوت یا کسی اظہار یا جوش انتقام کے وفور کے اصول پر لڑائی کرنے کو قطعاً ممنوع ٹھہراتا ہے۔ وہ جنگ کو صرف مظلوم کی امداد کا آخری ذریعہ۔ عاجزوں درماندوں عورتوں بچوں کو ظالموں کے ہاتھ سے چھوڑانے کا وسیلہ نیز مختلف اور ادیان متعددہ میں عدل و توازن قائم کرنے کا آخری حیلہ بتلاتا ہے۔ دنیا کا رحمدل سے رحمدل شخص بھی ان اصولوں کے لئے لڑائی کو سراپا رحمت کہنے میں تامل نہیں کر سکتا (رحمۃ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۲۴۴)

جزیہ دینے والوں کو اسلام نے کیا حقوق دئے

حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جن قوموں پر جزیہ لگایا

اُن کو تحریر کے ذریعہ سے مفصلہ ذیل حقوق دئے۔

۱۔ کوئی دشمن ان پر حملہ کریگا تو انکی طرف سے مدافعت کی جائے گی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ یمنعتی۔

۲۔ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائیگا۔ لا یفتنوا عن دینہم۔

۳۔ جزیہ جو ان سے لیا جائیگا اسکے لیے محصل کے پاس خود جانا نہیں پڑیگا۔

۴۔ انکی جان محفوظ رہے گی۔

۵۔ انکا مال محفوظ رہے گا۔

۶۔ انکے قافلے اور کاروان (یعنی تجارت) محفوظ رہینگے۔

۷۔ انکی زمین محفوظ رہے گی۔

۸۔ تمام چیزیں جو انکے قبضہ میں تھیں بحال رہینگی۔

۹۔ پادری رہبان گرجوں کے پجاری اپنے عہدوں سے برطرف نہ کئے جائینگے۔

۱۰۔ صلیبوں اور مورتوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائیگا۔

۱۱۔ اُن سے عشر نہیں لیا جائیگا۔

۱۲۔ انکے ملک میں فوج نہیں بھیجی جائے گی۔

۱۳۔ پہلے سے انکا جو کچھ مذہب اور عقیدہ تھا وہ بدلوایا نہیں جائیگا۔

۱۴۔ انکا کوئی حق جو پہلے سے انکو حاصل تھا زائل نہیں ہوگا۔

۱۵۔ جو لوگ اسوقت حاضر نہیں ہیں یہ احکام انکو بھی شامل ہونگے۔

(رسائل شبلی ص۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ناراضگی کا اظہار

ایک دفعہ ایک صحابی نے وحشی سے کہا کہ ہم لوگوں سے تم حضرت حمزہ کی شہادت کا حال تو بیان کرو۔ اس نے کہا سنو۔ وہ قصہ یوں ہے کہ جب حضرت حمزہؓ نے بدر کے دن طعیمہ کافر کو مار ڈالا۔ تو میرے آقا جبیر بن مطعم نے مجھ سے یوں کہا کہ اگر تو میرے چچا طعیمہ کے بدلے حمزہ کو کسی طرح قتل کر دے۔ تو میں تجھے آزاد کر دوں گا۔ میں نے یہ شرط منظور کرلی۔ اور اُحد کی جنگ کے وقت کفار کے لشکر کے ساتھ ہو لیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو سباع نامی ایک بہادر نے میدان میں نکل کر کہا کہ کسی مسلمان کی ہمت ہے جو مجھ سے دو دو ہاتھ کرے۔ یہ سنکر حضرت حمزہ اسکے سامنے آئے اور فرمانے لگے کہ اے سباع! ختنہ کرنے والی عورت کے بیٹے۔ تو بھی اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرنے نکلا ہے لے اب اسکا مزا چکھ۔ یہ کہکر حضرت حمزہ نے اس پر حملہ کیا۔ تو وہ کمبخت ایک ہی وار میں ٹھنڈا ہو گیا۔ اسکے بعد میں ایک پتھر کی آڑ میں حضرت حمزہؓ کی تاک میں بیٹھ گیا۔ جب وہ کفار کو مارتے اور قتل کرتے میرے نشانہ پر آئے تو میں نے اپنا نیزہ پھرا کر ان کو مارا۔ جو ان کے پیٹ کو پھاڑ کر پیچھے توڑ کر پار نکل گیا۔ اور وہ وہیں شہید ہو گئے پھر میں خیمہ میں جا بیٹھا۔ زیادہ لڑائی نہیں کی۔ جب لشکر کفار مکہ میں آیا تو میرے مالک نے مجھے آزاد کر دیا۔

اور میں مکہ میں ہی رہنے سہنے لگا۔ پھر جب مکہ میں فتح کے بعد سب لوگ مسلمان ہو گئے تو میں طائف کو چل دیا۔ جب طائف والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے قاصد بھیجے اور مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں کو کچھ نہیں کہتے۔ تو میں بھی طائف کے قاصدوں کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے مجھے دیکھا۔ تو فرمایا وحشی تو ہی ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا میرے چچا حمزہؓ کو تو نے ہی شہید کیا تھا۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا تو اتنی مہربانی کر سکتا ہے کہ میرے سامنے نہ آیا کرے۔ میں نے جب یہ سنا تو میں وہاں سے چلا آیا۔ اور پھر آپ کے سامنے نہ گیا۔ اسکے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی۔ اور مسیلمہ کذاب نے جھوٹا دعوے نبوت کا کیا۔ تو میں نے خیال کیا کہ چلو میں بھی چلوں اور اس جھوٹے کو مار کر حضرت حمزہؓ کے قتل کا بدلہ اتار دوں۔ سو میں بھی مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ہو لیا۔ میدان جنگ میں میں نے مسیلمہ کو دیکھا کہ ایک دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کا اونٹ [illegible] آدمی۔ میں نے وہی اپنا برچھی پھر اکر ویسی تاک کر ماری۔ اسکی چھاتی میں گھس کر پیٹھ کے پار نکل گئی۔ اتنے میں ایک انصاری نے دوڑ کر اسکا سر بھی تلوار سے اڑا دیا۔

معترض اتنی بات نوٹ کریں کہ اپنے چچا کے قاتل پر زیادہ سے زیادہ غصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ظاہر فرمایا کہ "وحشی تو اتنی مہربانی کر سکتا ہے کہ میرے سامنے نہ آیا کر۔"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کتنے بے طمع اور خطائیں معاف کر دینے والے تھے

بعض مخالفان اسلام نے ناکافی معلومات کی بنا پر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کا فدیہ لیکر رہا کر دیا جو مشرکین قیدی ہوئے تھے یہ ثابت کیا کہ آپ نے [illegible] یا انتقام لینے کے واسطے مقرر کیا ہے۔ حالانکہ آپ کی زندگی کے تمام حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام سے بڑھ کر بے طمع اور رحیم اور معاف کر دینے والا دوسرا شخص پیدا نہیں ہوا۔ قرآن [illegible] وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ کہ آپ [illegible] اسلام و اسیران جنگ سے [illegible]

اقوام سابقہ نے فدیہ کو تحصیل زر کے طور پر پسند کیا ہے لیکن اسلام نے محض بطور احسان ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے ایک سردار کی نعش طلب کی اور فدیہ پیش کیا۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اگر فدیہ سے مطلب طلب منفعت ہوتا تو کہ احسان تو یہ سودا زیادہ فائدہ مند ہوتا۔

حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اکثر مرتبہ بغیر زرفدیہ ہی اسیرانِ جنگ کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ قبیلہ بنی مصطلق کے بعض لوگوں کو آپ نے بلا فدیہ بطور احسان رہا فرمایا تھا۔ شہزادی جویریہ بنت حارث سردار یہود کو بھی بلا زرِ فدیہ آزاد کیا گیا۔ حالانکہ وہ ایک مجاہد کے حصہ میں آچکے تھے خود حضور نے اپنے پاس سے زر فدیہ ادا کر کے اُسے رہا کرایا۔

اہل یمامہ کا سردار ثمامہ بن آثال جو نہایت امیر کبیر آدمی تھا۔ جب گرفتار ہو کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوا۔ تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کیا ہے۔ اس نے کہا اگر آپ قتل کرنا چاہیں تو میری گردن میں خون موجود ہے۔ اگر آپ احسان کرنا چاہتے ہیں تو زبان شکر گذار۔ اور اگر زر فدیہ کی ضرورت ہے تو بہت سا مال بسہولیت دے سکتا ہوں۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے کسی معاوضہ کے بغیر آزاد کر دیا۔ اگر طلب منفعت منظور ہوتا تو اس سے خاطر خواہ زر فدیہ مل سکتا تھا۔ اور وہ خود بھی دینے کو تیار تھا۔ لیکن آپ نے احسان کو ترجیح دی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ثمامہ فوراً ایمان لے آیا۔

غزوہ دومۃ الجندل میں ایک سو عورتیں اور بچے گرفتار ہو کر بطور اسیران جنگ لائے گئے۔ حضرت رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں بغیر کسی خفیف معاوضہ کے آزاد کر دیا۔ غزوہ بنی تمیم وہوازن میں گیارہ عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہو کر آئے۔ حضرتؐ نے انکو بھی آزاد کر دیا۔

مالِ غنیمت و قیدیوں کی واپسی

غزوہ ہوازن میں مال غنیمت کے علاوہ چھ ہزار اسیرانِ جنگ مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مال غنیمت کی واپسی کی درخواست کی۔ تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال غنیمت اور قیدی دونوں واپس نہیں کیے جا سکتے (کیونکہ اس میں مجاہدین کی حق تلفی تھی) ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرو۔ ان لوگوں نے قیدیوں کی آزادی کو پسند کیا لیکن مشکل یہ پڑی کہ قیدی مجاہدین میں تقسیم کیے جا چکے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسوقت ایک خطبہ پڑھا۔ اور ضمناً فرمایا کہ جو لوگ قیدیوں کو بطیب خاطر بے معاوضہ واپس کرنا چاہیں وہ یوں ہی واپس کر دیں۔ اور جو لوگ مالی معاوضہ کی خواہش کریں وہ ذرا صبر سے کام لیں۔ میں اپنے حصے کے مال غنیمت سے فی قیدی سوا سو اونٹ تمکو دوں گا۔ لیکن صحابہ نے سب قیدیوں کو بلا معاوضہ ہی آزاد کر دیا۔

قاتلوں کے ساتھ سلوک

(۱) بعض بزدل کفار نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کمینگاہوں سے حملے کیے

مگر جب وہ گرفتار ہوکر آئے تو انہیں معاف و آزاد کر دیا گیا۔

۲۔ کفار مکہ کے اسی آدمیوں کی ایک جماعت نے نماز فجر میں حضور پر قاتلانہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن صحابہ نے انہیں گرفتار کرکے حضور میں پیش کیا۔ مگر آپ نے بلا کسی شرط اور معاوضہ کے انہیں آزاد کر دیا۔

۳۔ عہد نبوت میں متعدد قبائل کے غارتگروں نے ایک جتھا قائم کر لیا تھا۔ آخر کار یہ لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوکر دربار رسالت میں پیش ہوئے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی رہائی کا حکم دیا۔

۴۔ کفار قریش نے حضرت رسولکریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی جماعت پر جو جو ستم ڈھائے انہیں سنکر آج بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کو کامل اقتدار حاصل تھا تمام قریش کی جانیں انکے رحم پر تھیں۔ قریش کے مظالم انکی آنکھوں کے سامنے خوفناک انتقام کے نظارے پیش کر رہے تھے۔ اور یہ سہمے ہوئے تھے کہ ہمارا قتل عام کیا جانا ضروری ہے۔ یا ہم سب کو پھانسی دیجائیگی لیکن اس تمام جماعت کو معاف کر دیا گیا۔ ان میں سے بعض لوگوں نے ایسے خوفناک جرائم کیے ہوئے تھے کہ انصاف انکی ہرگز جان بخشی نہیں کر سکتا تھا۔

ہبار۔ اس کمبخت نے حضرت زینب (بنت رسول) کے نیزہ مارا تھا۔ اس صدمہ سے آپکا حمل ساقط ہوگیا اور بالآخر وفات پائی۔ قریش کا خیال تھا کہ وہ بے معاوضہ نہیں چھوڑا جائیگا۔

عبداللہ بن ابی سرح۔ کہتا کہ وحی میرے پاس آتی ہے۔ اور محمدؐ مجھے [illegible] کس قدر سنگین جرم اور کتنا بڑا اتہام تھا۔ لیکن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی بھی جان بخشی کی۔

عکرمہ بن ابوجہل۔ خود اس نے اور اسکے باپ نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ بہت سے نقصانات اور مصائب کے بانی تھے۔ خود عکرمہ کو اپنے جرائم کا اندازہ کرتے ہوئے خلاصی کی امید نہ تھی۔ اسی خیال سے وہ فرار ہو گیا تھا۔ اسکی بیوی [illegible] میں حاضر ہوکر معافی کی طالب ہوئی۔ آپ نے اسکی بھی جان بخشی فرمائی۔

وحشی۔ قاتل عم رسولؐ (حضرت امیر حمزہؓ) کہ جس [illegible] کیا تھا۔ حضرت رسولکریم صلے اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا۔

ہندہ۔ اس سنگدل عورت نے حضرت حمزہؓ کی نعش چیر کر کلیجہ نکالا اور [illegible] سے چبایا تھا۔ شوہر کے مسلمان ہونے کی خبر سنکر اسکی ڈاڑھی نوچی تھی۔ فتح مکہ کے وقت [illegible] قریش کو [illegible]

مقابلہ پر آمادہ کیا تھا۔ بایں ہمہ جب وہ شرمندہ ہو کر سر افگندہ دربار نبوی میں حاضر ہوئی تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکے تمام قصور معاف کر کے اسکی جان بخشی کی۔

قیدیان جنگ سے سلوک

غزوہ بدر میں عباس برہنہ تھے آپ نے عبد اللہ بن سلول کی قمیص لیکر انہیں پہنائی۔ قبیلہ بنی ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کپڑے پہنا کر واپس کیا۔

قیدیوں کے جذبات کا لحاظ

حالت قید میں جب بیٹے کو باپ سے جدا کیا جاتا ہے تو کیسا شاق گذرتا ہوگا ایسے ہی بھائی کو بھائی سے اور شوہر کو بیوی سے۔ اسلام نے ہمیشہ قیدیوں کو ان کے اعزہ کے ساتھ رکھنے کا انتظام کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک لونڈی کی لڑکی کو اس سے علیحدہ کرنا چاہا۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا۔

اسلام نے قیدیوں کے مذہبی جذبات اور عقائد سے تعرض نہیں کیا۔ مدینہ میں یہود کے مذہبی اثر نے اس حد تک ترقی کی تھی کہ اگر کسی عورت کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ یہ نذر مانتی تھی کہ اگر اسکا بچہ زندہ رہیگا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی۔ جب آنحضرتؐ نے یہودی قبیلہ بنی نضیر کو جلا وطن کیا تو ان میں اسکے بہت سے بچے تھے۔ پس انصار نے انکو روکنا چاہا لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ قرآن کریم میں لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا ارشاد ہے۔

جہاد کی مصالحت

شاہ عبد القادر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "لڑائی کافروں سے اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور دین سے گمراہ نہ ہو سکیں۔ اور حکم اللہ کا جاری رہے۔ اگر تابع ہو کر رہیں تو لڑائی کی حاجت نہیں۔ اور ایمان تو دل پر موقوف ہے زور سے مسلمان کرنا کیا حاصل"۔ یہاں سے مسلمانوں کے جہاد کی اصلیت معلوم ہوتی ہے کہ کسی دینی مجبوری کی حالت میں جہاد کی اجازت ہے۔ اور لڑائی کی صورت میں بھی زیادتی کی مناہی۔ ان احکام کے ہوتے ہوئے جہاد پر کسی طرح کا اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ الحقوق والفرائض ج ۲ ص ۳۹

مسلمان کن لوگوں سے لڑیں اور دشمنی کریں

قرآن مجید میں اس قسم کے بھی اکثر الفاظ آئے ہیں کہ کافروں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ تمام کافروں سے لڑو۔ کافر خدا کے دشمن ہیں"۔ ان آیتوں سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ ہر مخالف مذہب سے دشمنی رکھنا مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ اس بنا پر بعض متعصب مسلمانوں نے قرار دیا کہ پہلی قسم کی آیتیں منسوخ ہو گئیں۔ لیکن اس

تناقض کو خدا نے خود رفع کر دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔
"جو لوگ تم سے مذہبی لڑائی نہیں لڑے اور تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا انکی نسبت خدا تمکو احسان سے منع نہیں کرتا کہ تم انکے ساتھ بھلائی کرو۔ اور انکے ساتھ انصاف کرو۔ خدا تو تم کو اُن لوگوں سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تم سے لڑائی لڑے اور تمکو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر اعانت کی۔ جو لوگ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں وہ ظالم ہیں"۔

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بجز اس صورت کے کہ مخالفین مذہب مسلمانوں سے لڑائی لڑیں اور انکو انکے ملک سے نکالدیں۔ یا نکالدینے پر اعانت کریں۔ اور کسی صورت میں ان سے دوستی رکھنا یا انکے ساتھ بھلائی کرنا ممنوع نہیں۔ عیسائی اور بعض اور مذہبوں میں بظاہر اس سے زیادہ فیاضانہ احکام نظر آتے ہیں لیکن یہ اس قسم کی باتیں ہیں جو بظاہر نہایت خوشنما ہیں لیکن واقع میں فضول ہیں کیونکہ فطرت انسانی کے خلاف ہیں۔ اور اس وجہ سے عملی صورت میں کبھی انکا ظہور نہیں ہو سکتا۔ اسلام کو جو تمام مذاہب پر ترجیح ہے وہ اس بنا پر ہے کہ وہ افراط و تفریط دونوں سے الگ ہے۔ اور اسکے جسقدر احکام ہیں تمام فطرت انسانی کے موافق ہیں (الکلام۔ مولانا شبلی صفحہ ۱۶۵-۱۶۷)

دشمنوں سے ایذا پاکر ان کے لیے رحم کی دعا کی

طائف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ اور تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے حضور پر کیچڑ پھینکا۔ آوازے لگائے۔ اتنے پتھر مارے کہ حضور لہو سے تر بتر اور بیہوش ہو گئے۔ پھر بھی آپ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ کیونکہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ انکی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔ جنگ اُحد میں کافروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت توڑے۔ سر پھوڑا۔ حضور ایک غار میں بھی گر گئے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ان پر بد دعا فرمائیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا۔ مجھے لوگوں کو اپنی بارگاہ [illegible] رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اسکے بعد دعا فرمائی۔ اے خدا میری قوم کو ہدایت فرما کہ وہ مجھے نہیں جانتے۔ (رحمۃ للعالمین)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کیا خلفائے راشدین نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی تمیز روا رکھی؟ تاریخ زور سے اسکا

نفی میں جواب دیتی ہے۔ ذیل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کے چند رواداری اور انصاف پروری کے مضامین درج کیے جاتے ہیں:۔

جنگ میں کفار دشمن سے سلوک

حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ اول جب یزید کو فوج اسلام کا سپہ سالار کر کے بھیجنے لگے تو آپ نے رخصت کرنے کے وقت خصوصیت سے آپ سے ہدایت فرمائی۔

"اپنے سپاہیوں سے مہربانی اور اخلاق سے سلوک کرنا۔ ان سے ہر ایک معاملہ میں انصاف کرنا۔ انکے خیالات اور رائی کو پوچھ لینا۔ بہادری سے لڑنا اور دشمن پر پیٹھ کبھی نہ پھیرنا۔ جب فتحمند ہو جاؤ تو بوڑھوں کو تکلیف نہ دینا۔ اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرنا۔ کھجور کے درختوں بلکہ کسی قسم کے پھل والے درختوں کو برباد نہ کرنا۔ غلہ کے کھیتوں کو مت جلانا۔ کسی مویشی کو سوائے ضرورت خوراک کے ذبح نہ کرنا۔ ہر وعدہ اور معاہدہ کو نہایت احتیاط سے ایفا کرنا۔ تمام مذہبی آدمیوں کو جو خانقاہوں اور دیروں میں رہتے ہوں (یعنی عیسائی راہبوں وغیرہ کی) عزت کرنا۔ اس طرح نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے خلیفہ نے جنگ کی سختیوں کو محسوس کر کے ایسے منصفانہ عادلانہ اور بہادرانہ احکام دشمن کے حق میں دیئے ہیں کہ آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی جرمنی اور دیگر عیسائی دول نے موجودہ جنگ میں ان میں سے کسی کی بہت کم پرواہ کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایروپلینوں دشمن پر بم پھینکنے میں ہرگز ان باتوں کی رعایت نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے سرحد شمال مغربی کے فسادات میں انگریزی افواج نے عرصہ تک ایروپلینوں سے دشمنوں پر بم برسائے ہیں کہ جنہیں حضور ہو کر بے تعصبی اور عدل وانصاف کی خوبیاں مسلمانوں میں تھیں کہ جنکی بدولت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک ربع صدی میں ایک دنیا انکی مطیع ہو گئی۔ ظلم زبردستی اور گردنیں کاٹنے سے کبھی پر امن سلطنت قائم نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی شمشیر سے پھیلایا ہوا مذہب قائم رہ سکتا اور ترقی کر سکتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی میدان جنگ کے لئے مہذبانہ نصائح

مندرجہ بالا واقعہ کو سر ولیم میور نے اپنی کتاب "اینالز آف ارلی کیلیفیٹ" میں یوں بیان کیا ہے کہ پہلی مہم جو حضرت ابو بکرؓ نے عہدہ خلافت اختیار کرنے کے بعد دشمنوں کے خلاف بسر کردگی حضرت اسامہؓ بھیجی اس میں دشمنوں اور کافروں سے سلوک کرنے کی حسب ذیل ہدایات فرمائیں۔ اسامہؓ کو

مخاطب کرکے خلیفہ اول نے فرمایا:۔

دغابازی اور فریب سے پرہیز کرنا۔ صداقت سے کسی طرح روگرداں نہ ہونا۔ کسی کے اعضاء نہ کاٹنا۔ کسی بچے یا بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے درخت کو نقصان نہ پہنچانا۔ نہ اُسے آگ سے جلانا اور کسی درخت کو نہ کاٹنا کہ جس میں انسان یا حیوان کے لئے خوراک موجود ہے۔ بھیڑ بکری کے ریوڑوں یا مویشی کے گلوں یا اونٹوں کو نہ قتل کرنا جو بوقت ضرورت غذا کے کام آسکتے ہیں۔ تم اس غذا کو اسپر خدا کا نام لیکر کھا لینا جو اگر زمین کے رہنے والے تمہارے پاس اپنے برتنوں میں لائیں اور راہب منڈے ہوئے سروں والے جو اپنے دیروں میں زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ اگر وہ تابعداری قبول کریں تو انہیں انکے حجروں میں بغیر ستانے کے رہنے دینا۔ اب خدا کا نام لیکر آگے قدم بڑھاؤ۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں تلوار اور وبا سے محفوظ رکھے۔

عیسائی اور یہودی رعایا سے مسلمانوں کا منصفانہ سلوک

مسلمانوں کی بے تعصبی اور عدل وانصاف کے عیسائی اور یہودی شروع میں ہی اسقدر معتقد ہو گئے تھے کہ وہ انکی رعایا بنکر رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں بیان کیا ہے کہ جب رومی قیصر ہرقل نے اپنا لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے یرموک کو روانہ کیا اور مسلمانوں کو جب اس حملہ کی خبر ملی تو حضرت ابو عبیدہؓ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر فوج تھا حکم دیا کہ اہل حمص سے جو کچھ خراج لیا گیا تھا انہیں واپس کر دیا جائے۔ جو کئی لاکھ کی رقم تھی اور انہیں کہا جائے کہ چونکہ ہم اس معرکہ کی وجہ سے تمہاری حفاظت نہیں کر سکیں گے کہ جس حفاظت کے عوض میں ہم نے تم سے خراج لیا تھا اسلئے تمہارا خراج رکھنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ تم اپنی حفاظت کا جس طرح چاہو خود بندوبست کرو۔ چنانچہ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش میں کہتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔ ہمیں آپ لوگوں کی حکومت اور انصاف زیادہ پسند ہے بہ نسبت اپنے رومی قیصر کے۔ ہم لوگ خود ہرقل کے لشکر کو گرفتار کرکے تمہارے حوالہ کر دینگے۔ یہودیوں نے کہا کہ ممکن نہیں ہمارے شہر حمص میں ہرقل کا لشکر داخل ہو۔ اور ہم اُسے گرفتار نہ کرلیں۔ اور آخر کو ایسا ہی ہوا۔ ان لوگوں نے شہر کے دروازے بند کرکے ہرقل کا لشکر حراست میں کر لیا۔ اسی طرح جن جن عیسائیوں اور یہودیوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا سب نے اپنے اپنے شہروں میں انکا لشکر قید کر لیا۔ اور کہنے لگے کہ اگر ہرقل کا لشکر مسلمانوں پر غالب آگیا تو ہمیں پھر ویسی ہی ظالمانہ حکومت کی اطاعت کرنی پڑے گی جیسی کہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے تھی۔ (سوانح ابوبکر از فتوح تاریخ شامی مصر)

کیا یہ انصاف و بے تعصبی کی حکومت تھی یا کہ تلوار کی حکومت۔

مفتوح دشمن کو ہرگز قتل نہ کرو

پہلے اہل فارس و اہل روم کا قاعدہ تھا کہ جس دشمن کا ملک فتح کرتے وہاں قتل عام کر دیتے یا لوگوں کو جلا ڈالتے تھے۔ مگر اسلام نے ان لغو باتوں کو ناجائز قرار دیا۔ جس وقت مسلمانوں نے روم پر فتح پائی تو انہوں نے چاہا کہ ہم بھی ان عیسائیوں سے ویسا ہی سلوک کریں جو یہ مفتوح اقوام سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور شرجیل نے شام کی ایک لڑائی میں ایک بطریق (پیٹریارک) کا سر کاٹ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس بطور اطلاع فتح کے بھیجا حضرت نے اسے سخت ناپسند کیا۔ قاصد نے کہا وہ ہمارے ساتھ پہلے یہی معاملہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اہل فارس و روم کے طریقہ پر عمل کرو گے؟۔

حضرت خلیفہ اول نے گرجا کی سیڑھیوں پر نماز ادا کی

حضرت عمرؓ کے بیت المقدس کے عیسائی گرجا میں باوجود وہاں کے بطریق کے درخواست کرنے کے نماز نہ پڑھنے کا واقعہ حضرت عمرؓ کے واقعات میں درج ہے۔ لیکن اسی سے ملتا جلتا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت بھی حسب ذیل تاریخی واقعہ نظر سے گذرا ہے۔ ایک دفعہ آپ کا گذر ایک کلیسا کے پاس ہوا۔ جبکہ نماز کا وقت ہو گیا تھا تو آپ نے کلیسا کی سیڑھیوں پہ نماز ادا فرمائی۔ بعض لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے اس گرجا کے اندر جا کر کیوں نماز ادا نہ کی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کلیسا ہے اگر میں اسکے اندر داخل ہو کر نماز پڑھ لیتا تو اس کلیسا کا وجود نہ رہ جاتا۔ بلکہ مسجد بن جاتا۔

حضرت ابوبکر کافر بیٹے سے کیا کرتے؟

حضرت ابوبکرؓ کے ایک بیٹے شروع میں اسلام کے سخت مخالف تھے۔ ایک لڑائی میں وہ مسلمانوں کے مقابل پر لڑے جب لڑائی ہو چکی اور کچھ عرصہ گذر گیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ ایک دن وہ ہنسکر حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگے۔ ابا جان! فلاں لڑائی کے موقعہ پر آپ بالکل غافل جا رہے تھے۔ اور میں ایک پتھر کے پیچھے چھپا ہوا اس تاک میں بیٹھا تھا کہ کوئی مسلمان گذرے تو اسے ماروں۔ اس موقعہ پر میں نے دیکھا کہ آپ گذر رہے ہیں میں نے ہاتھ روک لیا۔ اور دل میں کہا۔ آپ تو میرے باپ ہیں آپ پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سنکر کہنے لگے۔ خدا کی قسم اگر اس وقت میں تجھے دیکھ لیتا۔ تو وہیں ڈھیر کر دیتا۔

فاروق اعظمؓ کی سیاست قاہرہ

"خلافت راشدہ میں کیا بلحاظ مدت اور کیا بلحاظ کارہائے نمایاں حضرت عمرؓ کا بمقابل دیگر خلفائے راشدین زیادہ اہم حصہ شامل ہے۔ اسلئے حضرت کی زندگی کے نہ صرف غیر مسلموں سے رواداری کے جو امور ان اوراق میں درج کیے جاتے ہیں۔ بلکہ مندرجہ ذیل مختصر کیفیت آپ کی عام زندگی کے متعلق بھی شامل کی جاتی ہے۔ محبوب عالم"

گو خلیفہ عمرؓ عرب۔ شام۔ مصر۔ روم و ایران کے شاہنشاہ تھے۔ اس وقت کے بڑے بڑے مقتدر سلاطین آپ کے نام سے لرزہ براندام تھے۔ مگر آپکا حال کیا تھا؟ وہی سلطان اعظم ننگے سر اور ننگے پاؤں بازاروں میں پھر رہا ہے۔ بیواؤں کا سودا سلف اپنے کندھے پر اٹھائے لئے جا رہا ہے۔ وہی فاتح شام پتھر کی سیڑھیوں پر دھوپ تاپ رہا ہے۔ وہی مصر کا شہنشاہ اپنے ہاتھ سے اینٹیں بنا رہا ہے۔ اور پاؤں سے لیکر گھٹنوں تک کیچڑ میں آلودہ ہے۔ وہی روم کا فرمانروا مشک اٹھائے لوگوں کو پانی پلا رہا ہے۔ وہی ایران کا کسریٰ سخت دھوپ میں بیت المال کا گم شدہ اونٹ تلاش کر رہا ہے۔ لیکن اس قدر سادگی اور منکسر المزاجی کے باوجود اسکے رعب و داب کا یہ حال ہے کہ جب غیر ملکوں کے سفیر اسکے سامنے حاضر ہوتے ہیں تو تھر تھر کانپتے ہیں۔

یہی خلیفہ اسلام جب فتح شام کے وقت بیت المقدس میں داخل ہوا تو اسکے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ اسکے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی۔ غلام اونٹ پر سوار تھا۔ اور وہ پیدل۔ لیکن اس حالت میں بھی رعب کا یہ عالم تھا کہ دشمن بید کی طرح لرزاں تھے۔ جب ایرانیوں نے اپنا آخری دربار انتہائی شان و شوکت سے منعقد کیا ہے۔ اور اس میں ایک مسلمان سفیر دعوت حق کے لئے گیا۔ وہ منظر بھی [illegible] مسلمان سپاہی اپنے نیزے کی نوک سے ریشمی قالینوں کو چھیدتا ہوا بے خوف و خطر بادشاہ کے برابر بیٹھتا ہے۔ لوگ معترض ہوتے اور سختی سے پیش آتے ہیں۔ وہ کیا اچھا جواب دیتا ہے۔ کہتا ہے میں بلایا گیا تھا مہمان ہوں۔ بلانے پر آیا ہوں۔ میرا احترام تم پر واجب ہے۔ بادشاہ کے برابر بیٹھنے کا [illegible] تو آپ نے فرمایا ہم مسلمانوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک آدمی کو خدا بنا کر اونچے عرش پر بٹھائیں اور دوسرے

ہمارا خلیفۃ المؤمنین ہم میں سے ایک ہے۔ اگر وہ کوئی جرم کرے تو اُسے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ویسی ہی سزا دی جائے گی۔

دربار ایران میں فاروقی سفیر کی یہ آزادہ گفتگو کس وجہ سے تھی؟ یہ فاروق اعظم رضؓ کی سیاست کا کرشمہ تھا۔ اسی کی مثال حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ بھی ہے جب آپ فارس کی لڑائی کا نتیجہ سننے کے لئے مضطربانہ شہر سے باہر نکل آتے تھے۔ اور آپ کو وہاں کا ایک سوار ملگیا۔ آپ نے السّلام علیکم کہکر جنگ کا حال دریافت کیا۔ تو وہ سواری ہی کی حالت میں بے تکلف جواب دیتا رہا۔ اور حضرت ساتھ ساتھ بھاگتے چلے آئے۔ اسی رنگ میں جب شہر میں آ گئے تو کسی نے آپ کو امیر المؤمنین کہکر السّلام علیکم کہا۔ تو سوار حیران ہو کر نیچے اُترنے لگا۔ تو آپ نے فرمایا نیچے اُترنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ تم گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے بات کرتے چلو۔

یہ ہے وہ خلیفۃ المسلمین سلطان بحر و بر جسکی ہیبت سے بڑے بڑے خود سر بادشاہ کانپتے ہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسقدر عظمت و جبروت کا بادشاہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اُسے خدا کا خوف ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں بیت المال کا روپیہ اپنے ذاتی تجمل پر صرف کروں تو مبادا قیامت کے دن مستحقین کی فاقہ کشی کے باعث باز پرس ہو۔

ایک رات گشت کرتے ہوئے کسی بدوی کے خیمہ کی طرف جا نکلے۔ بدوی خیمے سے باہر بیٹھا تھا۔ آپ بھی اسکے قریب بیٹھ گئے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ اندر سے کسی عورت کے کراہنے کی آواز آتی تھی۔ آپ نے بدوی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسکی عورت کے بچہ ہونے والا ہے۔ درد زہ میں مبتلا ہے۔ آپ اپنے گھر واپس گئے اور اپنی زوجہ محترمہ کو جو نصف دنیا کے سلطان کی ملکہ تھی ساتھ لائے بدوی سے اجازت لیکر اسے اندر بھیج دیا۔ اور خود بدوی کے پاس خیمے کے باہر بیٹھ گئے۔ ملکۂ جہاں اُس صحرا نشین عورت کی خدمت کرتی ہے۔ بچہ بخیر و عافیت پیدا ہو جاتا ہے۔ تو بدوی کو مبارکباد دیجاتی ہے۔ لگے ہاتھوں بچے کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور رات کو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے گھر تشریف لیجاتے ہیں۔ ان سے فرماتے ہیں کہ شہر کے باہر ایک قافلہ اترا ہے آؤ انکی حفاظت کریں۔ مدینہ منورہ میں ایک قافلہ آتا ہے۔ اسکی ابوبکرؓ کے سیر لئے خود شہنشاہ اسلام پہرہ دیتا ہے۔ اچانک ایک طرف سے شیر خوار بچے کے رونے کی آواز سنکی والدہ سے بار بار اسکے بہلانے کو کہتے ہیں۔ آخر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ماں روزینہ کی

قبل از وقت بچے کا دودھ چھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ اسلئے وہ معصوم چلاتا ہے۔ آپ نہایت رنج سے کف افسوس ملتے ہیں کہ میرا یہ حکم بہت سے بچوں کی تکلیف کا باعث ہوا ہوگا۔ اعلان کر دیا کہ آج سے جس روز بچہ پیدا ہوا کرے اُسی روز سے روزینہ مقرر کر دیا جایا کرے۔

ایک دفعہ رات کو قحط کے ایام میں اپنے غلام کو ساتھ لیکر مدینے سے تین میل دور ایک مقام پر پہنچے۔ ایک مکان کے اندر گیا دیکھتے ہیں کہ عورت نے چولہے پر ہنڈیا رکھی ہے اور بچے ارد گرد رو رہے ہیں۔ وہ ان کو تسلی دے رہی ہے کہ ابھی کھانا تیار ہوا جاتا ہے۔ فاروق اعظم نے بڑھ کر دریافت کیا۔ تو بولی کہ گھر میں کچھ نہیں ہے اور بچے تین دن سے بھوکے ہیں۔ اسلئے انکی تسلی کے لئے خالی ہنڈیا چولہے پر رکھدی ہے۔ آپ یہ سنکر تھرا گئے اور فوراً بیت المال میں آئے اور آٹا گھی کھجوریں وغیرہ خوردنی چیزیں لے کر غلام سے فرمایا کہ ان اجناس کو میری پیٹھ پر لادو۔ غلام نے عرض کیا۔ حضور! میں لئے چلتا ہوں۔ آپ نے کہا اور کیا خوب کہا کہ قیامت کے دن بھی تو میرا بوجھ اُٹھائیگا؟ جانتے ہو یہ کون ہے؟ جو مزدور کا کام خود کر رہا ہے۔ اور غلام کی بجائے خود ان اشیاء کو اپنی پیٹھ پر لادے لئے جاتا ہے۔ یہ امیر المؤمنین فاروق اعظم ہیں رضی اللہ عنہم۔

آپ نے ایک ذمی کو در بدر بھیک مانگتے دیکھا۔ تو سبب دریافت کیا۔ تو اس نے کہا کہ مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے۔ اور میں اُسے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت اُسے اپنے ساتھ گھر لائے اور کچھ نقدی عطا کی۔ پھر بیت المال کے خزانچی کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے وظیفہ مقرر کر دینا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وہ انصاف کا یہ اقتضا نہیں کہ ہم ان لوگوں کی جوانی سے فائدہ اُٹھائیں اور بڑھاپے میں نکال دیں۔

آپ ہمیشہ اپنے سپہ سالاروں کے نام یہ تاکیدی احکام لکھا کرتے تھے کہ جنگ کے دوران میں عورتیں بڈھے اور گوشہ نشین قتل نہ کئے جائیں۔ پھلدار درختوں اور آباد عمارتوں کو تباہ نہ کیا جائے۔ غیر مذہب کے لوگوں کو انکے دینی اعمال میں آزاد رکھا جائے۔ عاملوں (گورنروں) کو فرمانوں میں یہ ہدایات لکھی جاتیں کہ ترکی گھوڑا نہ چادر اوڑھو اور موٹے کپڑے پہنو۔ پھٹ جائیں تو پیوند لگاؤ۔ دھوپ کے عادی بناؤ۔ اسمٰعیلی (عربی) لباس اپنا شعار بناؤ۔ عجمی (ایرانی) لباس اور عیش و عشرت سے پرہیز کرو۔

ایک دفعہ عید الفطر کے دن لوگوں نے حضرت فاروق کو ایسے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا جن میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور آپ برہنہ پا بازار میں جا رہے تھے۔ وہ حیران ہو کر سبب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ عزت کے لئے اسلام ہی کافی ہے۔

بیت المال کی حفاظت آپ کے سپرد تھی۔ جب احنف بن قیس مہم عراق سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ حضرت اپنی چادر کمر سے باندھے عین دوپہر کے وقت صدقہ کا گم شدہ اونٹ تلاش کر رہے ہیں۔ آپ نے احنف سے بھی کہا کہ آؤ بھائی اسے تلاش کریں کہ یتیموں اور بیواؤں کا حق ہے۔ کسی نے عرض کی حضرت آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ بیت المال کے ملازم خود ہی ڈھونڈھ لائیں گے۔ فاروق اعظم نے فرمایا مجھ سے اور احنف سے اچھا نوکر کون ہوگا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ نے دوپہر کے وقت جب کہ پرندوں کے پر جلتے تھے آپ کو غرفے سے دیکھا کہ ایک شخص نیلی چادر سر سے باندھے دو اونٹ لئے جارہا ہے۔ فرمایا اس شخص کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ ایسی گرمی میں اونٹ لیجانے کی زحمت اٹھا رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ حضرت عمرؓ ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ امیر المؤمنین! آپ اس وقت کہاں جاتے ہیں۔ لائیے میں آپ کا کام کئے دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ بیت المال کے اونٹ چراگاہ کو بھیجے تھے۔ ان میں سے یہ دو رہ گئے ہیں۔ آپ آرام فرمایئے میں پہنچائے دیتا ہوں۔

اللہ اللہ! خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود فاروق اعظم نے کس سادگی اور جفاکشی سے زندگی بسر کی۔ اور خلق اللہ کی خدمت کے لئے کس طرح مستعد اور کمربستہ رہے۔

قیصر روم نے اپنے ایک سفیر کو ہدایت کر کے بھیجا کہ اگر موقع ملے تو امیر المؤمنین کا سر قلم کر دینا۔ جب وہ مدینہ میں پہنچا تو اسے خیال آیا کہ میں قصر خلافت تک کیونکر پہنچ سکوں گا۔ جب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کسی خاص محل یا آراستہ مکان میں آرام نہیں فرماتے بلکہ فقیرانہ طور پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب سفیر مذکور حضرت فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ فرش خاک پر سو رہے ہیں۔ دیکھتے ہی بدن پر رعشہ پڑ گیا۔ اور اس پر رعب خلافت طاری ہوا کہ ایک حرف تک زبان پر نہ آسکا۔

آپکا فرزند ابوشحمہ شراب پیتا ہے۔ دربار خلافت میں شکایت پہنچتی ہے۔ حضرت فاروق کا چہرہ غصے سے سرخ ہو جاتا ہے۔ حکم دیتے ہیں کہ اسکو پکڑ لاؤ۔ حاضر ہوتا ہے تو اسپر شرع کی حد (۸۰ درے) لگا دی جاتی ہے۔ کہرام مچ جاتا ہے کہ اسکی بجائے ہمیں درے لگا لیجئے۔ اسکا نازک جسم اتنی بڑی سزا برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر وہ انصاف مجسم مصر ہوتا ہے کہ جس نے جرم کیا وہی سزا کا مستوجب ہے۔ چنانچہ خلیفہ کا فرزند باپ کے سامنے ستر کوڑے کھا کر جان دے دیتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ باقی دس کوڑے اسکی لاش پر لگا دیئے جائیں۔ کیا یہ

عدل و مساوات کی انتہا نہیں ہے؟۔
ہمدردی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ کہ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ اسکے قریب جا کر کہا۔ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا دہنا ہاتھ جاتا رہا۔ حضرتؓ کو اسقدر رقت ہوئی کہ رونے لگے۔ فرمایا! افسوس تم اپنے ضروری کام کسطرح انجام دیتے ہو گے؛ اور اسکے لیے ایک خدمتگار مقرر کر دیا۔

جب آپ کو معلوم ہوا کہ مدینے کی عورتیں اپنے شوہروں کی جدائی میں غمناک رہتی ہیں۔ تو فوراً حکم دیا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ میدان جنگ میں نہ رہے۔

غرض۔ فاروق اعظمؓ کی سیرت شاہان اسلام کے لیئے ایک بہترین اسوۂ عمل ہے۔۔ اسلامی تعلیم کا ایک مکمل عملی نمونہ دیکھنا ہو تو اس مقتدر خلیفۃ المسلمین کی زندگی کا مطالعہ کرو۔

ملکی و مذہبی نظام کے لیئے فاروق اعظم نے جابجا قاضی۔ امیر۔ تحصیلدار۔ واعظ اور مبلغ مقرر کیئے۔ ڈاک پولیس اور تعلیم و تبلیغ کا خاطر خواہ بندوبست کیا۔ آبپاشی اور خلق خدا کی آسائش کے لیئے جابجا کنوئیں کھدائے بحر احمر اور دریائے نیل سے ایک بہت بڑی نہر نکالی۔ جس سے تجارت زراعت اور پیداوار کو نمایاں ترقی ہوئی۔ مختلف مقامات پر تقریباً ساڑھے چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اقتصادی ترقی کے لیئے اپنے ممالک محروسہ سے غیر ممالک کو تجارتی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی اور دیگر ممالک کی پیداوار پر مناسب خراج مقرر کیا۔ حفاظت ممالک کے لیئے واجبی ٹیکس لگایا۔ غرض ہر کام کو انتہائی غور و تدبر سے روبراہ کیا۔

عرب میں اگرچہ لکھنے پڑھنے کا رواج قدیم سے چلا آتا تھا۔ لیکن زمانہ اسلام میں یہاں تک نوبت پہنچ چکی تھی کہ صرف قبیلہ قریش میں سات آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور حساب کتاب سے تو بالعموم لوگ بے بہرہ تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۶ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو ساری فوج میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو حساب کتاب میں مہارت ہو۔ اور مال غنیمت کو صحیح طور پر تقسیم کر سکے۔ مجبوراً لوگوں کو ایک چہاردہ سالہ لڑکے (زیادہ بن ابی سفیان) کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اور اسکی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی گئی۔ مدارس کے لئے پورے ملک کے طول و عرض میں درسگاہیں جاری کر دی گئیں۔

حضرت فاروقؓ کو اس بات کا کمال شوق تھا۔ کہ قرآن پاک کی جمع و ترتیب کا مبارک کام جو حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھوں شروع ہو چکا تھا انکی زندگی میں تکمیل پذیر ہو جائے۔

آپ نے عام اعلان کر دیا کہ جس نے قرآن شریف کا کوئی حصہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہے وہ میرے پاس آئے۔ اس اعلان کے بعد جو شخص کوئی سورت لیکر آتا ہے اسپر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی کہ ہم نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کو قلمبند دیکھا تھا۔ اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہوگئیں تو چند آدمی مامور کئے کہ انکی نگرانی میں پورا قرآن مجید ایک مجموعے کی شکل میں مرتب ہو۔ اور اسکا پڑھنا لکھنا آسان ہو جائے۔ آپ کو اسبات کا خاص خیال تھا کہ ہزاروں کی تعداد میں حافظ قرآن بنا دیئے جائیں۔ تاکہ تغیر و تبدل کا احتمال باقی نہ رہے۔

آپ کے فضائل میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ سرور کائنات حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں ایک پہاڑ پر جلوہ افروز تھے۔ دفعتہً پہاڑ متحرک ہوا۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ اے پہاڑ آرام کر۔ تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور ایک شہید کے سوائے اور کوئی نہیں۔ گویا حضور نے حضرت عمرؓ کو شہید کے لقب سے ممتاز فرمایا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام کی مانند ہیں جو مجسم رحم تھے۔ اور حضرت عمرؓ حضرت نوحؑ اور موسیٰ علیہما السلام کی طرح ہیں جو مجسم انصاف تھے۔ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے حق کو عمر کے دل اور زبان پر جاری کیا۔ عمر حق کہتا ہے خواہ وہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ حضور کا ارشاد ہے کہ عمر میری امت کا محدث ہے۔ اور اگر میں خاتم النبیین نہ ہوتا تو عمر نبی ہوتا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ابوبکر اور عمر نے فلاں کام کیا۔ ابوبکر و عمر میرے لیئے بمنزلہ شنوائی و بینائی کے ہیں

سنہ ۲۳ھ میں ایک شخص نے کسی سے کہا کہ جب عمر مرجائیں گے تو میں طلحہ کی بیعت کروں گا۔ یہ بات سنکر آپ نے مدینہ میں ایک نہایت مدلل خطبہ پڑھا جس میں بہت سی باتیں بیان کر دیں۔ آپ کے خطبہ پڑھنے کا ایک یہ بھی طریق تھا کہ جب تمام حاضرین عربی سمجھنے والے ہوتے تو صرف عربی میں فرماتے اور جو عربی نہ سمجھتے تھے ان کو خطبہ کا ترجمہ سنایا جاتا تھا۔ چنانچہ دمشق میں جو خطبہ بمقام جابیہ آپ نے فرمایا تھا۔ مترجم ساتھ ساتھ اسکا ترجمہ سناتا جاتا تھا۔ حضرت عمر سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے ان میں وعظ و نصیحت قدرتی واقعات رنج و غم کا اظہار ہوتا تھا۔ حضرت عمر نے پولیٹیکل خطبے دیئے جن میں بظاہر معمولی باتیں ہوتی تھیں مگر اصل میں بہت سے پہلو نکلتے تھے۔ قوت تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔

ملکی انتظام کے بعد حضرت عمر نے ہر ایک ضلع میں جدا جدا عدالتیں قائم کیں۔ اور مندرجہ ذیل قاضی مقرر کئے

(۱) عبداللہ بن مسعود (۲) شریح (۳) جمیل بن معمر (۴) ابو مریم حنفی (۵) سلمان بن ربیعہ (۶) عبدالرحمن بن ربیعہ (۷) ابو قرت (۸) عمران بن حصین۔

ایک فرمان میں گورنر کوفہ کو عدالت کے متعلق یہ قانونی احکام تحریر کئے۔

(۱) سب کو ایک آنکھ سے دیکھے۔ اور بار ثبوت مدعی پر ہو۔

(۲) مدعا علیہ اگر کوئی شہادت یا ثبوت نہ رکھتا ہو تو اس سے قسم لی جائے۔

(۳) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ مگر قانونی امر کے خلاف صلح نہیں ہو سکتی۔

(۴) اگر مقدمہ فیصل ہو چکا ہو تو اسکی نگرانی کر سکتا ہے۔

(۵) مقدمہ کی پیشی کی تاریخ مقرر ہونی چاہیئے۔ اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو یکطرفہ فیصلہ دیا جائے۔

(۶) ہر ایک مسلمان گواہی دے سکتا ہے۔ مگر جو شخص سزا یافتہ ہو۔ یا اسکا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو اسکی گواہی نہیں لی جا سکتی۔

آپ کو اس بات کا بیحد خیال تھا کہ ہر ایک شخص جھوٹے سچے فتوے نہ دینے لگ جائے اور غلط مسئلے رائج نہ ہو جائیں۔ آپ نے خاص مفتی مقرر کئے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ معاذ بن جبل۔ عبدالرحمن بن عوف۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابو ہریرہ۔ ابو درداء رضی اللہ عنہم۔

حضرت عمر کے زمانہ کی خاص ایجادیں جنکی وجہ سے ملکی حالت اصلاح پذیر ہوئی۔ یہ ہیں:۔

(۱) بیت المال (۲) عدالت (۳) قاضی (۴) تاریخ (۵) سزا (۶) امیر المؤمنین کا لقب (۷) جنگی اور ملکی دفتر (۸) پولیس (۹) والنٹیر (۱۰) چھاؤنیاں (۱۱) طریق پیمائش (۱۲) مردم شماری (۱۳) جیلخانہ (۱۴) درہ کا استعمال (۱۵) پرچہ نویسی (۱۶) مکتب و مدارس (۱۷) معلموں کی تنخواہ (۱۸) عمال خلفاء (۱۹) [illegible] (۲۰) شراب پینے والے کے لئے اسی کوڑے (۲۱) مسجدوں میں وعظ کا طریقہ (۲۲) غریب عیسائیوں اور یہودیوں کے وظیفے۔ یہ تمام ایجادیں حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں رائج ہوئیں۔ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اسکی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت عمر کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی۔ یعنی جس شخص میں جو قابلیت ہوتی تھی وہ اسکی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ آپ نے جس شخص کو جو کام دیا اُسکے انجام دینے کے لئے اس سے بہتر آدمی نہیں ملسکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جو فن سیاست میں اپنا جواب

نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ۔ زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمر نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے۔ یہ حضرت عمر کی سیاست دانی کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

ممالک محروسہ کی شادابی کے لئے آپ نے جو نہریں جاری کیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) نہر ابی موسیٰ بصرہ کو شاداب کرنے کے لئے ابو موسیٰ اشعری کے زیر اہتمام دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹی گئی۔

(۲) نہر معقل۔ یہ نہر بھی معقل بن یسار کی نگرانی میں دجلہ سے کاٹ کر تیار کی گئی۔

(۳) نہر سعد۔ ایرانیوں کی درخواست پر سعد بن وقاص نے سعد بن عمر کی زیر نگرانی بنائی۔

(۴) نہر امیر المؤمنین دریائے نیل سے ۶۹ میل تک کا چکر کھا کر بحر قلزم میں جا ملتی ہے۔

آپ اسقدر سیاست دان تھے کہ ایک طرف تو فوج کی نقل و حرکت میں مصروف ہیں اور دوسری طرف ملک کی اندرونی اصلاح درپیش ہے۔ غرض جب تک آپ زندہ رہے غریب مساکین مفلس لوگوں کی ہمدردی میں رات دن ایک کر دیا۔

آپ کی شہادت کا واقعہ اسلامی تاریخوں میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ فیروز نام ایک ایرانی غلام کو جو عام طور پر ابولؤلؤ کے نام سے مشہور تھا۔ مغیرہ عراق سے لایا تھا۔ مغیرہ کی غلامی میں وہ بڑھی کا کام کرتا تھا۔ ایک دن بازار میں امیر المؤمنین سے ملا۔ اور کہا یا امیر المؤمنین آپ کا انصاف دنیا میں ضرب المثل ہے۔ آپ میرا انصاف کریں کہ مغیرہ مجھ سے بہت زیادہ اجرت لیتا ہے جس کو میں ادا نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا تو کیا کام کرتا ہے؟ اور روزانہ کسقدر کرتا ہے؟ جسکے جواب میں ابولؤلؤ نے کہا۔ حضرت میں بڑھی لوہار اور نقاش ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایسے ہوشیار کاریگر کے لئے دو درہم ادا کرنا کچھ زیادہ نہیں یہ کہکر آپ واپس آگئے۔ دوسرے دن صبح کو نماز فجر کے واسطے لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو ابولؤلؤ بھی کہیں سے ان میں آکر بیٹھ گیا۔ اور حضرت عمر ایک رکعت نماز ادا کرکے اٹھے تو بدبخت ابولؤلؤ نے آپ پر حملہ کیا اور تلوار سے چھ زخم لگائے اور بعد ازاں بہت سے آدمیوں کو شہید کرکے آپ بھی اپنے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا۔ حضرت عمر گر پڑے لوگ گھر اٹھا کر لے گئے۔ مگر آپ نے گھر جانے سے پہلے عبد الرحمٰن بن عوف کو نماز ختم کرنے کے لئے کہا۔ دریافت کے بعد جب آپ کو اپنے بیٹے عبد الرحمٰن سے معلوم ہوا کہ میرا قاتل ایک ایسا شخص ہے کہ جس نے خدائے وحدہٗ لاشریک کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ تو فرمایا۔ الحمد للہ۔ میں اس شخص کے ہاتھ سے شہید ہوا ہوں

جو مسلمان نہیں ہے۔

پھر جب یہ معلوم ہوا کہ زخم سے جانبر ہونا مشکل ہے تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنا جانشین یا ولیعہد انتخاب کریں۔ مگر آپ نے فرمایا جس کو آپ لوگ مناسب خیال کریں۔ الغرض۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفے حضرت عمرؓ نے ۶۵ سال کی عمر میں ۱۰ برس ۶ مہینہ ۴ دن کی خلافت کے بعد ۱۲ روز بیمار رہکر ۳ ذی الحجہ ۲۳ھ کو انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ط

غیر مسلموں اور ذمیوں سے مشورہ لینا

حضرت عمرؓ نے مشورہ کے اصول کو یہاں تک وسیع کیا تھا کہ غیر مسلموں یا ذمیوں سے بھی مشورہ لیتے تھے۔ عراق کے بندوبست میں وہاں کے پارسی رئیسوں کو بلا کر مشورہ لیا۔ مصر کے انتظام میں مقوقس وہاں کے سابق حاکم سے مشورہ طلب کیا اور ایک قبطی کو مدینہ میں بلوایا۔ (تاریخ خلافت راشدہ)

ذمیوں پر رحم ہمدردی اور حسن سلوک

حضرت عمرؓ کی ہمدردی صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھی بلکہ عیسائیوں اور دیگر غیر مسلم اقوام سے جنکا آپ سے تعلق ہوا ایسی ہی ہمدردی تھی۔ بستر مرگ پر فرمایا کہ جو شخص میرے بعد خلیفہ ہو۔ میں اُسے وصیت کرتا ہوں کہ اہل ذمہ کے حقوق کا خاص خیال رکھے۔ اور انہیں انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔ ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کی طرح قرار دیا۔ اگر مسلمان عیسائی کو قتل کر ڈالتا۔ تو قاتل کو سزا ئے قتل دی جاتی۔ معاملات ملکی میں ان سے مشورہ لیا جاتا۔ ایک دفعہ کسی سفر میں آپ نے دیکھا کہ چند ذمیوں کو جزیہ نہ دینے کی وجہ سے ایذا دی جارہی ہے۔ وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ واقعی نادار ہیں۔ آپ نے انہیں چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ مذہبی امور میں انکو پوری آزادی حاصل تھی۔ ذمیوں کی سازشوں اور بغاوتوں پر اگر سزا بھی دی تو ہلکی اور انکو تباہ نہ کرنا چاہا۔ (ایضاً)

علامہ سیوطی نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ امیر المانیہ نے دو گانے والی عورتوں کے اس جرم میں ہاتھ کاٹ ڈالے اور اگلے دانت توڑ دیئے کہ ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیاں گائی تھیں اور دوسری نے مسلمانوں کی ہجو گائی تھی۔ اسپر حضرت عمرؓ نے جو فرمان اپنے گورنر کو بھیجا اسکا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والی مسلمان تھی تو میں تمکو اسکے قتل کی رائے دیتا۔ اور جس نے گالیاں دیں اگر وہ ذمی تھی تو اسکا گناہ شرک کہ جس میں وہ پہلے پھنسی ہوئی ہے کیا کم ہے جو تم اسپر

اسکو اور سزا دو گے۔ گویا جن الزامات شرعی میں مسلمان کو سزا دی جاتی ہے ذمی (غیر مسلم) اُن میں بری کر دیئے جاتے ہیں۔

عیسائیوں اور یہودیوں سے حسن سلوک

حضرت عمرؓ ہر چند کہ مذہب کی مجسم تصویر تھے اور قرآن و حدیث کے عامل کامل تھے۔ تاہم بقول مولوی شبلی صاحب کے آجکل کے مقدس لوگوں کی طرح اُن میں تصلب اور سختی نہ تھی۔ ہمارے علما عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام بخاری اور امام شافعی نے روایت کی ہے کہ ایسے پانی سے وضو کیا جو ایک نصرانی عورت کے پاس سے لایا گیا تھا۔ بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے توضاء عمر من ماء فی جرۃ نصرانیۃ یعنے حضرت عمرؓ نے ایک نصرانیہ عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا۔ بغوی نے حضرت عمر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اُسے کھاؤ۔ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آجکل مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمر نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو تو عیسائی اسکو تین دن مہمان رکھیں۔ حضرت عمرؓ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے۔ چنانچہ انکی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو نصیحت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس امر کو حضرت عمرؓ کے فضائل میں شمار کیا ہے۔

مسلمانوں کے مال زکوٰۃ میں عیسائی فقرا کا حق

مسلمانوں کے زکوٰۃ کے مال سے آپ عیسائی فقراء کو بھی دلاتے تھے۔ ایک بوڑھے عیسائی کو مانگتے دیکھا تو نہ اُسے صرف جزیہ سے مستثنےٰ کر دیا بلکہ حکم دیا کہ اُسے بیت المال سے وظیفہ دیا جائے اور پھر اسے عام کر دیا کہ بڑھاپے میں ان لوگوں سے یہ سلوک مناسب نہیں۔ انکو بیت المال سے وظائف دیئے جائیں اسقدر رواداری کی مثال تلاش کرنے سے بمشکل ملے گی۔ کہ فاتح و مفتوح کے حقوق کو ہر طرح برابر کر دیا۔ اور انکے اپاہجوں اور ضعیفوں کی خبر گیری کو اسی طرح ضروری قرار دیا جس طرح مسلمان کی خبر گیری کو (ایضاً)

مسلمان عیسائیوں کی دل آزاری بھی برداشت کرتے تھے

باوجود بادشاہ قوم اور فاتح ہونے کے مسلمان عیسائیوں کی دل آزاری کو بھی برداشت کر لیتے تھے۔ ایک عیسائی نے علی الاعلان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو ایک صحابی نے اس کے مُنہ پر تھپڑ مارا۔ عیسائی نے عمر بن عاص سے شکایت کی صحابی نے کہا کہ یہ اپنے گرجا میں جو چاہیں کہیں لیکن

علی الاعلان انہیں جناب رسالتمآب کو گالیاں دینے کا حق نہیں۔ (الفاروق صفحہ ٩)

مسلمان جزیہ سے بڑھ کر زکوٰۃ اور نیز فوجی خدمت دیتے تھے

جزیہ کو تحقیقی قرار دینا محض ناواقفی ہے مسلمان جزیہ سے بڑھ کر زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ اور پھر فوجی خدمت بھی ان سے لی جاتی تھی۔ آج کون سی گورنمنٹ ہے جو اپنی رعایا سے حفاظت ملک کے لیے ٹیکس وصول نہیں کرتی؟ اسلام میں متعدد مثالیں موجود ہیں کہ جہاں کسی قوم یا سردار نے حفاظت ملکی میں حصہ لینے کا وعدہ کیا، تو اُسے جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا۔ (الفاروق صفحہ ٩٥)

خلفائے راشدین نے ہزاروں گرجے بنا دیئے

حبیب خدا کی دنیا مسلمان قنمندوں کے ہاتھ میں دے دی گئی تھی تو جن لوگوں نے ہزاروں گرجوں کی حفاظت کا قطعی معاہدہ لکھ دیا۔ وہ خلفائے راشدین تھے۔ جو ہر زمانے میں مسلمانوں کے رہنمائے کل مانے گئے ہیں۔ کیا عمر بن عبد العزیز جنہوں نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو اضافہ کر لیا تھا وہ گرا دیا جائے گا۔ اور عیسائیوں کو اجازت دی جائے کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنالیں عمر ثانی نہیں تسلیم کئے گئے ہیں اور کیا وہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے جائے قائم مقام نہ تھے۔ کیا خاص دولت عباسیہ کے عہد میں دار الخلافہ بغداد میں سینکڑوں ہزاروں عالیشان نئے گرجے نہیں تعمیر ہوئے جہاں نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ (رسائل مولانا شبلی صفحہ ١١٨)

عیسائی وزیر اعظم نے خلیفہ کی اجازت سے اسلامی ملک میں گرجے تعمیر کرائے

ہم پادری صاحبان سے جو ہم خیال مصنفین کی غرض سے یہ عرض کرتے ہیں۔ کیا اگر ان کو شہر قدیم "دیر الروم" دیر اشمونی، دیر الثعالب، دیر درتا، دیر درماس، دیر سمالو، دیر العاصیہ، دیر الزریقیہ، دیر الزندرود کے حالات معجم البلدان میں پڑھیں۔ عضد الدولہ کے ... کا رواج تھا اور خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا۔ اس کا وزیر نصر بن ہارون ایک عیسائی تھا جس نے عضد الدولہ کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں چرچ اور گرجے تعمیر کرائے۔ (الفاروق)

ایک تنگدل دوسرے منصف مزاج مسلمان حکام

بے شبہ مسلمانوں میں ایسے تنگدل بھی گزرے ہیں۔ جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو صدمہ پہنچاتے تھے۔ لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں۔ ان سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہو سکتا ہم کو معلوم ہے کہ عالی بن ... گرجا ... نے

مصر کے تمام گرجے گرا دئے تھے لیکن اسی کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں۔ کہ عیسیٰ بن موسٰی نے جو خاندان عباسیہ سے تھا۔ اور ۱۷۱ھ میں مصر کا گورنر مقرر ہوا، خاص سرکاری خزانہ سے کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرادئے۔"

مسلمانوں کی حکومت میں غیر مذہب والوں کو اعلےٰ عہدے

مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں۔ کون گورنمنٹ اس سے بڑھ کر دے سکتی ہے۔ تاریخ ابن خلکان و فوات الوفیات میں ہم بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں۔ جو مختلف وقتوں میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہے ہیں آغاز اسلام سے عبدالملک بن مروان کی سلطنت تک شام و عراق کا دفتر رومی و فارسی زبان میں رہا۔ اور اتنی وسیع مدت تک خراج کے محکمہ میں عموماً دوسری ہی قومیں سیاہ و سپید کی مالک تھیں۔ اکبر و جہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو۔ تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بے تعصبی کی شہادت ملے گی سینکڑوں عیسائی اور یہودی علماء جو عباسیوں کے درباریں تھے۔ ان سے کس بے تکلفی و یگانگت سے ملتے تھے (المامون شبلی)

غیر مسلم سے حفاظت ملک کیلئے فوجی خدمت کا عوض

"جزیہ" یہ لفظ جزا سے نکلا ہے جس کے معنی بدلے کے ہیں چونکہ یہ ایک ٹیکس تھا جو غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں لیا جاتا تھا اس لئے جزیہ کہلاتا تھا حفاظت ملک کیلئے مسلمان اپنی جان دیتے تھے۔ اور فوجی خدمت ان کے لئے لازمی تھی غیر مسلموں سے بجائے فوجی خدمت کے کچھ ٹیکس لے لیا جاتا تھا۔ ان دونوں میں سے کونسی چیز سہل تھی؟ ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے۔" (تاریخ خلافت راشدہ صفحہ ۲۱)

حربی اور ذمی دونوں سے انصاف

مخالفین مذہب کی اسلام نے دو قسمیں قرار دی ہیں؛ —

(۱) ذمی اور معاہدہ۔ یعنی وہ لوگ۔ جو اسلام کی حکومت میں رہتے ہیں یا جن سے صلح و دوستی کا معاہدہ ہے۔

(۲) حربی۔ یعنی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے، اور لڑائی اور مخاصمت قائم ہے یا قائم ہو سکتی ہے۔

ذمیوں کو اسلام نے جان و مال، آزادی، عزت، اور دیگر تمام حقوق کے لحاظ سے بالکل مسلمانوں کا ہمسر بنا دیا۔

ذمیوں کے ساتھ اسلام نے جس مراعات اور سلوک کا حکم دیا ہے۔ وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہو گا۔

"خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اپنی حد سے آگے نہ بڑھو۔ خدا حد سے بڑھ جانے

والوں کو پسند نہیں کرتا۔"
"اگر تم بدلہ لو، تو اسی طرح لو، جیسا تم سے لیا گیا، اور اگر صبر کرو تو صبر اچھا ہے صبر کرنے والوں کے ساتھ خدا ہے"
"کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے، کہ تم انصاف نہ کرو۔" المامون شبلی

جہاد محض استحقاق حفاظت خود اختیاری ہے

خدا تو کھلے لفظوں میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ دین میں زبردستی نہیں، اور لوگ ہیں کہ ناحق اسلام پر تہمت لگاتے ہیں کہ بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ اگر کسی بادشاہ نے دین کو ملک گیری کا حیلہ بنا کر ایسا کیا، تو دین پر کیا الزام ....

ہم جہاد کو ایک طرح کا استحقاق حفاظت خود اختیاری سمجھتے ہیں اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلامی جہاد میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ جہاد جس کی شریعت اسلام نے اجازت دی ہے یہی ہے کہ مسلمانوں کو جبراً بجا آوری ارکان اسلام سے روکا جائے اور مسلمان جبر وظلم کے دفع کرنے پر قادر بھی ہوں تو کریں۔ ارکان قدرت رفع دو باتیں شرط جہاد ہیں۔ (الحقوق والفرائض جلد ۲ صفحہ ۳۴۹) مولانا نذیر احمد دہلوی۔

ایرانی شہزادہ ہرمزان کا اسلام قبول کرنا

ہرمزان ایک ایرانی شہزادہ تھا جب اس کو پابزنجیر حضرت عمرؓ ابن خطاب کے حضور میں پیش کیا گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا۔ کہ وہ دین اسلام قبول کرے لیکن اس نے انکار کیا اور خلیفۃ المسلمین نے حکم دیا۔ کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس نے چلا کر باواز بلند کہا۔ اے خلیفۃ المسلمین پہلے مجھے ایک گھونٹ پانی پلانے کا حکم دیں مجھے پیاسا قتل نہ کریں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ پانی لا کر اس کو پلایا جائے ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا۔ اور حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کیا جبتک میں یہ پیالہ پانی کا نہ پیوں گا مجھے قتل نہیں کیا جائیگا حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ہاں جبتک تم پانی نہیں پی چکو گے تم امان میں ہو۔ اس پر ہرمزان نے پانی گرا کر پیالہ فرش پر پھینک دیا۔ اور باواز بلند چلا کر کہا خلیفۃ المسلمین آپ کو اپنا وعدہ یاد رہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جلاد کو حکم دیا۔ کہ اس کے قتل سے تم دست بردار رہو۔ جبتک کہ یہ حکم اس کو نہ ملے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

جب جلاد نے سونتی ہوئی تلوار میان میں کر لی تو ہرمزان نے کہا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ

حضرت عمرؓ: تم نے بہترین طریق پر دین اسلام کو قبول کیا ہے پہلے کیوں تم نے توقف کیا تھا؟

ہرمزان: مجھے اندیشہ اور خوف تھا کہ لوگ کہیں گے کہ میں نے تلوار کے ڈر سے دین اسلام قبول کیا ہے۔

حضرت عمرؓ: میں سچ کہتا ہوں کہ تم نے جو کچھ کیا ہے۔ اس سے تمہاری عقلمندی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور تم اس قابل اور لائق ہو۔ کہ اپنے ملک پر حکمرانی کرو۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اُس سے مشورہ کیا کہ افواج اسلام ایران میں داخل ہوں یا نہ ہوں حضرت عمرؓ نے اس طرح کیا جس طرح ہرمزان نے آپ کو صلاح دی۔

مغیرہ ابن شعبہ کس طرح کوفہ کا والی بنا؟

ایک دن کوفہ کے لوگ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور والیٔ کوفہ سعد ابن وقاص کی شکایت کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی ہے کہ مجھے ان کوفہ والوں کے ہاتھ سے خلاصی دلائے؟ اگر میں کسی متقی اور پرہیزگار آدمی کو ان کا والی مقرر کرتا ہوں تو وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ کمزور ہے۔ اور جب کسی حقدار اور عزم کے پکے آدمی کو مقرر کرتا ہوں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ یہ متقی اور پرہیزگار نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کا جذبۂ انصاف و مساوات

جبلہ بن الایہم غسانی شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا جبلہ غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت سن کر کہا کہ تم نے جو کچھ کیا۔ اس کی سزا پائی۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں۔ کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں۔ تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی خاطر قانونِ انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے تمام عہدہ دارانِ ملکی کو حج کے زمانہ میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔ کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سو دُرّے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اٹھ اور اپنا بدلہ لے"۔ عمرو بن العاص نے کہا۔ امیر المؤمنین اس طریق عمل سے تمام عمال بیدل ہو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تاہم ایسا ضرور ہوگا۔ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ اپنا کام کر۔" آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا۔ کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوٰی سے باز آئے۔

ایک دفعہ سردارانِ قریش ان کی ملاقات کو آئے اتفاق سے صہیب بلال عمار وغیرہ بھی موجود تھے جن میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اول ان ہی لوگوں کو بلایا اور سردارانِ قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے۔ ان کو یہ امر سخت ناگوار گذرا۔ اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ کیا خدا کی قدرت ہے۔ غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے۔ اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔ ابوسفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا بھائیو سچ یہ ہے کہ ہم کو عمرؓ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیئے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے۔ آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائلِ عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تو بڑے رشک و منافست کا موقعہ پیش آیا۔ سردارانِ قریش اور معزز قبائل کے لوگ۔ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے۔ بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا۔ اور فہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے۔ انہوں نے دولت وجاہ، زور و قوت، مشہوری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں بیش و کم مقرر کیں۔ جو لوگ اول اسلام لائے تھے۔ جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے۔ یا آنحضرت صلعم کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ ان کو غیروں پر ترجیح دی۔ جو ان خصوصیتوں میں۔ برابر درجے پر تھے۔ ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامۃ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا۔ کہ واللہ اسامۃ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں۔ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہلِ عرب کا شعار تھا۔ کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اس فخر کے مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبطہ کے قبیلہ سے تھا لڑائی میں یا آلِ ضبطہ کا نعرہ مارا حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور واقعات

تاریخوں میں ملتے ہیں۔

اسی اصول مساوات کی بنا پر وُہ کسی شخص کے لیئے کسی کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن عاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا۔ تو لکھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اُوپر بیٹھو۔ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے۔ کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ اُبی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے۔ تو اُنہوں نے تعظیم کے لیئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت کو نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا۔ سفر و حضر میں، خلوت و جلوت میں، مکان اور بازار میں، کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفۂ وقت ہیں۔ قیصر و کسرے کے ایلچی مسجد نبوی میں آکر ڈھونڈتے تھے۔ کہ شہنشاہِ اسلام کہاں ہے۔ حالانکہ شہنشاہ وہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشہ میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

خلیفہ عمرؓ اونٹ کی نکیل تھامے تھے جبکہ غلام شتر سوار تھا

مسلمانوں کا بادشاہ اور وُہ بادشاہ جس کے نام سے قیصر و کسریٰ لرزہ براندام ہیں وہ بادشاہ جس کے در دولت پر اکناف عالم کے بادشاہ جبہ سائی کرتے ہیں۔ وہ بادشاہ جس کی آواز پر بڑے بڑے مستحکم قلعے فتح ہو جاتے ہیں۔ وہ بادشاہ جس کے ہاتھ میں روم و شام کے خزانوں کی کنجیاں ہیں کس سادگی سے فرماتے ہیں "میرے پاس اور اونٹ نہیں جو تجھے سواری کے لیئے دُوں۔ اور اس کو میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ خدا کا ایک بندہ جو میری ہی طرح انسان ہے میرے ساتھ پا پیادہ چلے"۔

بہت دیر تک گفت و شنید ہونے کے بعد آخر اس پر فیصلہ ہوا کہ وُہ غلام ساتھ تو ضرور چلے۔ مگر اس شرط پر کہ ایک دن امیر المؤمنین اونٹ پر سوار ہوں۔ وُہ غلام نکیل پکڑ کر چلے اور ایک دن وہ غلام سوار ہو اور امیر المؤمنین کے ہاتھ میں نکیل ہو۔ اللہ اکبر یہ ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے مسلمانی مساوات کا نقشہ یہ ہیں آقا اور غلام کی حالت۔

الحاصل آقا و غلام کا اس مساویانہ شرط پر یہ طول طویل سفر شروع ہوا۔ اور اس لشکر اسلام کو بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے امیر المؤمنین کی تشریف آوری کا انتظار کر رہا ہے اطلاع پہنچ گئی۔ کہ فلاں دن فلاں تاریخ کو امیر المؤمنین یہاں پہنچ جائیں گے۔ اندرون شہر بیت المقدس میں بھی یہ خبر مشہور ہو گئی ہے۔

مقررہ تاریخ پر تمام شہر کے چھوٹے بڑے فصیل پر اس خیال سے جمع ہو گئے کہ بادشاہ اسلام کی سواری کا

تزک و احتشام اور امیرالمومنین کا جاہ و جلال فاروق اعظم کی آمد کا طمطراق دیکھیں۔ ادھر لشکر اسلام بھی اپنے ہر دلعزیز حاکم اعلیٰ کی سلامی کے لئے صف بستہ ہو گیا۔ صبح سے انتظار کرتے کرتے دوپہر کے قریب مدینہ سے آنے والی سڑک پر ایک چھوٹا سا بگولہ اُٹھنے کے بعد، ایک اونٹ سوار آتا دکھائی دیا جس کے اونٹ کی مہار ایک بلند قامت تھامے ہوئے اسی طرف آ رہا ہے۔

اہل شہر اس خیال میں تھے۔ کہ امیرالمومنین تشریف لا رہے ہیں۔ نہ معلوم کتنی تو روشن چوکیاں ہوں گی اور کتنے دستے ہراول کے ہوں گے۔ اور کتنے سوار نقابت پر مامور ہوں گے اور کتنی قسم کے باجے شور محشر سرپا کئے ہوئے آتے ہوں گے۔ اور کتنے ہزار اولو العلموں کے پھریرے ہواہیں لہراتے آتے ہوں گے۔ اور ان کے ہلالی نشان آنکھوں کو خیرہ کرتے ہوں گے۔ اور نہ معلوم کتنی لاکھ تلواریں بجلی کی طرح چمکتی آتی ہوں گی۔ اور اتنے بڑے بادشاہ کی آمد آمد میں فوج کی گرد و غبار کا کم سے کم یہ تو عالم ہو گا۔ کہ فردوسی ایک طرف کھڑا کہتا ہو گا۔ "زمین شش شد و آسمان گشت ہشت"

بخلاف اس کے دیکھا تو یہ دیکھا کہ مدینے کی طرف سے ایک سوار آتا ہے اور ایک انسان اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے خیال ہوا کہ شاید کسی وجہ سے امیرالمومنین کی سواری آج نہ پہنچ سکے گی۔ یہ ایک سوار اطلاع کے لئے آ رہا ہے۔ اہل شہر اس خیال ہی میں تھے۔ کہ سپہ سالار لشکر اسلام کی دور بین نظروں نے اپنے امیر کا نہ چھپنے والا قد و قامت اور اپنے امیر کا مخصوص کمبل کا لباس دیکھا تو نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ تمام لشکر میں نعرۂ تکبیر کے ساتھ خوشی کا غلغلہ جو بلند ہوا تو اہل شہر سمجھے کہ شاید یہی اونٹ سوار ان کا امیر ہے۔

اپنے یہاں کے بیان کردہ حلیے کو اس اونٹ سوار پر منطبق کرنے لگے اس حلیے کو اس اونٹ سوار سے جب کوئی نسبت ہی نہ پائی تو اپنے قریب کے کسی اسلامی سوار سے پوچھا کہ "تمہارا امیر یہی اونٹ سوار ہے؟" وہ کہنے لگا "نہیں" اونٹ پر تو غلام سوار ہے۔ ہمارا امیر بلند قامت بلند اقبال چھریرے جسم کا وہ ہے جس کے ہاتھوں میں اس وقت اونٹ کی نکیل ہے۔ اللہ اللہ کیا شان ہے ایمان کی کہ منزل پر پہنچنے کے دن دوسری قوم کے سامنے ہوتے کے بھی اتفاق سے غلام کے سوار ہونے کی باری ہے تو حق پسند عمر کی طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ اس کا حق خود لے لے۔

یہ سن کر اہل شہر نے اس نکیل پکڑنے والے پر جو اس حلیہ کو منطبق کرتے ہیں۔ تو سر مو فرق نہیں پاتے ہو بہو اسی حلیہ کا امیر اور امیر بھی ایسا کہ اس کی اور اس کے غلام کی معاشرت میں، لباس میں، راحت و تکلیف میں کوئی فرق نہیں۔ اس جلالت مآب امیر کے اس مساویانہ برتاؤ کا رعب ہیبت الٰہیہ کا دبدبہ ان کے دلوں پر اثر کر کے سب کو

لرزہ بر اندام کر دیتا ہے۔ امیر المومنین کو اسی حلیہ کے مطابق پا کر اہل شہر نے مشورہ کیا کہ اب اس قوم کے زہد و تقویٰ اور جفاکشی کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ شہر خلیفہ کے سپرد کر دیا۔

ایک غلام کو بھی جبراً داخل اسلام نہ کر سکے

حضرت عمرؓ کا ایک عیسائی غلام استق نامی تھا۔ آپ نے بار بار اُسے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ مگر اس نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ آپ میرے مذہب میں دخل نہیں دے سکتے۔ آپ کا اسلام آپ کو مبارک ہے۔ کیا آپ کو "لا اکراہ فی الدین" کا فرمان بھول گیا ہے تو حضرت فاروق خاموش ہو جاتے۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۲۷)۔

باوجود دعوت گرجا میں نماز نہ پڑھنے کا سبب

فتح بیت المقدس کے بعد جب حضرت عمرؓ یروشلم میں داخل ہوئے تو عیسائی دنیا کے سب سے بڑے کلیسا میں کہ جہاں حضرت مسیح کا مزار ہے۔ اور جسے آج کل وہاں کے لوگ کنیسۃ القیامت کہتے ہیں۔ آپ کھڑے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا عیسائیوں کے بطریق نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں آپ یہیں نماز ادا کر لیجئے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ اگر آج میں یہاں نماز پڑھ لیتا ہوں تو کل میرے پیرو اس زمین پر قبضہ کر کے کلیسا کو مسجد بنانے کی کوشش کریں گے۔ اور اسے تمہارے پاس نہیں چھوڑیں گے چنانچہ آپ نے گرجا کے دروازہ سے باہر جا کر ایک جگہ نماز ادا کی۔ راقم الحروف نے خود دیکھا ہے۔ کہ اس جگہ پر کنیسۃ القیامت کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد کھڑی ہے جو مسجد عمرؓ کے نام سے مشہور ہے اور اس کے سامنے تیرہ سو سال سے برابر یہ عیسائی کنیسہ مسلمانوں کے زیر حکومت آباد چلا آتا ہے۔ کہ جس کی کلید برداری کا فخر بھی سلطان صلاح الدینؒ کے زمانہ سے لے کر اب تک ایک مسلمان خاندان کو حاصل ہے۔

سرکش عیسائی رعایا کی جائداد بھی ضبط نہ کی

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بخران کے عیسائیوں نے خود مختاری و سرکشی کی تیاریاں کیں۔ اور چالیس ہزار آدمی بہم پہنچائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُن کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرا دیا۔ مگر اس رعایت کے ساتھ کہ ان کی جائداد ضبط کر لینے کی بجائے اُن کو اس کی قیمت دے دی۔ اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ جدھر ان کا گذر ہو ان کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں۔ اور جب یہ کہیں مستقل قیام نہ کر لیں تو دو سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔ مگر بخران والوں کے بار بار عہد شکنی کرنے پر اُن کو جلا وطن کیا۔ تو اس طرح ان کی جائداد و مال و اسباب کی مفصل فہرست تیار کرا کر ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت ادا کر دی۔

ذمی رعایا کے حقوق

غرض حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے اس کا مقابلہ اس زمانہ کی اور سلطنتوں سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان سلطنتوں میں جو مسلمانوں کی ہمسایہ فارس اور روم میں تھیں۔ غیر مسلم رعایا کے جو حقوق مسلمانوں نے تجویز کیئے تھے وہ مسلمانوں کی بے انتہا تہذیب کا ثبوت تھا تاہم انہیں اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہ تھا۔ بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کیے جاتے تھے چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض مال کو حاصل ہوتے تھے یہودیوں کا حال اور بدتر تھا۔ بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی قابل رحم تھی حضرت عمرؓ نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو وہاں کی رعایا کی حالت دفعتہً بدل گئی۔ بلکہ اس قسم کا تعلق ہو گیا۔ جو دو برابر کے معاہدین میں ہوتا ہے چنانچہ مثال کے طور پر بیت المقدس کا معاہدہ یہاں نقل کیا جاتا ہے یہ خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور بجنسہٖ انہیں کے الفاظ میں لکھا گیا تھا۔

فاتح بیت المقدس حضرت عمرؓ کا حیرت ناک معاہدہ

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین نے ایلیا (بیت المقدس) کے لوگوں کو دی یہ امان ان کے جان، مال گرجا صلیب تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی نہ وہ مسمار کیے جائیں گے۔ نہ ان کو یا ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں۔ اور یونانیوں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے۔ اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے۔ اور اس کو جزیہ دینا ہو گا۔ اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور ان کی صلیبوں کو امن ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا۔ رسولؐ خدا کا۔ خلفائے مسلمین کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید۔ عمرو بن العاص۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور امیر معاویہ بن ابی سفیان اور ۱۵ھ ہجری تاریخ تحریر ہے۔

اس سے بڑھ کر عیسائیوں کی جان و مال مذہب گرجا اور صلیب کی حفاظت اور امان کی اور کیا ہو سکتی ہے نہ ان کے گرجے ہی نہ توڑے جائیں گے بلکہ ان کے مذہب کی بھی کسی طرح توہین نہ کی جائے گی۔ اور انہیں ہر طرح سے مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب پر قتل کیا تھا۔ اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لئے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائینگے یونانی باوجودیکہ مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ اور در حقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے۔ تاہم ان سے سب سے عائشیں ناراض نہیں کہ چاہیں تو بیت المقدس میں رہیں چاہیں تو نکل جائیں۔ ہر حالت میں ان کو امن حاصل ہوگا۔ اور بیت المقدس کے عیسائی اگر چاہیں تو رومیوں سے جاملیں جو مسلمانوں کے دشمن تھے۔ مگر اس پر بھی اُن سے تعرض نہ کیا جائیگا۔ آج تک کی تدبیر سلطنت کہیں بھی دشمنوں سے سلوک کے بارہ میں ایسی فیاض نہیں ہے آج بیسویں صدی مسیحی میں انگلستان ایسے آزادی پسند ملک میں سے ناتواں اجنبیوں کو نکال دینے کا قانون منظور کیا گیا ہے۔ اور ہندو تہذیب میں تو غیر ہندو کے لئے تو کوئی امان ہی نہیں۔ دیکھو منوسمرتی میں ہندوؤں کا شودروں سے سلوک (صفحہ ۹)۔

انتظامات ملکی میں ذمیوں سے مشورہ

ایک بڑا حق کہ جس کی رعایا ہمیشہ خواہشمند ہوتی ہے یہ ہے کہ انتظامات ملکی میں ان کو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ ان انتظامات میں کہ جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ان کے مشورہ و استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے عراق کا بندوبست جب درپیش تھا۔ تو عجمی رئیس کو مدینہ منورہ میں طلب کرکے مالگذاری کے حالات میں ان سے مشورہ طلب کیا گیا۔ مصر کا انتظام کرنے سے پہلے قبطی عیسائیوں کو جمع کرکے مالگذاری میں ان سے مشورہ کیا گیا۔

عیسائی کھلم کھلا رسوم مذہبی ادا کرتے

رسوم مذہبی کے ادا کرنے میں ذمیوں کو ہر طرح کے اختیارات حاصل تھے۔ عیسائی علانیہ ناقوس بجاتے اور صلیب نکالتے تھے۔ ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے۔ ان کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے۔ وہ بالکل برقرار رکھے گئے۔ مصر میں اسکندریہ کا پیٹری آرک (بطریق) بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ۲۰ھ ہجری میں اُسے امان لکھ کر بھیجی پیٹیریارک یہ کرسی دوبارہ پاکر نہایت ممنون ہوا۔ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب میں اس کی تفصیل لکھی ہے (جلد اوّل صفحہ ۴۹۲)۔

میثاق حضرت عمرؓ کے الفاظ

سیدنا عمرؓ نے عمال اسلامی کی راہبری اور غیر اسلامی رعایا کی تسکین قلب کے لئے ایک میثاق تحریر فرما کر اہل ایلیا یا بیت المقدس کو جو عیسائی تھے مرحمت فر

جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

یہ ضمانت اللہ کے بندے اور مومنوں کے حاکم عمرؓ کی طرف سے اہل ایلیا کو عطا کی جاتی ہے۔ اس ضمانت کی رُو سے جملہ غیر مسلم ضعیف یا توانا۔ زن و مرد۔ اپنی جان املاک معابد منادر کلیسے و صلیب کی حفاظت مسلمان حکام کے سپرد ہے۔ ان کے کلیسا غصب نہ کئے جائیں گے۔ نہ ان کے اوقاف میں مداخلت کی جائے گی۔ نہ ان کے معابد [illegible] کو بند کیا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں کو توڑا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو ایذا یا تنگی دی جائے گی۔ خدا امیر المومنین اس عہد کا ضامن ہے۔ الطبری جلد اول صفحہ (۲۴۰۵)

گو میثاق عمرؓ کی حیثیت رسول اللہ صلعم کے مکاتیب کی نہیں ہے۔ تاہم اہل نظر دیکھ سکتے ہیں کہ اس تحریک کی وجہ بھی وہی جذبہ تھا کہ اسلام غیر مذہب والوں سے بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا کہ مسلمانوں سے کرتا ہے۔ اور ان سے بھی کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔

عیسائیوں کا جان مال مذہب ہر طرح محفوظ ہے

بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا..... اس فرمان میں صاف تصریح ہے۔ کہ عیسائیوں کا جان و مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا۔ اور ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان ہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ وہ نہ توڑے جائیں گے نہ ان کی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائیگا نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرھون علی دینھم (مذہب کے بارے میں ان سے جبر نہ کیا جائیگا) یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے۔ اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی دشمن تھے تاہم ان کے حقوق بھی محفوظ رکھیں۔ کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ اور نکل جانا چاہیں تو نکل سکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہوگا اور ان کے گرجا اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا (ایضاً)

حضرت عمرؓ کا فرمان ذمیوں کے متعلق

حضرت عمرؓ نے فتح شام کے بعد حضرت ابو عبیدہ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے :-

وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار بھم واکل اموالھم الا بحلھا ووف لھم بشرطھم الذی شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم ۔

مسلمانوں کو غیر مسلم ذمیوں پر ظلم کرنے سے منع کیا کرو [illegible] کہ ان کو نقصان نہ پہنچائیں نہ ان [illegible] بے وجہ کھائیں

اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب وفا کرنا۔

مرتے دم بھی ذمیوں کو نہ بھولے

حضرت عمرؓ تو مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔ انہوں نے اپنے جانشین کے لئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی جس کو امام بخاری۔ ابوبکر بیہقی، جاحظ اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے اس کا آخری فقرہ یہ ہے

وصیہ بذمتہ و ذمتہ رسولہ ان یوفی لہم بعہدہم وان یقاتل من ورائہم وان لا یکلفو فوق طاقتہم۔

نہ صرف یہ بلکہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو انتظامات ملکی میں بھی حقوق دئے تھے۔ اور یہی غیر مذاہب کی رعایا کے ساتھ مساویانہ سلوک اور مذہبی آزادی کی دلیل ہو سکتی ہے۔ ایسے مفصل واقعات تمام کتب تاریخ میں ملتے ہیں ۱ طبری ۲ طبری ۳ طبری ۴ صحیح بخاری۔

اگر مسلمان کسی ذمی کو قتل کرتا تو بدلہ میں قتل کیا جاتا

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کے جان و مال کو مسلمان کے جان و مال کے برابر قرار دیا تو کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے۔ کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا۔ کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا دے دیا گیا۔ اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔ (الفاروق حصہ دوم صـ۱۲۳)

ملکی حقوق میں ذمی اور مسلمان میں فرق نہ تھا

واقعات سے جو نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بیدریغ اسکے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے۔ (الفاروق صـ۱۲۸)۔

ذمیوں کی عزت و آبرو کا تحفظ

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اس قدر تحفظ تھا جس قدر مسلمانوں کی عزت و ناموس کا۔ ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے۔ اور زہد و تقدس اور ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمعصر نہ تھا۔ ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا۔ خزاک اللہ (یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے) اس پر ان کو اس قدر ندامت و تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری

سے استعفا دے دیا۔ اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی (الفاروق صفحہ ۱۲۸)۔

ذمیوں سے سلوک حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں سے صلح کی تو ان کی تحریر میں یہ الفاظ تھے۔

لایغیرون عن ملتہ ولایحال بینہم وبین شرائعہم

(۲۶۳۲ طبری)

فتح جرجان کے بعد معاہدہ لکھا گیا۔ اس میں ہے

لہم الامان علی انفسہم واموالہم وملتہم وشرائعہم ولایغیر بشئی من ذالک۔ ان کے جان ومال اور مذہب وشریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔ آذربائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح ہے الامان علی انفسہم واموالہم وملتہم وشرائعہم ان کے جان ومال ومذہب وشریعت کو امان ہے۔ موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ ہیں۔ الامان علی اموالہم وانفسہم وملتہم وشرائعہم ان کے جان ومال ومذہب وشریعت کو امان ہے۔

حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کے عیسائی بُت نہ توڑنا کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ جب بیت المقدس فتح ہوا۔ اور حضرت عمرؓ فاتح ارض مقدس شہر یروشلم میں داخل ہوئے۔ تو بیت المقدس اور بعض مقدس مقامات میں حضرت مسیح ناصری اور حضرت مریم اور بعض حواریان مسیح کے بت اور مجسمے موجود تھے۔ جن کی بعض عیسائی عبادت کرتے۔ اصحاب الرسول نے ارادہ کیا۔ کہ ان مجسموں اور بتوں کو توڑ ڈالیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے منع کر دیا۔ اور فرمایا جن حالات میں سیدنا حضرت محمد صلعم نے کعبۃ اللہ کے بُت توڑے ہیں وہ حالات اور تھے اور یہ حالات اور ہیں جب ہم کفار سے جزیہ لینگے تو انکے بت کیوں توڑیں لا اکراہ فی الدین کے خلاف ہے۔

حضرت عمرؓ نے ذمیوں و مسلمانوں میں حقوق کا کوئی فرق نہ چھوڑا حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے۔ اور منصب کے لحاظ سے اُن کا یہ فرض ہی تھا۔ لیکن فرض تک جہاں تک وعظ و پند سے ممکن تھا۔ ورنہ یہ خیال ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا استق ان کا ایک عیسائی غلام تھا۔ اس کو ہمیشہ مذہب اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ لیکن جب اُس نے انکار کیا تو فرمایا (لا اکراہ فی الدین)۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۲۷)

کفار سے عہد کر کے پورا کیا جنگِ ایران کی آخری فتح کے بعد جب ایران کا سپہ سالار ہرمزان گرفتار کر کے حضرت عمرؓ کے حضور میں بطور

قیدی کے لایا گیا۔ تو آپ نے اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ مگر وہ نہایت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے پانی پینے کو مانگا۔ تو اسے پانی دیا گیا۔ پیالہ ہاتھ میں لے کر اس نے خواہش ظاہر کی کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی لوں مجھے قتل نہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ اسے پانی پی لینے دو۔ اس پر ہرمزان نے پیالہ ہاتھ سے پھینک دیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔ تو ہرمزان نے کہا کیا آپ نے مجھے امان نہیں دی ہے۔ اور نہیں کہا کہ جب تک تو پانی نہ پی لے گا۔ تجھے قتل نہیں کروں گا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے اللہ قتل کرے اس نے ہم سے امان لے لی۔ اور ہمیں بات سمجھ نہیں آئی۔ اور اسے چھوڑ دیا گیا۔ (نتائج)

اسلام میں جوڈیشل و ایگزیکٹو فرائض کی علیحدگی

اگرچہ عرصہ دراز سے جوڈیشل ایگزیکٹو فرائض کی علیحدگی پر زور دیا جا رہا ہے۔ اور باوجودیکہ ہندوستان اور انگلستان کے ممتاز قانون دان اصحاب نے دونوں فرائض کا ایک ہی حاکم کے سپرد ہونا بیجا اور مضر قرار دیا ہے لیکن ہماری سرکار نے ہنوز اس اصلاح کی جانب توجہ نہیں کی ہے ہم اس موقع پر سر عبدالرحیم صاحب کے شرع محمدی سے ایک اقتباس پیش کر کے یہ دکھلانا چاہتے ہیں۔ کہ اسلام ان فرائض کی علیحدگی کا حامی رہا ہے۔ جسٹس سر عبدالرحیم صاحب تحریر فرماتے ہیں" خلیفہ عمرؓ نے اوّل قاضی اس اصول کی حمایت میں تقرر کیا تھا کہ قانون کی عظمت بالاتر ہونی چاہئیے اور عدالت کے بارے میں مطلق شک و شبہ اس امر کا نہ رہنا چاہئیے کہ انتظامی حکام اس کے متعلق اپنا دباؤ ڈالتے ہیں خلیفہ عمرؓ اور ایک یہودی فریقین مقدمہ کی حیثیت سے قاضی کے اجلاس پر حاضر ہوئے خلیفہؓ کو دیکھ کر قاضی تعظیماً کھڑا ہو گیا۔ خلیفہؓ نے قاضی کے اس فعل کو اس کی ناقابل معافی کمزوری قرار دیا۔ قاضی کو موقوف کر دیا۔

عیسائیوں نے قیصر کی عیسائی حکومت پر مسلمانوں کی حکومت کو ترجیح دی۔

جن لوگوں کے دماغوں میں صحیح تاریخی واقعات کے بجائے مسلمانوں کی فتوحات کی فرضی کہانیوں اور دشمنوں کے اختراع کئے ہوئے قصوں نے زیادہ اثر پیدا کر رکھا ہے۔ انہیں ایسے صحیح تاریخی اور مصدقہ واقعات کے سننے سے حیرت ہو گی۔ کہ مسلمان فاتحین کی انصاف پروری اور ایمانداری میں اتنی زبردست کشش تھی۔ کہ شام کے عیسائی قیصر روما کی عیسائی حکومت پر مسلمانوں کی حکومت کو تہ دل سے ترجیح دیتے تھے

۶۳۳ء سے ۶۳۹ء تک جبکہ ملک شام کے مختلف شہروں میں سے عرب قیصر روم کی افواج کو متواتر شکستیں دے رہے تھے اور ان سے بتدریج یہ ملک خالی کرا رہے تھے۔ اس عرصہ میں شام کے عیسائیوں

فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ قیصر ہرقل کے قدیم عیسائی حکومت سے نئے مسلمان فاتحین کی حکومت بہت بہتر ہے قیصر آرتھوڈاکس قسم کا عیسائی تھا کہ جسے شامی عیسائی پسند نہیں کرتے تھے۔ علاوہ اس کے یونانی حکومت میں ظلم و جبر بہت ہوتا تھا۔ مقابلتاً اس کے مسلمانوں نے عیسائی رعایا سے وعدہ کیا تھا۔ کہ ہم تمہارے مذہب میں اور نہ تمہارے قومی رواجات میں مداخلت کریں گے بشرطیکہ ہم دشمن سے پہلے نپٹ لیں۔ جب ہرقل کی فوج شہر حمص کے قریب آئی تو شہر والوں (عیسائیوں) نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے۔ اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں۔

سنہ ۱۳ھ میں جب دمشق کے باشندوں نے عربوں سے حسب منشا شرائط حاصل کر لیں یعنی لوٹ سے حفاظت اور مفید مطلب عہد و پیمان ہو گئے۔ تو شام کے دوسرے شہروں مثل حمص، حماہ نے بھی ایسے عہد نامے لکھوا لئے اور عربوں کے ماتحت رہنے پر خوش ہو گئے۔ ایسی شرائط پر بیت المقدس کے عیسائیوں نے بھی بیت المقدس کو جو عیسائی مذہب کا دنیا میں سب سے مقدس شہر تسلیم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ علاوہ ازیں دین میں جبر و اکراہ نہ کرنے کے اسلامی فاتحین کے ضبط طبیعت انصاف و رحمدلی سے عربی لشکر کی ہر جگہ کشادہ دلی سے استقبال ہونے لگے۔

انصاف کی نظر میں مسلمان اور یہودی یکساں تھے

ایک بار ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ حضرت عمرؓ کے پیش ہوا۔ آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا۔ تو وہ بے ساختہ بول اٹھا کہ آپ نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ (موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ)۔

جزیہ کی وصولی میں سہولت اور نرمی

جزیہ جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ وہ بھی خراج کی طرح نہایت نرمی سے وصول کیا جاتا تھا۔ جو لوگ اپاہج اور بیکار ہو جاتے تھے۔ اُن کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا۔ اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ چنانچہ یہ قاعدہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مقرر ہو گیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی اسے قائم رکھا۔ ذمیوں کو کسی قسم کی اذیت دے کر جزیہ وصول کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا کر کے کچھ لوگوں کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کے جرم میں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ فرمایا ان کو چھوڑ دو۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں بندوں کو تکلیف دیتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب دیتا ہے۔ بندگان خدا کو تکلیف سے بچاتے ہیں مسلمان اور ذمی ان کی نظر میں برابر تھے۔

عُشر کی وصولی میں نرمی کا سلوک غیر قوموں سے مسلمان ایک اور تجارتی ٹیکس وصول کرتے تھے۔ جس کا نام عُشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا تھا۔ اور یہ اسلام کی کوئی جدید ایجاد نہ تھی۔ بلکہ زمانہ جاہلیت کا رواج تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کو قائم رکھا اس کے وصول کرنے کا طریق نہایت آسان تھا کسی کے اسباب کی تلاشی نہیں لی جا سکتی تھی۔ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ شام کے قبطی چونکہ گیہوں کی تجارت کرتے تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ ان سے نصف عشر لیتے تھے۔ کہ مدینہ میں اُس کی آمد زیادہ ہو۔ (موطائے امام مالک کتاب الذکور باب عشور اہل الذمہ)

فارسی قبطی اور شامی زبانوں میں دفتر جزیہ خراج عشور اور زکوٰۃ سے جو رقم وصول ہوتی تھی حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ تک برابر برابر سب مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب باقاعدہ نظام سلطنت قائم ہؤا۔ تو اس کے لئے دیوان دفتر اور بیت المال قائم کیا گیا۔ خراج کا دفتر جیسا کہ قدیم زمانہ میں فارسی شامی اور قبطی زبان میں تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی قائم رہا۔ اور جب اہل عرب نے اس فن میں ترقی کر لی تو تب یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو گیا۔ لیکن نہ اس وجہ سے کہ انہیں غیر مسلم زبانوں سے کوئی نفرت یا تعصب تھا۔

اسلام نے عربوں کے اعلے اخلاق کی وجہ سے ترقی کی۔ حمص کی شکست کے بعد رومی انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عربوں نے تمام شام کو پامال کر دیا ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا۔ اور کہا عرب تم سے زور میں جمعیت میں ساز و سامان میں کم ہیں۔ پھر تم اُن کے مقابلہ میں کیوں نہیں لڑ سکتے۔ اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کیا۔ کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں۔ دن کو روزے رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں۔ اقرار کی پابندی نہیں کرتے۔ اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔ اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ (الفاروق)

اسلامی مساوات اپنے تمام گورنروں اور حکام کو موسم حج میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بلایا کرتے تھے۔ اور انہیں عدل و انصاف کی تاکید اور ظلم سے بچنے کی ہدایت فرماتے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ جو لوگ ہمارے قریب ہیں۔ ان کے معاملات تو ہم خود انجام دینگے۔ لیکن جو لوگ دور رہتے ہیں۔ اُن پر ہم اہل قوت اور اہل امانت کو مقرر کر کے بھیجیں گے۔ جو اچھے طریقہ پر چلے گا۔ اُس کے ساتھ ہم بھی اچھا سلوک کریں گے۔ اور جو بے انصافی کرے گا۔ اُسے ہم سزا دیں گے۔

لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ حضرت عمرؓ کسی کے عالی ہونے کی وجہ سے حق کے خلاف اس کی رعایت نہیں کرتے نہ کسی فی الحقیقت کی وجاہت اور نہ کسی ذی مرتبہ کا مرتبہ انہیں عدل و انصاف سے پھیر سکتا تھا۔ اور نہ کوئی ضعیف کمزور ان کے ظلم کا خوف کرتا یا اُن کے انصاف سے مایوس ہوتا اور نہ وہ امر حق میں کسی کی ملامت کی پروا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا بے نظیر انصاف!

ابوشامہ تھے بیٹے حضرت فاروق اعظمؓ کے
جوانی کا برا ہو آدمی ہو جاتا ہے اندھا
شکایت آپ سے جب مرتباں نے کی تو گھبرائے
پکڑ کر پھر گریباں لے چلے حضرتؓ انہیں باہر
وہ کہتے تھے نہ رسوا کیجئے اور قتل کر دیجے
کہا افلح سے درّے مارو حد جاری کرو اس پر
غرض حضرتؓ نے حد جاری کرائی کچھ نہ کی پروا
پڑے جب درّے ستر جان اُن کی آگئی لب پر
جواب اُن کو دیا حضرتؓ نے بیٹا آپ کوثر کو
لگے جب نوے درّے ہو گئے بیہوش وہ بالکل
وہ روتی پیٹتی تھیں اور سب حضار روتے تھے
ہوئی حد ختم تو زانو پہ رکھ کر سر بہت روئے
قدامہ انکے سالے اور چچا کے بیٹے بھائی تھے

اور ان کے حال پہ حضرتؓ کی شفقت انتہا کی تھی
وگرنہ جانتے تھے وہ برائی بد زنا کی تھی
ابوشامہ سے پوچھا وہ ہو گئے چپ۔ کیوں خطا کی تھی
ابوشامہ کو اس دم شرم و غیرت انتہا کی تھی
وہ فرماتے تھے اس دم تو نے کچھ شرم و حیا کی تھی
رکے پہلے مگر دہشت بھی حضرتؓ کی بلا کی تھی
وہ بسمل تھے تڑپتی روتی سب خلقت خدا کی تھی
تو پانی کے لئے شاید انہوں نے التجا کی تھی
مقدم پانی کے پینے سے تم کو فکر یا کی تھی
کہوں کیا کیسی حالت ان کی ماں کی ماجرا کی تھی
مگر حضرتؓ کو تو پابندی فرمان خدا کی تھی
ابوشامہ مگر زندہ نہ تھا [illegible] قضا کی تھی
مگر حد آپ نے ان پر بھی جاری برملا کی تھی

ایک گورنر کے بیٹے کو عیسائی کے ہاتھ سے سزا دلوائی

مصر کے گورنر عمرو بن العاص کے بیٹے نے ایک قبطی (عیسائی) کو مارا۔ اور اس نے دربار خلافت میں آ کر

حضرت فاروقؓ سے شکایت کی۔ تو آپ نے عمرو بن العاص اور اس کے بیٹے دونوں کو مصر سے بلایا۔ اور عام مجمع میں اس قبطی کے ہاتھ سے عمرو کے بیٹے کو سزا دلوائی (الفاروق)

حضرت عمرؓ کا مفلس عیسائیوں کے روزینے مقرر کرنا

حضرت عمرؓ کی روایات میں سے ایک یہ بات بھی ہے۔ کہ آپ نے مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے تھے۔ جب قبائلِ عرب اور صحابہ کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کیں۔ تو مفلس عیسائیوں کے بھی روزینے مقرر فرمائے۔

حضرت عمرؓ نے عیسائی گرجوں کے وقف بحال رکھے

گسٹیو ڈیرک اپنی جرمن کتاب دی کلچر وغیرہ میں لکھتے ہیں۔ ایسا اتفاق بھی ہوا ہے۔ کہ انہیں عیسائی کلیساؤں میں مسلم اور عیسائی عبادات پہلو بہ پہلو کی جاتی تھیں۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ یروشلم کے کلیساؤں کو مسلمانوں اور عیسائیوں نے ایک عرصہ تک استعمال کیا۔ یہ اسی بات کا ایک نہایت ہی زبردست ثبوت ہے جو مسلم رواداری کے لئے پیش کیا جاسکے۔ اور اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس کا اس زمانے کے کلیسا کی انانیت اور غیر رواداری کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ اسی طریق کی مسلمانان سپین بھی تقلید کرتے تھے یہ ایک مشہور بات ہے۔ جس کی مثالیں موجودہ تاریخ میں کم ملیں گی۔ کہ فتح مصر کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے اس جائداد کو جو عیسائی گرجاؤں کے نام وقف تھی۔ باحتیاط بحال رکھا۔ اور جو رقم پادریوں کی امداد کے لئے سابقہ سلطنت نے مقرر کی تھی۔ اس کو جاری رکھا۔

ذمی کے قتل کے لئے مسلمان قاتل کا قتل کیا جانا

حضرت عمرؓ کے عہد میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک عرب حسین نامی نے مصر کے ایک عیسائی ذمّی کو قتل کر دیا۔ اس پر جب معاملہ حضرت عمرؓ کے حضور میں پیش ہوا تو آپ نے اس مسلمان قاتل کو مقتول کے ورثہ کے سپرد کرنے کا حکم لکھ دیا۔ کہ جیسا چاہیں قاتل سے سلوک کریں چنانچہ قاتل کو ہلاک کر دیا گیا۔ فاروق اعظمؓ کا یہ طریق عمل کوئی گوارا نہ گذرا۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صاف الفاظ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا من کان لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ کدیتنا (جو لوگ ہمارے ذمی ہو چکے ہیں ان کا خون ہمارے خون کی مثل ہے اور ان کا خون بہانا ہمارا خون بہانا ہے)۔

حضرت عمرؓ اور پابندی عہد

اور نہ ابتدائی خلفا نے غیر مسلموں کے مقابلہ میں کوئی بندش قائم کی ہیں۔ تاریخ زور سے اس سے انکار کرتی ہے

یاد رہے کہ حضرت عمرؓ کہ جن کا قاتل ایک غیر مسلم تھا۔ وہ ماتحت اقوام کی بہتری کے اس قدر دلدادہ تھے کہ اپنی رحلت سے پہلے انہوں نے اپنے جانشین کو منجملہ دیگر ہدایات کے یہ حکم دیا۔

"جو معاہدے غیر مسلموں سے کئے گئے ہیں ان کے مسلمان پابند رہیں۔

آخری بات حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کے یہ ذہن نشین فرمائی۔ کہ خدا اور اس کے رسول کیواسطے جو معاہدے نامسلموں سے کئے جا چکے ہیں۔ ان پر قائم رہے اور نہ ان سے جنگ کرے جو پہلے ہی ہمارے ماتحت آچکے ہیں۔ اور نہ ان لوگوں پہ اس قدر بوجھ ڈالے جو ان کی طاقت سے بالا تر ہو۔ (وان کریمر کلچر گذشتہ جلد اوّل صفحہ ۱۶ — ۱۷۔)

حضرت عمرؓ نے کیوں دونوں بیویوں کو طلاق دی

حضرت عمرؓ کی پہلی بیوی زینب بنت المظعون جمحیہ تھیں۔ اور مسلمان بھی ہو گئی تھیں۔ مگر ان کا ان کی زندگی میں انتقال ہو گیا۔ دوسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی تھیں جن سے عبید اللہ پیدا ہوا۔ اور تیسری بیوی قریبہ مخزومیہ تھیں۔ مگر ملیکہ اور مخزومیہ کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں آپ نے طلاق دی۔ اگر جبر یا تلوار کا استعمال اسلام لانے کی ترغیب دینے کے لئے ممنوع نہ ہوتا تو آپ ان آخری دونوں بیویوں کو جبراً مسلمان نہ کر لیتے۔ (تاریخ الامت)

ماتحت و افسر کی مساوات

عمرو بن العاص جب شام میں حضرت ابو عبیدہ سے جا ملے تو آپ نے عمرو بن العاص سے کہا کہ گو میں تمہارا افسر اور سپہ سالار ہوں۔ مگر تم ہی جیسا ہوں بغیر تمہارے مشوروں اور رائے کے میں کام نہ کروں گا۔ فتح مصر کے زمانہ میں رومیوں کا جاسوس جب مسلمانوں کے لشکر سے واپس گیا تو اس نے رومیوں سے مسلمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان کی ... کا یہ حال ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ خادم و آقا ایک سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ افسر اور سپہ سالار سب یکساں رہتے ہیں

ذمیوں کو جزیہ لوٹا دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض لوگوں نے جزیہ کے ادا کرنے میں ... کیا۔ اور دربار خلافت میں وہاں کے عامل نے اس کی اطلاع دی تو حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ اگر وہ لوگ مقررہ رقم ادا نہیں کرتے تو ان کیلئے شہر کے دروازوں کی حد بندی نہ کی جائے آج تمام قوموں کو شکایت ہے کہ ان سے جو مالیہ اس طریقہ سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس کو ... ان ... کے

کاموں میں صرف نہیں کرتیں۔ اسلام کی حکومت میں بھی بہت سی غیر قومیں داخل ہوئیں اور مخالفین اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ وحشیانہ طریق سے محکوم کی گئیں۔ ان قوموں سے جزیہ وصول کیا گیا اور جس غرض سے وصول کیا گیا تھا۔ اس کو اس دیانت وایمانداری کے ساتھ پورا کیا گیا۔ ایک دفعہ کہ جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک فوج عظیم جمع کی۔ اور اس حالت میں مسلمان ذمیوں کی کافی حفاظت نہ کر سکے۔ تو حضرت ابو عبیدہؓ نے ملک کے تمام گورنروں کو لکھا کہ "غیر قوموں سے جزیہ کی جو رقم وصول کی گئی ہے وہ یہ کہکر واپس کر دی جائے کہ اس حالت میں ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ اور جزیہ اسی حفاظت کا معاوضہ تھا۔" چنانچہ جب مسلمانوں نے یہ تمام رقم واپس کر دی تو عیسائیوں نے دعا دی کہ "خدا تم کو پھر واپس لائے، اگر رومی ہوتے تو ہم کو کبھی یہ رقم واپس نہ کرتے۔ بلکہ دوسرے مال و اسباب بھی لے لیتے۔" کیا اسی کا نام مسلمانوں کا ظلم و تعصب ہے؟

حضرت عمرؓ کی مرتے دم کی وصیت

یاد رہے کہ حضرت عمر خطاب جن کا قاتل ایک غیر مسلم تھا ماتحت اقوام کے دامن امان کے لیے انتہا خواہشمند تھے۔ دم واپسین سے پہلے آپ نے اپنے جانشین کو منجملہ دیگر باتوں کے جو وصیت فرمائی۔ اُن کے آخر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں اپنے جانشین کو تاکید کرتا ہوں۔ کہ خُدا اور اس کے رسُول کے واسطہ سے وہ غیر مسلموں سے جو معاہدات کئے گئے ہیں انہیں قائم رکھے۔ اور ان سے جنگ نہ کرے۔ جو پہلے ہی ہمارے ماتحت آچکے ہیں نہ ان پر ایسے بوجھ ڈالے جن کے اٹھانے کی ان میں طاقت نہ ہو۔"

حضرت عمرؓ کا طریق عمل

حضرت عمرؓ نے اس جائداد کی جو مصر میں مسیحی گرجاؤں کیلئے وقف تھی پوری محافظت کی اور سابقہ حکومت کیطرف سے پادریوں کیلئے جو وظائف مقرر تھے۔ انکو جاری رکھا۔ حضرت عمرؓ جب یروشلم میں بطور فاتح داخل ہوئے۔ تو آپ اس گرجا میں گئے جو مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے کے نام سے قائم ہے۔ آپ ابھی گرجا ہی میں تھے کہ نماز عصر کا وقت آگیا۔ گرجا کے لاٹ پادری نے آپ سے درخواست کی کہ وہیں اسوقت نماز پڑھ لیں لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ اگر میں نے یہاں نماز پڑھی تو آئندہ نسلیں اس جگہ کو مسجد بنائیں گی۔ بہتر ہے کہ میں باہر جاکر گرجا سے فاصلہ پر نماز پڑھوں چنانچہ ایسا ہی ہوا میں جب یروشلم گیا تو اس مسجد کو بھی میں نے دیکھا جو حضرت عمرؓ کے نماز پڑھنے کی یاد میں چرچ سے کئی سو گز کے فاصلہ پر بنائی گئی تھی۔ (محبوب عالم)

زکوٰۃ کا مصرف اور تنخواہیں

جرمن مورخ وال کیمر لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں زکوٰۃ کی آمدنی بہت بڑھ گئی تھی۔ اونٹ بکریاں اور بھیڑیں جو زکوٰۃ میں آتی تھیں ان کے لئے شاہی چراہ گاہ بنا ہوا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چراگاہ مذکور میں چار لاکھ اونٹ اور گھوڑے تھے۔ آمدنی زکوٰۃ کا مصرف حسب ذیل تھا (۱) غیر مسلموں کے برخلاف جنگ کیلئے سپاہیوں کو تیار کرنا (۲) ان عاملوں کو تنخواہ دینا جن کو زکوٰۃ کی وصولی کا کام تفویض تھا (۳) نادار اور محتاج مسلمانوں کو نان ونفقہ دینا۔

آنحضرت صلعم کے قریبی رشتہ دار اور بنو مطلب اور بنو ہاشم اس میں سے کچھ حصہ نہ لیتے تھے۔ انکے لئے بیت المال سے سالانہ رقمیں مقرر تھیں مصر شام عراق اور ایران کی رعایا سے دو قسم کے ٹیکس لئے جاتے تھے (۱) جزیہ (۲) خراج - یہ دونوں قسم کے ٹیکس مسلمانوں کی ایجاد نہ تھے۔ بلکہ رومی حکومت کے زمانہ میں بھی پلئے جاتے تھے جزیہ کا عمل ساسانیوں کے عہد حکومت میں بھی تھا جزیہ اور خراج کی وصولی جملہ ممالک مفتوحہ میں ایک ہی اصول پر عمل میں آئی تھی اس کے متعلق قواعد ابتداءً حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مرتب کئے گئے۔ ممالک مصر اور شام میں جہاں پر سونے کے سکہ کا رواج تھا۔ تمام بالغ آدمیوں سے چار دینار سالانہ جزیہ وصول ہوتا تھا۔ عراق (مشرقی عرب و بحرین) اور ایران میں جہاں پر چاندی کا سکہ چلتا تھا۔ چالیس دینار سالانہ۔ ایک دینار کی قیمت اس زمانہ میں دس دینار کے مساوی تھی۔ جزیہ تین قسم کا ہوتا تھا۔ مالدار آدمیوں سے چار دینار سالانہ، متوسط درجہ کے لوگوں سے دو دینار اور معمولی آدمیوں سے ایک دینار سالانہ وصول ہوتا تھا۔

مالیہ کا دفتر

وان کریمر جرمن مورخ لکھتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور بالخصوص حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب سلسلہ فتوحات بہت توسیع پا گیا اور شام و بابل و مصر جیسے متمول اور خوبصورت شہر فتح ہو جانے سے دنیا کی دولت عرب میں امنڈ آئی تو آمدنی و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اور صیغہ دیوان قائم ہوا۔ مملکت روم و ایران کے مفتوحہ صوبہ جات میں نیز مصر و شام میں دیسی عیسائی یونانی زبان میں رجسٹر حساب و کتاب رکھتے تھے۔ اور بابل و عراق میں فارسی زبان میں خلفائے بنی امیہ کے زمانہ میں بجائے یونانی اور فارسی زبانوں کے عربی میں حساب رکھنے کا رواج ہوا۔ مدینہ میں بھی ایک رجسٹر کھولا گیا۔ جس کے مطابق تمام مسلمانوں کو سالانہ روپیہ تقسیم ہوتا تھا حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں تمام مسلمانوں کو بلالحاظ درجہ و مرتبہ مساوی رقم تقسیم ہوتی لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یابندگان کے درجہ اور مرتبہ کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ انقسام مندرجہ ذیل طریقہ سے عمل میں آتا تھا۔

حضرت عائشہؓ بارہ ہزار — دیگر ازواج مطہرات آنحضرت صلعم دس دس ہزار —

بنو ہاشم و بنو مطلب دس دس ہزار — انصار و مہاجرین پانچ پانچ ہزار —

حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ و حضرت عباسؓ پانچ پانچ ہزار —

اسی طرح حسب مدارج دیگر مسلمین کی سالانہ رقمیں مقرر تھیں۔ جن کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہ تقسیم نہایت احتیاط کے ساتھ مردم شماری کے بعد عمل میں آتی تھی۔ مردم شماری رومیوں کے زمانہ میں بھی ہوتی تھی۔ لیکن اسکے اور اس مردم شماری کے درمیان جو کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی نمایاں فرق تھا۔ اول الذکر کا منشا یہ قرار پایا گیا تھا۔ کہ آدمی ٹیکس دینے سے بچ نہ جائے۔ برخلاف اسکے موخر الذکر کا مقصد یہ تھا کہ کوئی مسلمان بیت المال سے اپنا جائز حصہ لینے سے محروم نہ رہ جائے۔ علاوہ جزیہ اور

خراج کے مفتوحہ اقوام کو مقررہ پیمانہ کے مطابق رسد کا انتظام بھی کرنا پڑتا تھا۔

جنگی خدمت سے بچنا جنگی خدمت سے پہلوتہی کرنا مستوجب سزا تھا حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایسے لوگوں کی یہ سزا مقرر تھی۔ کہ ان کے عمامے اتروائے جاتے تھے۔ اور وہ شکنجہ میں کھنچوا دیئے جاتے تھے پھر جب یہ سزائیں ناکافی سمجھی گئیں۔ تو ایسے آدمیوں کے سر اور ڈاڑھیاں منڈوا دی جاتی تھیں۔ ایسا مصعب نے کیا تھا بشر ابن مروان نے اس پر مزید اضافہ کیا۔ کہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کیلیں ٹھکوا دی جاتی تھیں۔ عراق کے گورنر حجاج نے تو ان کے سر ہی قلم کروانے شروع کر دیئے تھے۔ مصنف نے حضرت عمرؓ کے اس فعل پر کہ کیوں انہوں نے خیبر کے یہودیوں کو بلا معاوضہ دیئے اور نجران اور فدک کے عیسائیوں کو ان کی فصل کی پیداوار کا نصف حصہ اور ان کی اراضیات کا پورا معاوضہ دیکر عرب سے جلاوطن نکلوا دیا۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جو معاہدے ان اقوام کے ساتھ ہوئے تھے وہ ان کے ایفا سے پہلوتہی کرتے تھے۔ اور آئندہ ان کی جانب سے فتنہ و فساد کا اندیشہ تھا۔ لہذا ان کو عرب سے نکال باہر کیا گیا۔ لیکن ہر طرح کی رعائتیں ان کے ساتھ مرعی رکھی گئیں۔ بقول مصنف حضرت عمرؓ کی پالیسی کا راز اس میں مضمر تھا۔ کہ عرب کو اسلام کا قلعہ بنا دیا جائے۔ اور بجز مومنین کے اس میں کوئی غیر قوم آباد نہ رہے یا حضرت عمرؓ کا فعل اس پالیسی کا تکملہ تھا۔ (از انگریزی ترجمہ واں کریمر جو جرمن ہے)۔

اسلام نے رنگِ ثقافت اور تعصب کی جڑ کاٹ دی

حضرت عمرؓ کو بلالؓ نے جوتے کی نوک سے اٹھایا ایک روز نبی کریم صلعم کی خدمت میں صحابہ کرام حاضر تھے جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت بلالؓ بھی موجود تھے۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا۔ کہ بلال ایک سیاہ رنگ غلام ہے۔ یہ سنتے ہی حضور پیغمبر صاحب صلعم نے چیں بہ جبیں ہو کر ارشاد کیا۔ کہ اے عمر! ابھی تمہارے مزاج میں جہالت کی بو باقی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کے قدموں پر گر پڑے۔ اور کہا کہ میں نے بڑی گستاخی کی جب تک کہ بلال اپنے جوتے کی نوک سے مجھے نہ اٹھائینگے میں یہاں سے ہرگز نہ اٹھوں گا لیکن بلال حضرت عمرؓ کے مدت تک غلام رہ چکے تھے۔ اور ان کے آزادہ شدہ غلام تھے۔ اسلئے حضرت بلالؓ نے شرمندہ ہو کر کہا کہ عمرؓ فلاں میں تو وہی ہوں جو آپ کی غلامی میں عرصہ دراز تک رہ چکا ہوں۔ مجھ سے ایسی گستاخی کیسے ہو سکتی ہے۔ کہ جوتے کی نوک سے آپ کو اٹھاؤں۔ مگر آپ نے ہرگز اس کا خیال نہ کیا اور سر نہ اٹھایا جب تک آپ کے آزاد کردہ غلام نے آخر کار مجبور ہو کر جوتے کی نوک سے سر اٹھایا۔ کہاں حضرت عمرؓ جیسا جلیل القدر شخص جس کا درجہ صحابہ میں بھی نہایت بلند تھا۔ اور کہاں حضرت بلالؓ ایک آزاد شدہ

مگر اسلام نے حبشی اور رومی اور عرب وعجم کے درمیان کوئی تعصب یا تفاوت رنگ یا درجہ کا باقی نہیں چھوڑا تھا چنانچہ اسی حکم کی تائید اس مشہور حدیث میں کی گئی ہے کہ خواہ تمہارا خلیفہ یعنی حاکم وقت، ایک ایسا حبشی غلام ہو جس کا سر ایک انگور کے دانہ کے برابر ہو تاہم اس کے حکم کی تابعداری کرو۔

آتشکدہ کی نسبت اسلام کی رواداری

اسلام کی رواداری کی تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے تاریخ اسلام سے ایسے واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں جن سے اس کا کافی و وافی ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً فلسطین میں عیسائیوں اور یہودیوں کو کامل مذہبی آزادی اور ایران میں غلطی سے ایک آتشکدے کو مسلمانوں کے ہاتھوں نقصان پہنچنے پر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیت المال کے روپیہ سے اس کی مرمت کرا دینا وغیرہ۔ گو قرآن میں آتش پرستوں اور ہندوؤں کے متعلق کوئی تشریح نہ تھی مگر اس قرآنی آیت سے کہ ہر قوم میں ہادی گذرے ہیں۔ استنباط کر کے مسلمانوں نے مجوسیوں اور ہندوؤں کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک بعید نہیں سمجھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک موقع جنگ میں حضرت خالد بن ولید کو معزول کرنے کا قصہ قابل ذکر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کارروائی محض اس بنا پر کی تھی کہ وہ حضرت خالدؓ کو اسلام کی مساوات کا اصول یاد دلانا چاہتے تھے۔ اور حضرت خالد نے بلا چون و چرا اپنے عہدہ سے علیحدہ ہو کر جدید جنرل کی ماتحتی میں کام کر کے جس بے نظیر اسپرٹ کا ثبوت دیا۔ وہی اسلام کی حقیقی اسپرٹ تھی۔ اور اسی نے مسلمانوں کو بہت قلیل عرصہ میں کیا سے کیا بنا دیا تھا۔

عیسائی کو دفتر مالگذاری کا افسر بنایا

عراق مصر اور شام کا دفتر مال گذاری جس قدر تھا سریانی و قبطی زبان میں تھا۔ اس وجہ سے دفتر مالگذاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی ہوتے تھے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے علم فرائض کی ترتیب و درستی کے لئے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں تصریح لکھا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں:۔

اِبعَث علینا بِرُومِیّ یُقِیمُ لَنَا حِسَابَ فَرَائِضِنَا۔ ہمارے پاس ایک رومی عیسائی کو بھیج دو جو ہمارے علم فرائض کے حساب کو درست کر دے۔

آج غیر مذہب کا کوئی شخص ملکہ معظمہ نہیں جا سکتا۔ اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا گیا ہے لیکن حضرت

عمرؓ کے زمانہ میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ میں جاتے تھے۔ اور جب تک چاہتے وہاں مقیم رہتے تھے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔ آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ ان کو سمجھنا چاہئے۔ کہ آج کا زمانہ اسلام کی اصلی تصویر نہیں۔ اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۸۲)

حضرت عمرؓ کی بے تعصبی کی مثالیں بہت ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

مفتوح اور مقید عیسائیوں کو اپنے مذہب میں رہنے کی عام اجازت دی

فتح مصر کی لڑائیوں میں بہت سے قبطی گرفتار ہوئے تھے۔ عمرو بن العاص فاتح مصر نے دربار خلافت کو لکھا۔ کہ انکی نسبت کیا کیا جائے حضرت عمرؓ نے جواب لکھا۔ کہ سب کو بلا کر کہدو کہ ان کو اختیار ہے مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ورنہ جزیہ دینا ہوگا۔ جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ عمرو نے تمام قیدی جو کئی ہزار تھے ایک جگہ جمع کئے عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا۔ اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے۔ بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا فرمان خلافت پڑھ کر سنایا گیا۔ تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا۔ اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے جب کوئی شخص اسلام لانے کا اظہار کرتا تھا۔ تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے۔

عیسائی کے قتل پر مسلمان قتل کیا گیا

ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا گیا تھا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا۔ تو حضرت عمرؓ اُس کے بدلے فوراً مسلمان کو قتل کرا دیتے۔ امام شافعیؒ نے روایت کی ہے۔ کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث جس کا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا۔ اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔ (الدرایہ فی تخریج الہدایہ)

مسلمان عیسائیوں کی زمین تک نہ خرید سکتے تھے

مال اور جائیداد کے متعلق ان کے حقوق کی حفاظت اس سے

بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؟ جس قدر زمینیں اُن کے قبضہ میں تھیں اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُن کے قبضہ میں تھیں یہانتک کہ مسلمانوں کے لیئے اُن زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا (آج پنجاب کے لینڈ ایلینیشن ایکٹ پر ہمارے ہندو بھائی اس قدر برہم ہو رہے ہیں)

اسلامی عدل عہدِ عثمانؓ میں

حضرت عثمانؓ نے تمام گورنروں کو حکم دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں جب کوئی کمزور مظلوم ہو گا تو ہم ہمیشہ قوی کے مقابلہ میں اُسی کا ساتھ دیں گے۔

حکام کا فرض صرف خراج لینا نہیں

ایک دفعہ حکام کو لکھ بھیجا کہ خدا نے حاکموں پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ رعایا کے نگہبان رہیں نہ یہ کہ صرف اُن سے خراج وصول کریں تم لوگ ہمیشہ رعایا کے معاملات پر پوری توجہ رکھو جو اُن کے حقوق ہیں پورے پورے انھیں دو۔

محکوم قوموں پر کسی طرح ظلم نہ کرو

خراج لینے پر جو حکام مامور تھے اُن کو فرمان بھیجا کہ جس طرح تم حق وصول کرتے ہو اسی طرح جو حقوق اُن کے ہیں پورے پورے انھیں بھی دو، امانت اور دیانت معاملہ میں ملحوظ رکھا کرو یتیم اور محکوم قوموں پر کسی طرح کا ظلم نہ ہونے پائے کیونکہ جو ان لوگوں پر ظلم کرے گا اُس کا مدعی خود خدا ہو گا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں مرو کے اسقف سے سلوک

حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کے عہد میں مرو کے پادری اعظم نے اُنکے برعکس، اسقف فارس کو ان الفاظ سے مخاطب کیا:-

"عرب جن کو خدا نے سلطنت دی ہے وہ مسیحی مذہب پر حملہ نہیں کرتے بلکہ اسکے برعکس وہ ہمارے مذہب میں ہماری اعانت کرتے ہیں۔ ہمارے خدا اور بزرگان مذہب کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ہمارے گرجوں اور خانقاہوں کو عطیات مرحمت فرماتے ہیں" کیا یہ مسلمانوں کی روشن رواداری نہیں ہے؟

کان کھینچنے کا بدلہ یہیں لیلو

حضرت عثمانؓ کا ایک غلام تھا جس کو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے کان کھینچے تھے تم اسکا بدلہ مجھ سے لیلو، قیامت میں بدلہ دینے سے یہاں بدلہ دینا بہت آسان ہے۔

حج کے موقعہ پر سب شکایتیں کر لو

حضرت عثمانؓ نے تمام صوبوں میں عام فرمان بھیجدیئے کہ جس کسی کو مجھ سے یا میرے عمال سے کسی قسم کی شکایت ہو وہ حج کے موقعہ پر آکر اپنا حق خاطر خواہ وصول کر لے۔

حضرت عمرؓ نے جو اپنے لڑکے سے سلوک کیا کیا کسی دوسری قوم نے ایسا کیا ہے؟

من کان لہ عندنا فلمہ کذا

دے دینا کہ بیٹنا۔ جو لوگ ذمی ہو چکے اُن کا خون ہمارا خون ہے۔ اور اُن کا خون بہا ہمارا خون بہا ہے۔

حضرت عمرؓ فاروق کی شہادت سے پہلے ابو لولو ہرمزان سے ملنے گیا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں وہی خنجر تھا جس سے عمرؓ فاروق کو اُس نے شہید کیا تھا۔ ہرمزان اس کے ہاتھ سے خنجر لے کر دیر تک دیکھتا رہا پھر اسکو واپس کر دیا، اس جلسہ میں خفیفہ نصرانی بھی تھا، عمر فاروقؓ کے زخمی ہونے کے دوسرے دن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بر سبیل تذکرہ عبداللہ بن عمرؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ پھر لوگ مجھے دیکھ کر متفرق ہو گئے تھے اور خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا، عبداللہ کا دل یہ سنکر بھر آیا، اور جوش انتقام میں موقع کے منتظر رہنے لگے، چنانچہ موقعہ پا کر ایک روز ہرمزان پر حملہ کر دیا، ہرمزان زخمی ہو کر گرا چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے دوڑ کر عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔

اگلے دن جب دربار خلافت میں مقدمہ پیش ہوا تو حضرت علی نے حضرت عبداللہ کے قتل کی رائے دی عمرو بن العاص نے اس بناء پر مخالفت کی کہ کل ہی تو اُن کے والد (حضرت عمرؓ) شہید ہوئے ہیں اور آج بیٹا مارا جائے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا، حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ میں اس کا ولی ہوں اور میں اُن کا خون بہا ادا کرتا ہوں، چنانچہ اپنے مال سے اُن کا خون بہا ادا کر دیا، بعض تاریخیں اس باب میں متفق ہیں کہ مقتولین میں ہرمزان کے علاوہ دو اور شخص فیروز (قاتل کا بیٹا) اور حصیبہ بھی تھے اور یہ دونوں غیر مسلم تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے جو خون بہا ادا کیا وہ ان تینوں کے ورثا کو بالکل مساوی حصہ میں دیا۔ اس واقعہ سے ان امور پر غور کرنا چاہیے کہ عبداللہ حضرت عمرؓ کے بڑے لڑکے تھے اور جن لوگوں کو انھوں نے قتل کیا، وہ درحقیقت حضرت عبداللہؓ کے باپ کے قاتل تھے، اس لیے وہ یقیناً اسی سزا کے مستحق تھے، لیکن چونکہ عبداللہ کو نظم و قانون کی رو سے اُن کو مارنے کا کوئی حق نہ تھا، تمام صحابہ اور مہاجرین نے حضرت عثمان کو بلا رو رعایت یہ مشورہ دیا کہ عبداللہ کو قتل کر دیا جائے کیا یہ واقعہ اسلام کی انصاف پسندی، رواداری اور مذہبی بے تعصبی اور غیر مذاہب کو مساویانہ حقوق دینے کی درخشاں مثال نہیں ہے۔ (ابن خلدون جلد چہارم کتاب ثانی)

ایک عیسائی پادری کی شہادت تیسرے خلیفہ کے عہد میں بھی عیسائیوں کیساتھ وہی رواداری کا سلوک ہوا چنانچہ میری کے مسیحی پادری کے ذیل کے الفاظ میں اس پر ایک کھلی شہادت ہیں:۔

"عرب جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین کی بادشاہت عطا ہوئی ہے مسیحی مذہب پر حملہ آور نہیں ہوتے، برخلاف اس کے وہ ہمیں ہمارے مذہبی معاملات میں امداد دیتے ہیں، وہ ہمارے خدا اور ہمارے بزرگوں کی عزت و تکریم کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور خانقاہوں کے لیے عطیے دیتے ہیں"

حضرت علی طور سینا کے راہبوں کو

اخبار مجموعہ ناوز ائے بحر خزر کے فارسی حصہ ہیں (کیونکہ اُس کا ایک حصہ روسی اور دوسرا ترکی زبان میں ہوتا ہے) ۸ شعبان ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۰۵ء میں معہ حسب ذیل بیان کے درج ہے۔

دریکے از روزنامہ جات قفقاز چندی قبل ترجمہ عہد نامہ کہ در سال چہلم از ہجرت حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بہ جماعتی از ملت ارامنہ کہ جاسوسان اسلام را در لشکر بر عداوت و قلاع ہمراہی و معاونت کردہ بودند عطا فرمودہ ملاحظہ گردید داز قرار نقل روزنامہ مذکورہ ایں عہد نامہ بزبان عربی و خط کوفی دریکے از مساجد اردبیل نقش شدہ بودہ است شخصی از ارامنہ صورتی از آں تحصیل کردہ و در قفقاز آوردہ است بہر حال چوں اصل آں ہنوز بدست ما نیامدہ عجالۃ از نقل و ترجمہ آں در اینجا صرف نظر میکنیم لکن نخست صورت عہد نامہ را کہ صاحب شریعت اسلامیہ حضرت محمد ابن عبد اللہ (ص ع) در سال دوم از ہجرت بہ رہبانان دیر کاترینای قدیمہ در جبل سینا عطا فرمودہ بودند و اصل آں فعلا در خزانہ دولت عالیہ عثمانی محفوظ است و در جمیع دیرہائے کہ در آں حدود متعلق باین دیر است سوادی از ایں عہد نامہ بزبان ترکی از طرف محاکم شرعیہ در آں تعلیق یافتہ در ایں شمارہ بعینہا نقل می نمائیم و در نمرہ آیندہ انشاء اللہ بہ ترجمہ آں محض سہولت فہم قارئین مبادرت می جوئیم تا بہ برادران اسلامی ما واضح کردہ کہ در شریعت مقدسہ اسلامیہ امر برعایت و محبت و حمایت ملت نصاری گشتہ و عموم متدینین بدین مسیحیہ را از جملہ رعایا و ذمہ داران اسلام محسوب فرمودہ و ما صورت ایں عہد نامہ را بطوریکہ از کتاب "صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب" تالیف نوفل آفندی ابن نعمۃ اللہ الطرابلسی بار دیدہ می نگاریم و ہی ہذہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہذا الکتاب کتبہ محمد بن عبد اللہ بشیرًا و نذیرًا و امین الخلق اجمعین او دیعۃ اللہ فی خلقہ کی لا تکون حجۃ علی اللہ بعد الرسل و کان اللہ عزیزًا حکیمًا کتبہ لمن ہم علی دینہ عہدًا لاولئک القوم جمیعًا الذین ہم علی دین النصرانیۃ عربیہم و عجمیہم معلومہم و مجہولہم ہذا الکتاب ما عہدہ الیہم و کل من خالف ما فیہ من العہد یکون مخالفًا لہ و لغیرہ و متعدیًا علی ما امر بہ و قد افسد عہد اللہ و لم یصدق فی میثاقہ و لم یخضع لہ و یکون قد استہزأ بدینہ و مستحقًا للعنتہ ان یکن سلطانًا او کان غیرہ من المسلمین المؤمنین فمتی کان راہب او سائح مجتمعًا فی جبل او واد او مغارۃ او معمور او سہل او کنیسۃ او معبد فنحن من ورائہم و انی لاذب عنہم بنفسی و اعوانی و انصاری و شیعتی لہم و اموالہم و ثوابہم اذا نہم من رعیتی و اہل ذمتی و ادفع عنہم کل ما یکدرہم من تلک الاثقال التی تعطیہا اہل العہد فلا یعطون الا ما طابت

نفوسهم من الاشياء خراجا ولا يكدرون ولا يكون عليهم جبر ولا اكراه ولا يتغير من كان عليهم قضاة منهم
عن وظيفتهم ولا رهبانهم عن رهبانيتهم ولا اصحاب الخلوات عن الاقامة فى صوامعهم ولا يسلب احد سبيا
منهم ولا يهدم بيتا من بيوت كنائسهم ولا بيتا منه ولا يدخل شيئا منها الى بيوت المسلمين وكل من اخذ شيئا من
ذلك فيكون قد افسد عهد الله وخالف رسوله حقيقة ولا يطرح خراج على فقرائهم ورهبانهم ولا من كان مشغولا
فى العبادة منهم ولا شئ آخر غرامة كان او خراجا او مظلمة اخرى فانى انا احفظ دمنهم فى البحر والبر والمشرق
والمغرب والشمال والجنوب اينما كانوا وهم فى ذمتى وميثاق امانى من جميع الاشياء التى يكرهونها فلا يؤخذ خراج
ولا اعشار ممن يتعبد فى خلوة فى الجبال ولا ممن يزرع فى تلك الارض المباركة ولا احد يشاركهم فى طريقهم ولا
يشترك معهم بل يعوله ان ذلك لغيرهم ويعطي لهم فى اوقات المواسم من كل اردب قدحا لاجل ما كولهم فلا يقال
لهم ان هذا اكثر ولا يطالبون بخراج ولا يؤخذ من ذوى الخراجات ايضا ولا من الاغنياء وارباب التجارة زيادة
عن اثنى عشر درهما فى السنة عن كل راس ولا يكلف المسلمون منهم زيادة عن الحد المبين ولا يكلفهم احد
الى سفر او يلزمهم الى حرب او نقل سلاح انما المسلمون يحاربون عنهم ويجادلونهم على احسن وجه اتباعا لآية
ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتى هى احسن فيعيشون مرحومين ويمنع عنهم ما يكدرهم او يضيق عليهم من
كل داع اينما كانوا وفى اى محل نزلوا واذا تزوجت امرأة نصرانية بمسلم فلا يكون ذلك الا برضا تلك المرأة
ولا تمنع من الذهاب الى كنيستها لاجل الصلاة وتحترم كنائسهم فلا يمنعون من تعميرها ولا من مرمة
ديورتهم ولا يلتزمون بنقل سلاح او حمل حجارة وانما المسلمون يذبون عنهم ولا احد من الامة يخالف هذا
العهد الى يوم القيامة وانقضاء الدنيا هذا العهد الذى كتبه محمد بن عبد الله الى جميع ملة النصارى
اشترط جميع ذلك ليفى به وهم ايضا الذين اثبتوا اسماءهم وشهاداتهم وقد اشهد الصحابة العظام عليه
فى آخره وهم -

على بن ابى طالب وابو بكر بن قحافة وعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وابو درداء عود وابو هريرة و
عبد الله بن مسعود وعباس بن عبد المطلب والفضل بن عباس والزبير بن العوام وطلحة بن عبد الله و
سعيد بن معاذ وسعيد بن عبادة وثابت بن نفيس وزيد بن ثابت وابو حنيفة بن عتبة وهاشم بن عبيد
ومعظم بن قريش والحارث بن ثابت وعبد العظيم بن حسن وعبد الله بن عمرو بن العاص وعامر بن ياسر -

وقد كتب هذا العهد بخطه فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم على بن ابى طالب فى اليوم الثالث من
المحرم السنة الثانية من الهجرة -

تمت یوسفی علیہ کا مضمون یہاں ختم کیا گیا ہے

(۲۲۶ [illegible] تک ناجی پریس ... لاہور میں چھپی)

تلوار و اسلام

88

جلد اوّل

مصنّفہ حاجی مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم و مغفور

جب

پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۴۴ء مین

مولوی عبدالمجید صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور نے طبع کر کے شائع کیا

Price Rs. 4/-